جدید فقہی تحقیقات

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں شب گذاری
موجودہ حالات کے پس منظر میں

[سولہویں فقہی سمینار منعقدہ دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ مؤرخہ ۳۰؍مارچ تا ۲؍اپریل ۲۰۰۷ء کے ایک موضوع ''رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام'' کے سلسلے میں علماء ہند کا فیصلہ، نیز اس میں پیش کیے گئے تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) محفوظ

نام کتاب	:	رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں شب گذاری موجودہ حالات کے پس منظر میں
صفحات	:	۴۰۴
قیمت	:	
سن طباعت	:	مارچ ۲۰۰۸ء

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ

دیوبند، ضلع سہارنپور (یوپی)

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مولانا محمد عبید اللہ اسعدی

فہرست مضامین

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹
خطبۂ صدارت	مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی	۱۱

پہلا باب : تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ		۱۵
سوال نامہ		۱۷

تلخیص مقالات:

الف - رمی جمار کے اوقات	مفتی امتیاز احمد قاسمی	۲۰
ب - منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام	مفتی محمد سراج الدین قاسمی	۳۴

عرض مسئلہ:

الف - رمی جمار کے اوقات	مولانا راشد حسین ندوی	۴۰
ب - منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۵۱

دوسرا باب : علماء اور ارباب افتاء کی تحریریں

الف - تفصیلی مقالات:

۱ - رمی جمار کے اوقات	مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۶۱
۲ - رمی جمرات اور قیام منیٰ کی حیثیت	مولانا راشد حسین ندوی	۶۳
۳ - حج میں رمی جمار کے اوقات - ایک شرعی جائزہ	مولانا اختر امام عادل	۷۷
۴ - رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کا قیام	مولانا بدر احمد مجیبی	۸۸
۵ - رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام	ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی	۹۷
۶ - رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں شب گزاری کا مسئلہ	مولانا نور الحق رحمانی	۱۰۹

۷-رمی جمار کے اوقات	مولانا خورشید احمد اعظمی	۱۲۰
۸-رمی جمار اور مبیت منیٰ کے احکام	مولانا شوکت ثناء قاسمی	۱۳۲
۹-رمی جمار کے اوقات میں وسعت-وقت کی اہم ضرورت	مولانا محمد اقبال ٹنکاروی	۱۴۳
۱۰-رمی جمار کے اوقات	مولانا عبد الرشید قاسمی	۱۶۱
۱۱-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر......	مولانا محمد ابوبکر قاسمی	۱۷۷
۱۲-رمی جمار کے اوقات	مولانا محمد ممتاز خان ندوی	۱۹۰
۱۳-رمی جمار اور قیام منیٰ سے متعلق چند مسائل	مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۲۰۰
۱۴-رمی جمار کے اوقات اور خارج منیٰ......	مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی	۲۰۸
۱۵-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام	مفتی محمد عارف باللہ قاسمی	۲۲۱
۱۶-رمی جمار کے اوقات	اے ایم عبد القادر عبد اللہ قادری	۲۳۱
۱۷-رمی جمار کے اوقات میں توسیع کے حدود	ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی	۲۳۹
۱۸-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام	مولانا رحمت اللہ ندوی	۲۴۵
۱۹-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر قیام کی نوعیت	مولانا خورشید انور اعظمی	۲۵۲
۲۰-رمی جمار کے اوقات اور اس سے متعلق شرعی احکام	مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۲۵۹
۲۱-رمی جمار کے اوقات	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۲۶۵
۲۲-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں قیام کی شرعی حیثیت	مولانا تنظیم عالم قاسمی	۲۷۱
۲۳-۱۰/ذی الحجہ کی رمی کا وقت	مولانا محمد ابرار خان ندوی	۲۷۸
۲۴-رمی جمار کے اوقات میں توسیع کے حدود	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۲۸۴
۲۵-رمی جمار کے اوقات	مفتی محمد عبد الرحیم قاسمی	۲۹۰
۲۶-رمی جمار کے اوقات	مولانا نعیم اختر قاسمی	۲۹۶
۲۷-رمی جمار کے اوقات اور ان سے متعلق مسائل	مفتی شاہد علی قاسمی	۳۰۲
۲۸-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام	مولانا محمد اعظمی	۳۰۷

۲۹-رمی جمرات کے اوقات	مفتی نعمت اللہ قاسمی کھگڑیا	۳۱۲

ب-مختصر تحریریں:

۱-رمی جمار اور منیٰ کا قیام	مفتی محبوب علی وجیہی	۳۱۷
۲-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام	مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی	۳۱۸
۳-رمی جمار کے اوقات	مفتی جمیل احمد نذیری	۳۲۲
۴-رمی جمار کے اوقات	مفتی شبیر علی گجراتی	۳۲۶
۵-رمی جمرات کے اوقات	مفتی انور علی اعظمی	۳۲۹
۶-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام	مولانا ابوالعاص وحیدی	۳۳۲
۷-رمی جمار کے اوقات	مفتی سلمان منصورپوری	۳۳۵
۸-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام	مفتی محمد یعقوب قاسمی	۳۳۸
۹-رمی جمرات کے اوقات	مولانا عطاء اللہ قاسمی	۳۴۲
۱۰-جمرات ثلاثہ	مولانا نیاز احمد بنارسی	۳۴۶
۱۱-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام	مولانا محمد ارشد مدنی	۳۵۰
۱۲-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں قیام کے حدود	مولانا ظہیر احمد صاحب	۳۵۴
۱۳-رمی جمار کے اوقات	مولانا ذکاء اللہ شبلی	۳۵۷
۱۴-رمی جمار کے اوقات میں توسیع کی حدود	مولانا منذر توحید	۳۵۹
۱۵-رمی جمار کے اوقات اور منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام	ڈاکٹر محمد بہاء الدین ندوی	۳۶۱
۱۶-رمی جمار کے اوقات	مولانا محمد شاہ نجم	۳۶۳
۱۷-رمی جمار اور منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام	مولانا سید قمر الدین محمود	۳۶۷

اختتامی امور

۱-مناقشہ:	۳۷۳
۲-تاثرات:	۴۰۲

☆☆☆

پہلا باب

تمہیدی امور

پیش لفظ

اسلام کا ایک اہم ترین رکن ''حج بیت اللہ'' ہے، یہ عبادت کئی جہتوں سے امتیازی حیثیت کی حامل ہے، بعض عبادتیں وہ ہیں جن میں انسان کے جسم کا استعمال ہے، ان کو ''بدنی'' کہا جاتا ہے، بعض عبادتوں کا تعلق مالی انفاق سے ہے، حج ایسی عبادت ہے جس میں جسمانی مشقت بھی ہے، مالی اخراجات بھی ہیں اور اچھے خاصے وقت کا بھی صرفہ ہوتا ہے، گویا بارگاہ خداوندی میں بندہ جان ومال اور وقت تینوں قسم کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر بعض عبادتیں وہ ہیں جو اللہ تعالی کی خشیت اور خوف کا مظہر ہیں، جیسے نماز، گویا ایک لرزاں وترساں غلام ہے، جو سر جھکائے اور ہاتھ باندھے اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہے، زکوۃ بھی شوکت سلطانی کا اعتراف ہے، گویا ایک محکوم ہے جو حاکم کے سامنے اپنی محکومی کے اعتراف کے طور پر خراج پیش کررہا ہے، روزہ اور حج اللہ سے محبت اور جذبہ وارفتگی کا مظہر ہے، اگر روزہ اظہار محبت کی ابتدائی کیفیت ہے کہ محبّ اپنے محبوب کی خاطر بھوکا پیاسا ہے تو حج اس جذبہ کی تکمیل ہے، ایک ایسی عاشقانہ کیفیت ہے کہ جسم پر کفن کی دو چادریں ہیں، خوشبو اور زیبائش وآرائش کی چیزوں سے دور کا بھی تعلق نہیں، بال بکھرے ہوئے، سر کھلے ہوئے، پاؤں میں جوتا نہ موزہ، کبھی مکہ سے منیٰ، کبھی منیٰ سے عرفات، اور کبھی عرفات سے مزدلفہ، کبھی اللہ کے گھر کے پھیرے، گویا ایک وارفتہ حال عاشق صادق ہے کہ اپنے محبوب کی خوشنودی کی تلاش میں ہر طرح کے سامان عیش وعشرت سے بے نیاز در در کی خاک چھانتا ہے۔

عشق ومحبت کا راستہ پھولوں کا سیج نہیں ہوتا، بلکہ مشقتوں، ابتلاؤں اور آزمائشوں سے پر ہوتا ہے، اسی لئے حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں مشقتیں رکھی گئی ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حج بہترین جہاد ہے، اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ یہ سفر محبت تفریح کا سفر بن جائے، اس راہ میں تو ایک گونہ مشقت ہی مطلوب ہے، اور یہ اس عبادت کی روح اور اس کے

مقصد کے عین مطابق ہے، لیکن موجودہ حالات میں بڑھتا ہوا اژدہام اور تعداد کی کثرت ایک ایسی نئی صورتحال ہے جس سے گذشتہ ادوار میں لوگ دوچار نہیں تھے اور جس نے بہت سے مسائل پیدا کردیئے ہیں، چنانچہ موجودہ حالات کے تناظر میں حج سے متعلق مسائل پر اکیڈمی کا ایک مستقل سمینار ممبئی میں منعقد ہوچکا ہے، جو ایک زمانہ میں پورے ہندوستان کے حجاج کے لئے پہلی منزل ہوا کرتی تھی۔

اکیڈمی کے سترہویں سمینار مؤرخہ ۳۰/مارچ تا ۲/اپریل ۲۰۰۷ء منعقدہ دارالعلوم مہذب پور اعظم گڑھ میں بھی حج سے متعلق دو مسائل پر غور کیا گیا، ایک مسئلہ رمی جمار کے اوقات کا ہے، رمی کے اوقات مستحب، مباح اور مکروہ حصوں پر مشتمل ہیں، موجودہ حالات میں کیا اژدہام کی وجہ سے کراہت ساقط ہوسکتی ہے؟ بنیادی طور پر یہی نکتہ اہل علم کے درمیان تبادلہ خیال کا موضوع رہا- دوسرا مسئلہ منیٰ میں شب گذاری سے متعلق تھا، یہ اس لئے اہم ہے کہ حجاج کی کثرت کی وجہ سے اب یہ بات ممکن نہیں رہی کہ تمام عازمین حدودِ منیٰ میں قیام کرسکیں، اس لئے اب مزدلفہ میں بھی خیمے لگائے جاتے ہیں اور منیٰ کی جانب مکہ کی آخری حد جو آج کل حی العزیزیہ کہلاتا ہے، میں بھی بہت سے حجاج قیام کرتے ہیں، اس صورت حال میں منیٰ میں رات گزارنے کا کیا حکم ہوگا؟

سمینار میں ان دونوں مسائل پر علماء، ارباب افتاء نے اپنے اپنے نقاط نظر پیش کئے، اور کافی بحث ومناقشہ کے بعد وہ تجاویز منظور ہوئیں جو اس مجموعہ میں شریک اشاعت ہیں، تجاویز کے علاوہ ان موضوعات پر آنے والے علماء وارباب افتاء کے مقالات بھی اس مجموعہ میں شامل ہیں، امید ہے کہ اکیڈمی کی دوسری مطبوعات کی طرح یہ بھی اہل دانش اور اصحاب ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنے گی، اس مجموعہ کی ایڈیٹنگ کے لئے محبّ عزیز مولانا صفدر زبیر ندوی مدظلہ رفیق شعبہ علمی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی توجہ کے ساتھ اس علمی خدمت کو انجام دیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزاءِ خیر عطا فرمائے، اور اس مجموعہ کو عند اللہ وعند الناس قبول عام وتام حاصل ہو۔

خالد سیف اللہ رحمانی	۱۶/ذوقعدہ ۱۴۲۸ھ
(جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)	۲۸/نومبر ۲۰۰۷ء

خطبۂ صدارت

علماء کرام ومفتیان عظام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سال بھر کے بعد فقہ اکیڈمی کا یہ سولہواں اجلاس منعقد ہورہا ہے اور یوپی کے سب سے مشہور ضلع اعظم گڈھ میں ہورہا ہے۔ یہ درس وتدریس، علم وعمل، رشد وہدایت میں ممتاز حیثیت کا حامل سمجھا جاتا ہے اور ہے بھی، کیونکہ یہ سرزمین علم وفن کا گہوارہ اور علماء وفضلاء اور ارباب بصیرت کا مسکن ہے، یہاں نہ مدارس اسلامیہ کی کمی ہے اور نہ دانشوران قوم وملت کا فقدان، نہ اشاعت قرآن وسنت کے مراکز کی قلت ہے اور نہ ہی حاملین دین وشریعت کی کمیابی، کوئی ایسی آبادی نہیں ہے جہاں اعلی درجہ کے مدارس نہ ہوں، پھر ان مدارس میں علم حاصل کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے، آسام، بنگال، بہار اور مشرقی اضلاع کے نوجوان اس سرزمین کا رخ کرتے ہیں اور علم دین کے سرچشمہ صافی سے سیراب ہوکر اپنے وطن واپس جاتے ہیں، اور درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں، یہاں ہر دور اور ہر زمانہ میں ایسے قابل ذکر علماء کرام اور رہبران ملت پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ہر میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں، اگر دنیا ان کارناموں کو فراموش کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور دوسرے لوگوں کے لئے نشان راہ بنائے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کو فخر حاصل ہے کہ آج اس کا سالانہ اجلاس اسی سرزمین پر ہورہا ہے، اور مولانا حبیب اللہ قاسمی صاحب لائق صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اپنے مدرسہ میں بلاکر

دور حاضر کے چنیدہ اصحاب علم وفن کی میز بانی فرمائی، اور اپنی علم دوستی اور جذبہ خدمت دین کا ثبوت دیا۔ اسی طرح وہ حضرات بھی شکریہ کے مستحق ہیں جو ملک کے گوشے گوشے سے تشریف لائے ہیں اور جنہوں نے اپنے قیمتی مقالات روانہ کئے، ان مقالات کا خلاصہ جلد ہی آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا جن پر بحث ومباحثہ ہوں گے اور اس میں حصہ لینے کا حق سب کو حاصل ہوگا۔

یہاں پہنچ کر بانی اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ جو از ہر ہند دار العلوم دیوبند کے سپوتوں میں تھے، کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے کہ انہوں نے اس زریں سلسلہ کا آغاز فرمایا اور پورے ملک بلکہ بیرونی ممالک کے علماء کرام کو بھی اس مبارک اور باوقار اسٹیج پر جمع کر کے دور جدید کے نئے مسائل کو حل کرنے کی جد وجہد فرمائی۔ اسی عملی کوشش کی بنیاد پر ملت کے وہ نوجوان علماء جو اپنی صلاحیتوں سے بے خبر تھے خواب غفلت سے بیدار ہوئے، ان کی استعداد نے کروٹ لی اور لوگوں کو اندازہ ہوا کہ الحمدللہ یہاں اہل علم کی کمی نہیں ہے۔ اللہ تعالی قاضی صاحب کو بہترین جزائے خیر سے نوازے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

ہمیں اس بات کے اظہار پر خوشی ہورہی ہے کہ حضرت قاضی صاحب نے اکیڈمی کے لئے جس طریقہ ومنہاج اور اصول وضوابط کی تشکیل فرمائی تھی یہ اکیڈمی اب تک انہیں خطوط پر گامزن ہے اور امت مسلمہ کی نئی ضرورتوں اور نئے تقاضوں کی تکمیل کررہی ہے، اس ادارہ کی بنیاد ہی اس پر رکھی گئی تھی کہ ان نو دریافت مسائل کا حل تلاش کریں جو آج اسلام کے دروازہ پر چیلنج بن کر کھڑا ہے، ارباب علم اس چیلنج کو قبول کر کے شریعت اسلامی کی روشنی میں جواب دیں۔ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اکیڈمی اپنے یوم تاسیس سے ہی اس مقصد میں کامیاب رہی ہے۔ حالات کی تبدیلی اور انسانوں کے اخلاق وکردار میں فساد وبگاڑ پیدا ہونے نیز اس دور کی سائنسی ایجادات اور انکشافات کے پس منظر میں موضوعات کا انتخاب کر کے ملک کے مقتدر علماء کرام کو اظہار خیال کی دعوت دی جاتی ہے اور پھر بحث ومباحثہ کے بعد شرعی سمت متعین کی جاتی ہے۔ اس میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کو درپیش مسائل اور مشکلات کا حل ہوتا ہے وہیں دوسری طرف اصحاب علم

اور ارباب افتاء کی فکری رہنمائی ہوتی ہے، اکیڈمی نے اب تک مختلف موضوعات پر تقریباً پچاس سے زائد مسائل کا کامیاب حل تلاش کیا ہے، اور ان موضوعات پر لکھے گئے بہترین مقالات ومضامین کا مجموعہ تیار کر کے شائع کیا ہے، اور ہر شخص اس سے استفادہ کر رہا ہے۔ یہ ایک ایسا علمی کارنامہ ہے کہ جن کی افادیت طویل زمانہ تک محسوس کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اسی طرح خدمات جلیلہ کے ساتھ یہ اکیڈمی زندہ اور متحرک رہے، وہ زمانہ بھی ہمیں یاد ہے جب قاضی صاحب کا انتقال ہوگیا اور لوگ اکیڈمی کے انتظام وانصرام کے حوالہ سے کافی متفکر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ انہوں نے اس کام کے لئے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کو کھڑا کردیا جو اس کی ترقی وارتقاء میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اپنے تمام کاموں میں مشغول رہنے کے باوجود اکیڈمی کو باقی رکھنے اور اس کے فروغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا۔ کوئی شبہ نہیں کہ حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی (کویت) بھی اکیڈمی کو ترقی دینے میں ہمیشہ کوشاں رہے، اور اس کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں دل وجان سے متوجہ رہے، مولانا رضوان صاحب تو اللہ کو پیارے ہوگئے اور حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی اور حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی ایک قابل ذکر سرپرست کی حیثیت سے باحیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر کو دراز سے درازتر کرے۔ اکیڈمی کی علمی ترقی اور انتظامی استحکام کے لئے حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی اور حضرت مولانا عتیق احمد بستوی نیز محترم جناب امین عثمانی صاحب کی خدمات بھی نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

اخیر میں پھر ان حضرات کی خدمت میں تشکر وامتنان پیش کرتے ہیں جو یہاں تشریف لائے ہیں، ہمیں اعتراف ہے کہ ساری کدوکاوش کے باوجود آپ کی جیسی خدمت کرنی چاہئے نہیں کرسکے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب اور ان کے رفقاء مدرسہ کو جزاء خیر دے جنہوں نے ہماری میزبانی قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کے مدرسہ کو ترقی عطا فرمائے، اور ساتھ ہی اکیڈمی کے اولین سرپرستوں بالخصوص حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ اور

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ، اورحضرت مولانا ابوالسعود صاحبؒ کو اللہ تعالی اپنے جوارِرحمت میں جگہ عنایت فرمائے، آمین ثم آمین، جنہوں نے ابتداء میں قاضی صاحب کی حوصلہ افزائی فرمائی اوراس کی افادیت ظاہر کرتے رہے جو اکیڈمی کے کاموں میں فروغ کا باعث بنا۔ مفتیان کرام کے ہم شکرگذار ہیں جو فقہ اکیڈمی کی دعوت کو قبول کرکے اس کے اجلاس میں آتے رہے اورہر سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہے، ہم ان تمام حضرات کا شکرادا کرتے ہیں جو اکیڈمی کے سمینار میں دور دراز کا سفر طے کرکے تشریف لائے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اوراسے ہرطرح کامیاب بنائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

(حضرت مولانا) مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

(صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

اکیڈمی کا فیصلہ:

رمی جمار کے اوقات

[اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا سولہواں فقہی سمینار مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور اعظم گڑھ کی دعوت پر جامعہ ہذا کے احاطہ میں ۳۰/ مارچ تا ۲/ اپریل ۲۰۰۷ کو منعقد ہوا، سمینار میں پورے ملک سے تقریباً ۲۰۰ علماء ارباب افتاء اور ماہرین نے شرکت کی، نیز ڈاکٹر عمر حسن کاسولے پروفیسر برونائی یونیورسٹی اور مولانا عبد القادر عارفی استاذ دار العلوم زاہدان (ایران) بھی شریک ہوئے، اور شیخ الازہر سید محمد طنطاوی (مصر) قاہرہ میں منعقد ہونے والی ایک عالمی کانفرنس کی وجہ سے شریک تو نہیں ہوسکے، لیکن انہوں نے اس سمینار کے لئے پیغام بھیجا اور اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

سمینار میں حجاج کرام کے بڑھتے ہوئے ازدحام کے پس منظر میں حج سے متعلق دو مسائل رمی جمار کے اوقات اور ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو منیٰ میں شب گذارنے کے شرعی احکام پر گفتگو ہوئی، جدید میڈیکل مسائل میں موت کی حقیقت (Brain Death) کی حیثیت، ''مریض سے مصنوعی آلہ تنفس کی علاحدگی'' اور ''یوتھینیزیا'' یعنی قتل بہ جذبۂ رحم کے موضوع پر غور وخوض کیا گیا، ان کے علاوہ تیزی سے رواج پانے والی ''ملٹی لیول مارکٹنگ'' پر بھی بحث ہوئی۔ ان میں سے دو موضوعات ''رمی جمار کے اوقات، اور قیام منیٰ کے حدود'' سے متعلق جو فیصلے کئے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں]

۱- حج اسلام کی ایک اہم ترین عبادت ہے، جو زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے، اس لئے حجاج کرام کو چاہئے کہ حج میں افضل اور مسنون طریقہ پر عمل کریں اور زیادہ سے زیادہ احتیاطی پہلو کو ملحوظ رکھیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تینوں دنوں (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ) کو رمی کے اوقات میں کافی وسعت ہے، اور ہر دن اگلے دن کے طلوع صبح صادق تک رمی کرنے کی گنجائش ہے۔ اس لئے اگر رمی کے لئے اپنے حالات کے لحاظ سے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے تو دشواری نہ ہو اور حادثات پیش نہ آئیں، کیونکہ زیادہ تر حادثات عجلت پسندی اور مسائل سے

ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

۲- ۱۰رذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے اور صبح صادق کے بعد کرنا عام لوگوں کے لئے مکروہ ہے، البتہ معذورین، بیمار، خواتین اور ضعیف حضرات کے لئے اس وقت بھی رمی کرنا بلاکراہت جائز ہے۔

۳- ۱۰رذی الحجہ کی نصف شب سے رمی کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس وقت رمی کا وقت ہی شروع نہیں ہوتا۔

۴- ۱۱، ۱۲رذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور اگلی تاریخ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے، ان ہی اوقات میں رمی کرنا چاہئے اور حج فرض ادا کرنے والوں کو خاص کر اس کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ شدید مجبوری اور دشواری کی بناپر اگر کسی شخص نے زوال سے پہلے رمی کرلی تو امام ابوحنیفہ کے ایک قول پر عمل کرتے ہوئے اس پر دم واجب نہیں ہوگا۔

۵- ۱۱، ۱۲رذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا ازدحام کی موجودہ کیفیت کو دیکھتے ہوئے مکروہ نہیں ہے۔

۶- ۱۲رذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد منیٰ میں رکے رہنے سے ۱۳رذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر منیٰ میں ۱۳رذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہوجائے تو پھر ۱۳ کی رمی بھی واجب ہوجائے گی۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- ایام منٰی میں حجاج کے لئے منٰی میں ہی رات گذارنا مسنون ہے، اس لئے حجاج کرام کو چاہئے کہ یہ راتیں منٰی میں گذاریں اور بلاضرورت محض راحت وآرام کے لئے منٰی سے باہر قیام کرکے ایک اہم سنت کے تارک نہ بنیں۔

۲- البتہ اگر جگہ کی تنگی اور حکومت کے نظام کی وجہ سے منیٰ کے باہر قیام کرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

رمی جمار کے اوقات
اور
منی کے باہر حدود حرم میں قیام

دنیا کے بدلتے ہوئے حالات، بڑھتی ہوئی آبادی اور دوسرے مسائل نے ہر شعبۂ زندگی کو متاثر کیا ہے حتی کہ عبادات بھی اس سے خالی نہیں، اس لئے آج اہل علم ایسے مسائل کو بھی اپنی تحقیقات وترجیحات کا موضوع بنانے پر مجبور ہیں جن کا تعلق عبادات سے ہے۔ ایسے مسائل میں حج سے متعلق بھی بعض امور ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا حج وعمرہ کے مسائل کے لئے ایک سمینار پہلے بھی کر چکی ہے، مگر بعض مسائل نے پھر اکیڈمی کو اس طرف توجہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس پس منظر میں فی الحال دو مسائل پیش خدمت ہیں:

الف- رمی جمار کے اوقات:

جمرات کی رمی حج کے معروف اعمال میں ہے، دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور رات کے آخر تک باقی رہتا ہے، گیارہ اور بارہ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہو کر اگلی صبح تک مانا گیا ہے، البتہ ان تینوں دنوں کی رمی کے اوقات کے سلسلہ میں فقہاء نے جائز، مستحب اور مکروہ اوقات کی تقسیم بھی کی ہے، تیرہ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام اور رمی لازمی نہیں ہے۔ اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی صراحت موجود ہے کہ ضرورت کے وقت اگر وقت مسنون ومستحب سے رمی کو مقدم یا مؤخر کیا جائے تو کراہت نہیں ہوتی ہے۔

آج کل حجاج کی بڑھتی ہوئی غیر معمولی تعداد کے پیش نظر رمی جمار کے موقع پر مجمع کثیر اکٹھا ہو جاتا ہے، جو تمام تر انتظامات کے باوجود سنگین حادثات کا سبب بن جاتا ہے، پچھلے برسوں میں متعدد ایسے حادثات رونما ہوئے جن میں مرنے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، اس صورت حال پر سعودی حکومت اور وہاں کے علماء کے علاوہ عالمی سطح پر پوری امت مسلمہ رنجیدہ وفکرمند ہے اور یہ سوال بڑی شدت کے ساتھ سامنے آرہا ہے کہ رمی جمار کے اوقات کے سلسلہ میں معروف ائمہ امت (حضرات صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین) کے اقوال کی روشنی میں جو وسعت ہوسکتی ہے، ان کو اختیار کرکے ان حادثات پر قابو پانے کی کہاں تک گنجائش ہوسکتی ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

۱- دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲- کیا گیارہ ذی الحجہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے؟

۳- کیا ۱۱ اور ۱۲؍ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت ہوگی؟

۴- اگر ۱۲؍ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو ۱۳؍ذی الحجہ کی رمی لازم تو نہیں ہوگی؟

۵- کیا بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے؟

ب- منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

آج حجاج کی کثرت کی وجہ سے یہ بھی ایک مسئلہ بن چکا ہے کہ حجاج کی ایک تعداد کے خیمے ۸ تا ۱۲؍ذی الحجہ کے قیام کے لئے مزدلفہ میں لگتے ہیں اور بعض لوگ منیٰ سے متصل مکہ کی آخری آبادی ”حی العزیزیہ“ میں قیام کرلیتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے حجاج تشویش کا شکار رہتے ہیں، اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ:

۱- ان دنوں میں حاجی کے قیام منیٰ کی کیا حیثیت ہے؟

۲- اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟

۳- کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں؟ اور کیا منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے، اس لئے کہ مزدلفہ بھی حدود حرم میں داخل ہے؟

☆☆☆

تلخیص مقالات :

رمی جمار کے اوقات

مفتی امتیاز احمد قاسمی

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سولہویں فقہی سمینار کے موضوعات میں سے ایک اہم موضوع ''رمی جمرات کے اوقات'' ہے، حج کے اس رکن میں پیش آنے والی دشواریوں کو سامنے رکھ کر مختلف سوالات قائم کئے گئے ہیں، اس موضوع پر ابھی تک اہل علم اور فقہاء کرام کے کل ۴۲ مقالات موصول ہوئے ہیں، ہم ان مقالات میں پیش کردہ آراء اور ان کے دلائل کی تلخیص کرنے کی کوشش کریں گے۔اس موضوع پر پہلا سوال یہ ہے:

۱- دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل، صبح صادق سے کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں بیش تر مقالہ نگار کی رائے ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، یہ رمی معتبر ہوگی، البتہ عام لوگوں کے لئے کراہت کے ساتھ جائز ہے جب کہ عورتیں، کمزور افراد اور معذورین و بیمار حجاج بلا کراہت ان اوقات میں رمی کرسکتے ہیں۔

ان میں بعض حضرات نے مندرجہ ذیل احادیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

۱-''عن ابن عباس قال: کنت فیمن بعث به النبیﷺ یوم النحر فرمینا الجمرة مع الفجر'' (شرح معانی الآثار ۱/۴۳۶)۔

۲-"قال سالم: وكان عبد الله بن عمرؓ يقدم ضعفة أهله..... منهم من يقدم منىٰ لصلاة الفجر، ومنهم من يقدم بعد ذلک، فإذا قدموا رموا الجمرة، وكان ابن عمر يقول: أرخص في أولئک رسول اللهﷺ" (صحیح بخاری کتاب الحج حدیث:۱۶۷۶،صحیح مسلم حدیث:۱۲۹۵)۔

۳- حضرت عائشہؓ کہتی ہیں:" کاش سودہ کی طرح میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت لئے ہوتی تو منیٰ میں فجر کی نماز ادا کرتی اور لوگوں کے آنے سے پہلے جمرہ کی رمی کرتی" (صحیح مسلم کتاب الحج حدیث:۱۲۹۰)۔

جب کہ ان میں سے باقی دوسرے حضرات نے درج ذیل فقہی جزئیات کو بطور دلیل پیش کیا ہے:

۱- "فإن رمى جمرة العقبة يوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأه...." (المبسوط للسرخسی ۲/۶۸)۔

۲-"وكذا يكره قبل طلوع الشمس بحر، وهذا عند عدم العذر، فلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلا" (ردالمحتار ۲/۱۸۱)۔

۳-"(ووقته) أي وقت جوازه أداء من الفجر أي فجر النحر إلى فجر اليوم الثاني" (حوالہ سابق)۔

۴-"أما يوم النحر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الفجر الثاني من يوم النحر فلا يجوز قبل طلوعه..." (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷)۔

۵- بعض مقالہ نگار نے ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ دیگر اعذار (ضعف، کمزوری، عورت ہونا، مرض وغیرہ) کی طرح ازدحام اور روز بروز حجاج کی کثرت اور بھیڑ بھی ایک عذر ہے، بلکہ آج کے حالات میں یہ ایک بڑا عذر بن گیا ہے، لہذا جس طرح دیگر اعذار کی وجہ سے اوقات مکروہ میں رمی کرنے کی بلا کراہت اجازت ہے، اسی طرح اس صورت میں بھی معذورین کے

ساتھ عام لوگوں کے لئے بھی صبح صادق سے رمی کرنا بلا کراہت جائز ہوگا (دیکھئے مقالہ: **مولانا** برہان الدین سنبھلی، مفتی جمیل احمد نذیری، **مولانا** ابرار خان ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، **مولانا** عبدالرشید قاسمی، **مولانا** رحمت اللہ ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی راشد حسین ندوی، **مولانا** محمد ممتاز خان ندوی، **مولانا** تنظیم عالم قاسمی، **مولانا** محمد عارف باللہ قاسمی وغیرہ)۔

۶- بعض حضرات نے فقہی قاعدہ "**الضرورات تبیح المحظورات**"، "**الضرر یزال**" اور "**المشقة تجلب التیسیر**" کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

۷- **مولانا** رحمت اللہ ندوی، **مولانا** ممتاز خان ندوی، **مولانا** عبد القادر کیرالہ وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر کثرت ازدحام اور دیگر اعذار شدیدہ کی وجہ سے دوسرے ائمہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے صبح صادق سے دسویں ذی الحجہ کی رمی کی جائے تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔ ماضی قریب کے علماء نے بھی بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کی رائے کو اختیار کر کے اپنے کو حرج و تنگی سے نکالا ہے۔

صرف دو مقالہ نگار **مولانا** ذکاء اللہ شبلی اور سید شکیل احمد صاحبان کی رائے یہ ہے کہ طلوع شمس سے قبل جمرہ عقبہ کی رمی جائز نہیں ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ وقوف مزدلفہ صبح صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان کسی بھی حصہ میں واجب ہے، ترک واجب کی صورت میں دم واجب ہوتا ہے، اور صبح صادق سے قبل مزدلفہ سے نکل جانے کی صورت میں اس وجوب پر عمل نہیں ہو پائے گا۔

اس موضوع پر مقالہ لکھنے والے تقریباً تمام حضرات نے اوقات رمی کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱- وقت مستحب ومسنون: طلوع شمس سے زوال شمس تک

۲- وقت اختیار: زوال شمس سے غروب شمس تک

۳- وقت مکروہ: طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے دوسرے دن کی فجر تک

۴- وقت جواز: آخری ایام تشریق تک

اوقات کی یہ تقسیم حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہے، دیگر ائمہ کے مسالک کے اعتبار سے بھی مقالہ نگار نے ان اوقات کی تقسیم کی ہے۔

مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا ثناء الہدی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ممتاز خان ندوی اور مولانا عبدالقادر صاحبان نے اپنے مقالے میں دیگر ائمہ کے مذاہب بھی ذکر کئے ہیں اور رمی جمرات کے سلسلہ میں ان کے یہاں جو تفصیلات ہیں ان سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ ان حضرات کی تحریروں کا خلاصہ یہ ہے:

''تمام ائمہ وفقہاء کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی کا افضل اور مسنون وقت طلوع شمس سے زوال شمس تک ہے، البتہ وقت جواز اور وقت مکروہ میں اختلاف ہے، جمہور ائمہ کے یہاں دسویں ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، جب کہ امام شافعی اور امام احمد، طاؤس، شعبی اورعطاء، ابن ابی لیلی، عکرمہ بن خالد کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب کے بعد سے کی جاسکتی ہے''۔

جمہور کے دلائل مختصراً یہ ہیں:

۱- ''عن جابر قال: رمی رسول اللہ ﷺ الجمرة یوم النحر ضحی.....'' (صحیح مسلم ۱/ ۴۲۰، ابوداؤد، نسائی ۱/ ۴۹)۔

۲-''عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ بعثه في الثقل وقال: لا ترموا الجمار حتی تصبحوا'' (شرح معانی الآثار ۱/ ۴۳۶)۔

جمہور کے علاوہ کے دلائل اختصار کے ساتھ یہ ہیں:

۱-''عن عائشة قالت: أرسل رسول اللہ ﷺ بأم سلمة لیلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت'' (سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب التعجیل من جمع)۔

۲-"عن ابن جريج قال: حدثني عبد الله مولى أسماء أنها نزلت ليلة جمع عند المزدلفة، فقامت تصلى فصلت ساعة ثم قالت: يا بني! هل غاب القمر؟ قلت: لا، فصلت ساعة، ثم قالت: يا بني! هل غاب القمر؟ قلت: نعم، قالت: فارتحلوا، فارتحلنا ومضينا حتى رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها، قلت لها: يا هنتاه! ما أرانا إلا قد غلسنا، قالت: يا بني! إن رسول الله ﷺ أذن للظعن" (صحیح بخاری حدیث: ۱۶۷۵، صحیح مسلم حدیث: ۲۲۷۴، شرح معانی الآثار ۱/۳۳۶)۔

وقت غیر مسنونہ یعنی زوال کے بعد رمی کرنے کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی نے زوال سے قبل رمی نہیں کی تو وہ اس کے بعد دوسرے دن کے طلوع فجر سے قبل تک رمی کرسکتا ہے، یہ جائز ہے اور اس پر کوئی دم لازم نہیں ہوگا، لیکن اگر دوسرے دن کا فجر طلوع ہوگیا تو دم دینا ہوگا اور قضا بھی لازم ہوگی (بدائع الصنائع ۳/۱۲۱۱، بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۶)۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی نے غروب شمس کے بعد رات میں رمی کی تو اسے قضا کے ساتھ دم دینا ہوگا (الشرح الکبیر ۲/۴۸)، جب کہ امام شافعی اور حنفیہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے یہاں وقت میں اتنی وسعت ہے کہ دوسرے دن کے طلوع فجر تک بھی رمی نہیں کرسکا تو گیارہ کی رمی کے ساتھ اس رمی کو بھی ادا کرسکتا ہے یعنی دونوں دن کی رمی ایک ساتھ ادا کرلے اور اس پر اس تاخیر کی وجہ سے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا (بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۶، بدائع الصنائع ۲/۳۲۶)۔

حنابلہ کے نزدیک غروب شمس کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے (المغنی مع الشرح الکبیر ۳/۴۴۳)۔

۲- کیا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے؟

اس کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ مشہور روایت کے مطابق

جمہور علماء کے نزدیک گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، اگر کسی نے زوال شمس سے قبل رمی کرلی تو زوال کے بعد اس کا اعادہ واجب ہے، ورنہ دم دینا لازم ہوگا، اس مسئلہ میں ایک سے زائد احادیث وارد ہوئی ہیں:

۱- "عن جابر قال: رمى النبي ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى، ورمى بعد يوم النحر إذا زالت الشمس" (سنن ابوداؤد ۱/۲۷۱)۔

۲-"عن وبرة قال: سألت ابن عمرؓ متى أرمى الجمار؟ قال: إذا رمى إمامک فارم، فأعدت عليه المسئلة فقال: كنا نتحين زوال الشمس فإذا زالت الشمس رمينا" (حوالہ مذکور)۔

ہر مقالہ نگار نے متداول فقہی کتابوں سے فقہاء کرام کی تصریحات نقل کی ہیں، ہم یہاں صرف ایک فقہی عبارت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

۳- "وقت رمى الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز أي الرمي قبله أي قبل الزوال فيهما في المشهورة أي عند الجمهور...." (شرح اللباب/۱۶۱، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۱۳۴، البحر الرائق، فتح القدیر وغیرہ)۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مفتی محمد سلمان منصورپوری، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد ارشد مدنی (جامعہ ابن تیمیہ)، مفتی ظہیر احمد، مفتی شیر علی گجراتی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا محمد اعظمی کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ائمہ اربعہ متبوعین میں سے کسی کا بھی قول ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا نہیں ملتا، بلکہ اگر کسی نے کرلیا تو زوال کے بعد اعادہ کرنا ہوگا، نیز کتب حدیث میں بھی ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا ذکر نہیں ملتا، لہٰذا زوال سے پہلے کسی بھی وقت میں رمی کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی، دوسری بات یہ ہے کہ خود اس دن کی رمی کے اوقات میں اتنی وسعت

ہے کہ دوسرے اوقات غیر منصوصہ میں رمی کی ضرورت نہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے تمام مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ کی دوسری روایت کو جو اگرچہ غیر مشہور ہے خاص طور سے ایسے موقع پر جب حجاج کی کثرت اور روز بروز بڑھتے ازدحام کی صورت میں ہونے والے حادثات کی وجہ سے ہر سال سیکڑوں انسانی جانیں جارہی ہیں اختیار کرنا چاہئے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی ہے، حالانکہ زوال سے قبل رمی کرنے کی رائے میں امام ابوحنیفہ تنہا نہیں ہیں، امام احمد، امام ابوجعفر، طاؤس اور عطاء رحمہم اللہ کی رائے بھی یہی ہے (دیکھئے: فتح الباری ۳/ ۵۸۰، شرح النووی ۹/ ۴۸، بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۲، فتح القدیر ۲/ ۳۸۳، المغنی ۳/ ۴۵۳، بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۵۸)۔

صاحب بدائع نے اس روایت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ پہلے دن زوال سے قبل رمی کا وقت ہے، تو دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوگا، اس لئے کہ ہر دن ایام نحر ہے (بدائع ۳/ ۱۱۲۲)۔

اوجز المسالک کے حوالہ سے مفتی عبد الرحیم صاحب نے لکھا ہے کہ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جس میں آپ ﷺ سے زوال کے بعد رمی ثابت ہے تو اس کو افضل پر محمول کیا جائے (۳/ ۶۶۲)۔

اس سلسلہ میں مولانا تنظیم عالم قاسمی نے الموسوعۃ الفقہیہ کی یہ عبارت ذکر کی ہے: ''الأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعت إليه الحاجة لا سيما في زماننا'' اور حاشیہ میں ہے: ''قال في البحر العميق: "فهو قول مختار يعمل به بلا ريب وعليه عمل الناس" (۲۳/ ۱۵۸)۔

مولانا بدر احمد مجیبی لکھتے ہیں: لیکن اس پر عمومی طور سے فتوی دینا اور اعلان کرنا کہ ان دونوں ایام میں رمی کے وقت زوال آفتاب سے قبل صبح صادق سے ہی شروع ہوجاتا ہے، یہ درست نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا عمل، صحابہ کرام کا تعامل اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان ایام میں رمی کا وقت زوال کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اس کے خلاف عمل کی اجازت شدید

ضرورت کی صورت میں تو دی جاسکتی ہے، لیکن ہر فرد کے ساتھ یہ ضرورت پائی جارہی ہو یہ متحقق نہیں۔

مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی لکھتے ہیں: مگر یہاں یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ عموماً عمر میں ایک بار حج فرض کرنے کا موقع ملتا ہے تو ایسے عمل سے جو محل اختلاف ہو بچنا چاہئے، اس لئے کم از کم حج فرض میں تو اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

۳- کیا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت ہوگی؟

اس کے جواب میں بعض مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ ۱۱-۱۲/ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال شمس سے غروب شمس تک ہے، اور انہی اوقات میں رمی کی کوشش کرنی چاہئے، تاہم اگر کوئی شخص دن میں رمی نہ کرسکے تو اس کے لئے طلوع فجر سے قبل تک رمی کی اجازت ہے۔ دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولا شئ عليه، لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)۔

۲- ...''إلا أنه إذا رمى بالليل لم يغرم شيئاً لأن رسول اللہ ﷺ رخص للرعاة أن يرموا ليلاً، ولأن اليوم لما كان وقتاً للرمي فالليل يتبعه في ذلک'' (المبسوط للسرخسی ۴/ ۶۴)۔

۳- ''وإن أخر إلى الليل رماه ولا شئ عليه لحديث الرعاة'' (ہدایہ ۲/ ۲۵۳) (مزید دلائل کے لئے دیکھئے مقالہ: مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا محمد ارشد مدنی، مولانا

نعیم اختر قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی وغیرہ)۔

ان کے علاوہ تمام مقالہ نگار کی رائے ہے کہ غروب شمس سے طلوع فجر تک کا وقت مکروہ ہے، اس لئے ان اوقات میں بلا کسی عذر کے رمی کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہوگا، ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-"فلو رمى ليلاً صح وكره كذا في المحيط" (البحر الرائق ۳۴۸/۲)۔

۲-"۔۔۔۔ ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه" (رد المحتار ۵۴۲/۲)۔

البتہ ان حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ ازدحام، جانی ہلاکت کا اندیشہ، عورتوں، بوڑھوں اور کمزوروں کے لئے آج کل متعین اوقات میں رمی کرنا نہایت مشکل اور دشوار ہے، اس لئے ان صورتوں میں مذکورہ کراہت ختم ہوجائے گی اور رات میں رمی کرنا بلا کراہت جائز ہوگا۔ اس کی نظیر کتب فقہ میں موجود ہے:

۱-"أنه لا شئ فيه سوى ثبوت الإساءة إن لم يكن بعذر" (فتح القدیر ۳۹۵/۲)۔

۲-ومن جملة الأعذار عندهم الزحام" (فتح الباری ۵۴۹/۳)۔

۴- اگر ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو ۱۳/ذی الحجہ کی رمی لازم تو نہیں ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں چند مقالہ نگاروں کو چھوڑ کر تمام مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حجاج کے لئے سب سے بہتر اور افضل یہ ہے کہ وہ ۱۳/ذی الحجہ کی رمی کر کے مکہ مکرمہ واپس ہوں، تاہم ان کا اتفاق ہے کہ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی ادا کرنے کے بعد غروب شمس سے پہلے منیٰ سے واپس ہونا جائز ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى" (سورہ بقرہ: ۲۰۳)۔

غروب آفتاب تک ٹھہرے رہنے میں اختلاف ہے، حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ غروب

آفتاب ہوجانے کے بعد بھی کوچ کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے، گویا جس نے ایسا کیا اس نے برا کیا، لیکن اس پر ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، یہ رخصت صبح صادق سے قبل تک ہے، طلوع فجر کے بعد کوچ کرنا درست نہیں ہے، ایسی صورت میں اس پر ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی، اگر بغیر رمی کئے مکہ مکرمہ واپس ہوگیا تو اس کو دم دینا ہوگا۔

حنفیہ کی طرف سے بیش تر مقالہ نگاروں نے یہ دلائل ذکر کئے ہیں:

۱- "إذا أراد أن يتعجل نفر إلى مكة قبل غروب الشمس وإن أقام إلى الغروب كره وليس عليه شئ وإن طلع الفجر وهو بمنى في الرابع لزمه الرمي" (نور الایضاح ر۵۷ا، ہدایہ ۱ر۲۳۲)۔

۲- "فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له أن ينفر حتى يرمي في الرابع ولو نفر من الليل قبل الرابع لا شئ عليه وقد أساء" (رد المحتار ۳ر۵۴۳، شرح اللباب ر۱۶۳، بدائع الصنائع ۲ر۳۲۵)۔

۳- مولانا محمد ممتاز خان ندوی نے اس سلسلہ میں ایک دلیل یہ نقل کی ہے کہ چونکہ رمی کا وقت طلوع فجر کے بعد شروع ہوتا ہے، "عن ابن عباس: لا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس" (ابوداؤد کتاب الحج)، اس لئے اس سے پہلے پہلے تک کوچ کرنا درست ہے اور اس لئے کہ اگلا دن ابھی داخل نہیں ہوا ہے، لہذا اس دن کی رمی اس پر لازم نہیں آئے گی (المغنی ۳ر۴۰۵)۔

جبکہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر منیٰ میں اس کی موجودگی میں ۱۲ر ذی الحجہ کا سورج غروب ہوگیا تو اب اس کے لئے کوچ کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ اس پر ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی لازم وواجب ہوگی (المغنی ۳ر۴۰۹، مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۲۶ر۱۴۰)۔

ائمہ ثلاثہ کی رائے پر یہ دلائل دیئے گئے ہیں:

۱-عن عمرؓ قال: " من أدركه المساء في اليوم الثاني فليتم إلى الغد"

(اعلاء السنن ۱۰/۱۸۱)۔

۴-ارشاد باری ہے:"**فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه و من تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى**''۔

مقالہ نگار حضرات نے دونوں طرح کی رایوں کونقل کرنے کے بعد اپنی یہ رائے دی ہے کہ آج کل ازدحام اور بھیڑ کی وجہ سے کوشش کے باوجود بھی حاجی وقت سے پہلے نہیں نکل پاتا ہے، بعض دفعہ راستہ میں حاجی رہتا ہے اور سورج غروب ہوجاتا ہے، نیز مکہ اور منیٰ کے حدود اس طرح مل گئے ہیں کہ بعض اوقات فرق کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے، لہذا ایسی صورت میں حنفیہ کی رائے پر عمل کرنا جن کے نزدیک عذر ازدحام کی وجہ سے کراہت بھی ختم ہوجاتی ہے، زیادہ بہتر ہوگا، اور حالات وحادثات پر قابو پانے میں اس رائے پر عمل کرنا موثر ثابت ہوگا۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد ارشد مدنی جامعہ ابن تیمیہ، سید شکیل احمد اور مولانا ابو القاسم عبد العظیم کے نزدیک ۱۲ر ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک منی میں ٹھہرنے سے ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی لازم ہوجاتی ہے، نیز منیٰ میں ٹھہرنا ہی حاجی کے لئے افضل ہے۔

۵- کیا بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین، نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے ۱۰ر ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے؟

اس کے جواب میں بعض مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک ۱۰ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت چونکہ صبح صادق کے بعد شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے رمی کرنے سے رمی ادا نہیں ہوتی ہے بلکہ اعادہ واجب ہوتا ہے، اس لئے معذور وصحت مند ہر دو کے لئے نصف شب سے رمی کرنا درست نہیں ہے، اس رائے کے حامل مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی سلمان منصور پوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا بدر احمد مجیبی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا اختر امام عادل، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا

اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مفتی نذر توحید مظاہری، مفتی شیر علی گجراتی، مولانا عطاء اللہ قاسمی وغیرہ ہیں۔

ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-"قال رسول اللہ ﷺ: لاترموا جمرة العقبة حتى تكونوا مصبحين" (نصب الرایہ ۳/۸۶)۔ استدلال اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کے ضعیف اور کمزور لوگوں کو رات کے وقت مزدلفہ بھیج تو دیا لیکن ان کو ہدایت بھی دی کہ صبح سے پہلے رمی نہ کرنا (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷)۔

۲- "ولو رمى قبل طلوع فجر يوم النحر لم يصح اتفاقاً" (البحر الرائق ۲/۶۰۴)۔

۳-جہاں تک ام سلمہؓ والی حدیث کا تعلق ہے، جس سے نصف لیل سے جواز ثابت ہوتا ہے تو وہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند ومتن میں اختلاف اور اضطراب ہے (دیکھئے: ارواء الغلیل ۴/۲۷۷، تہذیب سنن ابی داؤد ۲/۴۰۵، اعلاء السنن ۱۰/۱۴۴)۔

مولانا بدر احمد مجیبی لکھتے ہیں: ۱۰/ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر ۱۱/کی صبح صادق سے قبل تک ۲۴ گھنٹے کا وقت ملتا ہے، جس میں اطمینان کے ساتھ سب لوگ رمی کر سکتے ہیں، اس لئے کوئی ایسی شرعی ضرورت نہیں پائی جارہی ہے جس کی وجہ سے نصف شب سے ہی رمی کی اجازت دے دی جائے۔

مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا نعیم اختر قاسمی کا مشورہ یہ ہے: بہتر یہ ہے کہ شوافع وحنابلہ کے ضعفاء اور بوقت ضرورت غیر معذور حجاج اس رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نصف شب سے رمی شروع کردیں جس کی ان کے یہاں پوری گنجائش ہے، اور احناف وغیرہ کے معذورین طلوع صبح صادق سے اور صحت مند مسنون اوقات میں، تو ازدحام اور حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں:... البتہ اگر معذورین کو اندیشہ ہو کہ وہ صبح کے بعد ہجوم کی وجہ سے رمی نہ کرسکیں گے تو مناسب ہے کہ وہ رمی کے لئے اپنا نائب مقرر کریں اور خود رمی کے لئے نہ جائیں اور نہ نصف شب کے بعد رمی کریں، کیونکہ نیابت کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے مقالہ نگار کی رائے میں چونکہ دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے (شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نصف لیل سے اور حنفیہ و مالکیہ کے یہاں بعد طلوع فجر)، اور آج کل حجاج کی کثرت کی وجہ سے شدید ازدحام ہوتا ہے جس میں عام صحت مند افراد کے لئے بھی ان اوقات میں حج مشکل ہوگیا ہے، لہذا ایسے شدید ازدحام کی صورت میں معذور، بوڑھے، بیمار، کمزور، خواتین اور ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کی گنجائش ہے، ایسی صورت میں کراہت بھی نہیں ہوگی، اس رائے کے حاملین میں مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا قاری ظفر الاسلام اعظمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا محمد ابرارخان ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی ظہیر احمد کانپور، مفتی شاہد علی قاسمی وغیرہ ہیں۔

ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

۱- "عن عائشة قالت: أرسل رسول الله ﷺ بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر" (ابوداؤد باب التعجیل من جمع)۔

۲- "عن أم سلمة قالت: قدمني رسول الله ﷺ فيمن قدم من أهله ليلة المزدلفة، قالت: فرميت بليل، ثم مضيت إلى مكة فصليت بالصبح ثم رجعت إلى منى" (زاد المعاد ۲/۱۵۰-۱۵۱)۔

۳- "يجوز الرمي للضعفاء والشيوخ والمرضى من الليل" (رد المحتار ۲/۵۱۷)۔

۴-"..... وهذا عند عدم العذر بلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس

ولا برمی الرعاة لیلاً کما فی الفتح" (ردالمختار ۴/۱۹۶)۔

مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا محمد اعظمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی اور مولانا اقبال احمد ٹنکاروی صاحبان نے صرف دلائل کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، اپنی کوئی واضح رائے ذکر نہیں کی ہے۔

☆☆☆

تلخیص مقالات:

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مفتی محمد سراج الدین قاسمی

۱- حج کے دنوں میں حاجی کے قیام منیٰ کی کیا حیثیت ہے؟

اس سوال کے جواب میں بعض مقالہ نگار حضرات نے دنوں کی تاریخ کے اعتبار سے قیام منیٰ کے حکم کے سلسلہ میں فرق کیا ہے، چنانچہ مولانا شوکت ثنا قاسمی اور مفتی عارف باللہ قاسمی لکھتے ہیں کہ جمہور علماء امت کے نزدیک ۸؍ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"المستحب أن يخرج محرما من مكة يوم التروية فيصلي الظهر بمنىٰ، ثم يقيم حتى يصلي بها الصلوات الخمس ويبيت بها وهذا قول سفيان، ومالک، والشافعي، وإسحاق و أصحاب الرأي ولا نعلم فيه مخالفا وليس ذلک واجبا في قولهم جميعا" (المغنی ۳؍۴۳۲)۔

مولانا اقبال صاحب علامہ ابن قدامہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن زبیرؓ نے منیٰ میں قیام کے بجائے یوم الترویہ کو فجر کی نماز مکہ میں ادا کی تھی۔

البتہ ایام تشریق کے ۱۱؍ ۱۲؍ ۱۳؍ ذی الحجہ میں قیام منیٰ کی حیثیت کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے:

چنانچہ حضرت عروہ، ابراہیم، مجاہد، عطاء، امام مالک، امام شافعی اور ایک روایت کے

مطابق امام احمد کے نزدیک ان دنوں میں منیٰ میں قیام کرنا واجب ہے، یہی قول حضرت عمرؓ کی طرف بھی منسوب ہے (مقالہ سلطان احمد اصلاحی)۔

اس کے برخلاف حنفیہ اور امام احمد کی ایک روایت اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے (تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کی یہی رائے ہے)۔

فریقین کے دلائل تقریباً یکساں ہیں اور یہاں اختلاف درحقیقت فہم نصوص کا ہے، اس لئے پہلے ان احادیث وآثار پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

۱- نبی کریم ﷺ کے بارے میں منقول ہے:

''**أما رسول الله ﷺ فبات بمنىٰ و ظل**" (نصب الرایہ ۳/ ۸۷)۔

(حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں رات گذاری)۔

۲- حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

''**لا يبيتن أحدكم من وراء العقبة ليلا بمنىٰ أيام التشريق**" (حوالہ بالا)۔

(ایام منیٰ میں منیٰ سے باہر عقبہ کے پیچھے کوئی شخص ہرگز رات نہ گذارے)۔

۳- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے:

''**أنه كره أن ينام أحد أيام منىٰ بمكة**'' (حوالہ بالا)۔

۴- حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے:

''**كان عمر يؤدب على ترك القيام بها**" (ہدایہ ۱/ ۲۵۳)۔

(منیٰ میں قیام نہ کرنے پر حضرت عمرؓ لوگوں کی سرزنش کرتے تھے)۔

۵- ابن ماجہ میں ہے:

''**لم يرخص النبي ﷺ لأحد يبيت مكة إلا العباس من أجل سقايته**''۔

۶- ''**استأذن العباس رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منىٰ لأجل سقايته فأذن له**'' (نصب الرایہ ۳/ ۶۷)۔

(حضرت عباسؓ نے (جن سے متعلق حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت تھی) رسول اللہ ﷺ سے مکہ میں رات گذارنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی)۔

یہ وہ آثار وروایات ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ نے منیٰ میں رات گذارنے کو واجب قرار دیا ہے، البتہ روایات سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اہل اعذار کو اس سلسلے میں رخصت دی ہے، اس لئے صاحب عذر سے اس کا وجوب ساقط ہوجائے گا۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: آپ ﷺ سے حضرت عباسؓ کو خصوصی عذر کے سبب خصوصی طور سے رخصت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رخصت دوسروں کے لئے نہیں ہوگی (المغنی ۳/۴۷۴)(دیکھئے مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

اس کے برخلاف حنفیہ نے انہیں احادیث کی بنیاد پر منیٰ میں رات گزارنے کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے، اور واجب نہ ہونے کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹ کے چرواہوں کو منیٰ میں رات گزارنے سے متعلق رخصت دی ہے (ابوداؤد)۔

دیگر یہ کہ اگر قیام منیٰ واجب ہوتا تو نہ حضرت عباس سقایہ کے سبب واجب ترک کرتے اور نہ حضور ﷺ ان کو اس کی اجازت دیتے، لہذا حضور ﷺ کے عمل کو دونوں دلیلوں کے درمیان تطبیق دینے کے لئے سنت پر محمول کیا جائے گا (بدائع الصنائع ۳/۲۶۳)(مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت ہے کہ: "**إذا رميت الجمرة فبت حيث شئت**" (مغنی ۳/۴۴۹)۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی حنفیہ کے مسلک کی عقلی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب حاجی حج سے حلال ہوگیا تو اب اس کے لئے کسی متعین جگہ پر رات گزارنا ضروری نہیں، جیسا کہ تشریق کے بعد کے دنوں کی راتوں میں وہ اس کے لئے آزاد ہوتا ہے (مغنی ۳/۴۴۹)۔

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک عام حالات میں قیام واجب ہے، اور ترک قیام سے جزا واجب ہوگی، لیکن اس حکم سے چرواہا مستثنیٰ ہے، اور علامہ ابن قیم نے ان لوگوں پر رخصت کا دائرہ وسیع کیا ہے جن کو مال ضائع ہونے یا کسی چیز کے فوت ہوجانے کا خوف ہو، یا کسی مریض کی تیمارداری کرنی ہو (زادالمعاد) (مقالہ مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب دونوں فریقوں کے دلائل ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن القیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: سنت کے لحاظ سے دونوں آراء کے قائلین کے لئے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ تمام لوگوں نے اہل اعذار کے لئے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی اجازت دی ہے۔

۲- اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ بغیر کسی عذر کے منیٰ میں رات نہ گذارنا خلاف سنت اور مکروہ ہوگا، اور مولانا ارشد مدنی کے نزدیک ایسی صورت میں دم واجب ہوگا، البتہ تمام مقالہ نگار کے نزدیک صاحب عذر کے لئے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ منیٰ میں رات نہ گذار کر کسی اور جگہ رات گذارے۔

چنانچہ مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی صاحب لکھتے ہیں: ایک طرف منیٰ ومکہ کے حدود منصوص ہیں، دوسری طرف حکومتی سطح پر انتظام وانصرام کے تحت ان کی تعیین ہے، اگر انتظاماً بلدیہ کی طرف سے دونوں کو ایک کردیا گیا ہو تو بھی قیام منیٰ ہی کی سنت باقی رہنی چاہئے، حجاج کی کثرت ایک اضطراری صورت ہے، اس کی بنیاد پر گنجائش ملنی چاہئے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب لکھتے ہیں: ۸ /تا ۱۲ /ذی الحجہ کے ایام میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت مسنون ہوتا ہے، اگر منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ قیام کیا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس ترک قیام کی وجہ سے کچھ نہ واجب ہوگا، البتہ بہتر یہ ہے کہ حاجی حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام

کرے لیکن رات منیٰ ہی میں گزارے۔

مولانا ارشد مدنی لکھتے ہیں: ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کو صحیح قول کی روشنی میں منیٰ میں رات گزارنا واجب ہے، اور ترک قیام پر دم واجب ہوگا۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب لکھتے ہیں: حنفیہ کے یہاں منیٰ میں قیام واجب نہیں ہے، البتہ سنت مؤکدہ ہے، جس کے ترک کی اجازت بدون عذر قوی نہ ہوگی۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی صاحب لکھتے ہیں: چرواہوں کے علاوہ عذر والوں جیسے بیمار اور دیگر لوگوں کو آسانی کی غرض سے نبی اکرم ﷺ نے رخصت دی ہے، لہذا یہ معنی جہاں بھی پایا جائے گا ان کو اس حکم کے ساتھ ملانا واجب ہوگا۔

مفتی عبد الرشید قاسمی صاحب لکھتے ہیں: بلا کسی عذر کے قیام منیٰ کے زمانے میں منیٰ کے علاوہ کہیں اور قیام کرنا خلاف سنت ہوگا، اور منیٰ کو مکہ کی میونسپلٹی میں داخل کر لینے سے دونوں کے اندر تداخل نہ ہوگا، کیونکہ جگہوں کے حدود کی تعیین توقیفی ہے۔

۳- کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے، خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں؟ اور کیا منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تقریبا تمام مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ عذر کی حالت میں حاجی منیٰ کے حدود کے باہر حدود حرم میں مکہ مکرمہ شہر کے اندر یا مضافات ومزدلفہ میں قیام کرسکتا ہے، البتہ کوشش ہونی چاہئے کہ قیام منیٰ کے اندر ہی ہو (دیکھئے: مقالہ مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی انور علی اعظمی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی)۔

مفتی عارف باللہ قاسمی لکھتے ہیں: موجودہ حالات میں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے درپیش مسائل یقیناً قابل غور اعذار ہیں، اور حاجی کے جان ومال کو خطرہ لاحق ہوتا ہے، اس لئے ان اعذار کی وجہ سے حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے۔

مولانا اقبال صاحب لکھتے ہیں: سعودی حکومت کی جانب سے انتظامی سہولت کی خاطر بنائے جانے والے قانون کی وجہ سے اگر حاجی حدود منیٰ میں جگہ نہیں پاتا ہے تو جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کہیں بھی قیام کرسکتا ہے۔

"**إذا ضاق الأمر اتسع**"۔

مولانا نذر توحید صاحب لکھتے ہیں: حدود حرم میں حاجی کسی بھی جگہ قیام کرسکتا ہے، البتہ وادی محسر میں قیام نہ کرے، کیونکہ اس میں قیام کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے (دیکھئے: **مقالہ مولانا ابوسفیان مفتاحی**)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

رمی جمار کے اوقات

مولانا راشد حسین ندوی

راقم کو ''رمی جمار کے اوقات'' کے موضوع پر آئے ہوئے مقالات اور آراء کے متعلق عرض مسئلہ کا حکم دیا گیا ہے، اس مسئلہ پر اسلامک فقہ اکیڈمی کو کل ۳۴ مقالات موصول ہوئے ہیں، جن میں موضوع سے متعلق معین مختلف سوالات کو حل کیا گیا ہے۔

ان میں سے پہلا سوال یہ تھا کہ ۱۰؍ذی الحجہ کو رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات نے دوطرح کی رایوں کا اظہار کیا ہے:

پہلی رائے:

کچھ حضرات کے نزدیک طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنا جائز نہیں ہے، ان حضرات کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا ابو القاسم عبد العظیم صاحب، مفتی انور علی اعظمی صاحب، جناب سید شکیل انور صاحب۔

ان حضرات میں سے سید شکیل انور صاحب نے عدم جواز کے موقف پر یہ دلیل دی ہے کہ اس سے قیام مزدلفہ مختصر ہوجائے گا۔

بقیہ دوحضرات کا استدلال ابو داؤد کی اس روایت سے ہے: ''لا ترموا الجمرة حتی تطلع الشمس''۔

مفتی انور علی صاحب نے نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی استدلال کیا ہے، ''کان النبی ﷺ یرمی یوم النحر ضحی'' (ترمذی)۔

دوسری رائے:

بقیہ حضرات کی رائے جواز کی ہے، لیکن اکثر حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ بغیر عذر ایسا کرنا مکروہ ہوگا، البتہ کوئی عذر ہو تو کراہیت نہیں ہوگی، جب کہ مولانا سلطان احمد اصلاحی اور مولانا عطاء اللہ قاسمی نے کراہت سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

اکثر حضرات نے مندرجہ ذیل فقہی عبارات کو اپنا مستدل بنایا ہے:

۱- ''فالأول – أی وقت الجواز – ابتداء ہ من طلوع الفجر یوم النحر ... الخ'' (البحر الرائق ۲/ ۴۰۲)۔

۲-''وکذا یکرہ قبل طلوع الشمس وھذا عند عدم العذر، فلا إساءة برمی الضعفة قبل الشمس ولا برمی الرعاة لیلاً'' (شامی ۳/ ۵۳۴)۔

۳-''أما یوم النحر فأول وقت الرمی منه ما بعد طلوع الفجر الثانی'' (بدائع ۳/ ۱۱۴۰)۔

۴- نیز اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی مبسوط، فتح القدیر، المغنی نیز زاد المعاد اور مجمع الانہر کی عبارات۔

جب کہ مولانا محمد اعظمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابرار خان ندوی، مولانا اے ایم عبد اللہ صاحب اور مفتی عارف باللہ قاسمی نے مندرجہ ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

۱-"عن عائشة قالت: نزلنا بالمزدلفة، فاستأذنت النبیﷺ سودة أن تدفع قبل حطمة الناس، و کانت امرأة بطیئة فأذن لها" (بخاری)۔

۲-"عن أم سلمة أن النبیﷺ بعث بها من جمع بلیل" (مسلم)۔

۳-اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی حضرت عائشہ،حضرت ام سلمہ اورحضرت ابن عمرؓ کی بخاری ومسلم کی احادیث۔

۴-"لاترموا الجمرة حتی تصبحوا" (طحاوی)۔

۵-"وأن لا یرموا الجمرة إلا مصبحین" (بیہقی)۔

۲- دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگارحضرات کی تین آراء سامنے آئی ہیں:

پہلی رائے:

ان میں سے پہلی رائے یہ ہے کہ اس کی گنجائش نہیں ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مولانا خورشید احمد اعظمی مئو،مفتی حبیب اللہ قاسمی، راقم سطور راشد حسین ندوی،مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی،مولانا عطاء اللہ قاسمی، ڈاکٹر بہاءالدین ندوی،مولانا ذکاء اللہ شبلی،مفتی شیر علی گجراتی،مفتی ثناءالہدیٰ قاسمی،مفتی انور علی اعظمی اورمفتی محمد سلمان منصورپوری۔

مولانا ابو القاسم عبدالعظیم صاحب کی رائے بھی غالباً یہی ہے، اس لئے کہ موصوف کے نزدیک حالیہ توسیع کے بعد یہ سوال غیر مناسب ہے۔

دلائل:

۱- "ولا یرمی فی أیام التشریق إلا بعد الزوال، فإن رمی قبل الزوال

أعاد نص عليه، وروى ذلك عن ابن عمر، وبه قال مالك والثورى والشافعي وإسحاق وأصحاب الرأى، وروى عن الحسن وعطاء'' (المغنی ۳؍۴۷۴)،عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ مسلک ائمہ اربعہ بلکہ جمہور کا ہے۔

۲- ''وأشار بقوله ''بعد الزوال'' إلى أول وقته فى ثانى الفجر وثالثه حتى لو رمى قبل الزوال لا يجوز''(البحرالرائق ۲؍۳۴۱)۔

۳-''وأما وقت الرمى من اليوم الأول والثانى من أيا م التشريق، وهو اليوم الثانى والثالث من أيام الرمى فبعد الزوال'' (بدائع ۲؍۳۷)۔

۴- ''ووقت رمى الجمار الثلاث فى اليوم الثانى والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله فى المشهور''(شامی ۲؍۱۸۵)۔

۵-''من رماها قبل الزوال أعاد رميها بعد الزوال'' (بدایۃ المجتہد ۱؍۲۵۸)۔

جب کہ مفتی حبیب اللہ قاسمی، راقم سطور راشد حسین ندوی، مولانا خورشید انور صاحب اعظمی اور مفتی انور علی صاحب نے مندرجہ ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

۱-''إن النبیﷺ رمى الجمرة يوم النحر ضحى ورمى فى بقية الأيام بعد الزوال''(الحدیث)۔

۲-''کنا نتحين فإذا زالت الشمس رمينا'' (صحیح مسلم، کتاب الحج)۔

۳- ''رمى رسول اللهﷺ الجمار حين زالت الشمس'' (احمد، ابن ماجہ، ترمذی)۔

دوسری رائے:

دوسری رائے یہ ظاہر کی گئی ہے کہ موجودہ ازدحام اور حادثات کی سنگینی کے پیش نظر اس کی اجازت ہوگی، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا اختر امام عادل،

ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عبدالرشید قاسمی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا تنظیم عالم قاسمی، سید شکیل احمد انور، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا ممتاز ندوی، مولانا ابرارخان ندوی، مفتی نیاز احمد بناری۔

مولانا محمد عارف باللہ قاسمی، مولانا اے ایم عبداللہ صاحب (غالباً مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب کی رائے بھی یہی ہے جیسا کہ اس سوال کے جواب میں ان کے تمہیدی کلمات سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن حتمی رائے والے صفحہ کا عکس دستیاب نہ ہوسکنے کے سبب یقین سے کہنا مشکل ہے) ان حضرات کا بنیادی استدلال اس غیر ظاہر الروایہ سے ہے جو عام طور پر کتب فقہ میں نقل کی گئی ہے:

۱-''قال في اللباب: وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله وقيل يجوز'' (ردالمحتار ۲/۲۰۱)۔

۲-''وروي عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال، فإن رمى قبله جاز'' (بدائع الصنائع ۲/۱۳۷)۔

۳-مولانا تنظیم عالم قاسمی اور مولانا ابرارخان ندوی صاحب نے الموسوعۃ الفقہیہ کی اس عبارت کو بھی نقل کیا ہے: "الأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة لا سيما في زماننا" (۲۳/۱۵۸)۔

یہ رائے ۱۲/ذی الحجہ کے بارے میں ہے، گیارہ کو بھی اسی پر قیاس کیا گیا ہے، نیز موسوعہ کے حاشیہ میں ہے: "قال في البحر العميق: فهو قول مختار يعمل به بلا ريب وعليه عمل الناس وبه جزم بعض الشافعية حتى زعم الأسنوي أنه المذهب" (کذا فی ارشاد الساری إلی مناسک ملا علی القاری)۔

۴- مولانا ممتاز ندوی نے ضرورت کے وقت ضعیف روایت پر عمل کی اجازت پر رسائل ابن عابدین کی اس عبارت سے بھی استدلال کیا ہے: "أما لو عمل بالضعيف في

بعض الأوقات لضرورة اقتضت ذلک فلا یمنع منه" (ص/۴۹)۔

۵-مولانا عارف باللہ قاسمی نے حضرت ابن عباسؓ کے اس اثر کوبطور استدلال پیش کیا ہے:"إذا انتفح النهار من آخر أيام التشريق جاز الرمی" (بیہقی الکبری۵/۱۵۲)۔

۶- جہاں تک حضور ﷺ کے عمل کا تعلق ہے اس کے بارے میں مفتی عبد الرحیم قاسمی فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار افضل پر محمول کیا جائے گا۔

تیسری رائے:

یہ ہے کہ کمزوروں، بوڑھوں اور خواتین کو اجازت ہوسکتی ہے، یہ رائے مولانا عبد الجلیل قاسمی اور مولانا محمد اعظمی صاحبان کی ہے، مولانا عبد الجلیل صاحب نے مذکورہ بالا فقہی روایت سے استدلال کیا ہے، جب کہ مولانا محمد اعظمی صاحب نے اس رخصت کو یوم النحر کے معذورین کی رخصت پر قیاس کر کے مستنبط کیا ہے۔

۳- تیسرا سوال یہ تھا کہ ۱۱-۱۲/ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت ہوگی؟

پہلی رائے:

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں نے تحریر فرمایا ہے کہ حجاج کی کثرت، ازدحام اور حادثات کی سنگینی کے پیش نظر غروب کے بعد بلا کراہت رمی درست ہوگی، ان حضرات نے عام طور سے مندرجہ ذیل فقہی عبارات سے استدلال فرمایا ہے:

۱- "والليل وقت الجواز مع الإساءة فلا بد أن يكون محل ثبوت الإساءة عدم العذر" (فتح القدیر ۲/ ۳۹۴)۔

۲-"ولا شئ عليه سوى الإساءة مالم يكن بعذر" (شامی ۲/ ۲۰۱، نیز غنیۃ قدیم/ ۹۷)۔

۳- "قد تبين مما قدمنا أنهم جعلوا خوف الزحام عذراً للمرأة من به علة أو ضعف في تقديم الرمي قبل طلوع الشمس أو تأخيره إلى الليل" (غنیۃ المناسک ۱۰۰)۔

دوسری رائے:

جب کہ کئی مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ یہ رخصت کراہت کے بغیر صرف خواتین اور معذورین کے لئے مخصوص ہوگی، ان حضرات کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا محمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی۔

ان حضرات کا استدلال بھی مندرجہ بالا فقہی عبارات سے ہے۔

سید شکیل احمد انور صاحب کی رائے یہ ہے کہ مردوں کے لئے مکروہ ہے، جبکہ مولانا ابو القاسم عبد العظیم صاحب کے نزدیک حالیہ توسیع اور تعمیر کے بعد اس سوال کو حل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور مفتی شیر علی صاحب گجراتی نے اس کو مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے، ان کا مستدل شامی کی عبارت ہے: "ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه" (۳/۵۴۲)۔

۴- اگر ۱۲ رذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو ۱۳ رکی رمی لازم تو نہیں ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے عدم لزوم کی رائے اختیار کی ہے۔

البتہ سید شکیل انور صاحب اور مولانا ابو القاسم عبد العظیم کے نزدیک رمی لازم ہوجائے گی، ان حضرات نے کوئی دلیل نہیں دی ہے، البتہ مولانا ابو القاسم صاحب فرماتے ہیں کہ اس نے سستی کی ہے لہذا انجام بھگتنا چاہئے۔

جبکہ مولانا محمد اعظمی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اثر "ولا ينفون حتى يرمى الجمار من الغد" (مؤطا) کی دلیل سے عام علماء کے نزدیک ۱۳؍کی رمی واجب ہوجاتی ہے، لیکن وجوب کے لئے یہ اثر نا کافی ہے، اس لئے اس کے ترک پر قضا نہیں ہے۔

اور مولانا ابوسفیان مفتاحی کے نزدیک اس صورت میں تیرہ کی رمی لازم ہوجائے گی، لیکن اگر صبح صادق سے پہلے چلا جائے تو اس پر کچھ واجب نہیں، مولانا موصوف نے استدلال شامی، جوہرہ اور البحر کی انہیں عبارات سے کیا ہے، جن سے پہلی رائے اختیار کرنے والے مقالہ نگاروں نے استدلال کیا ہے۔

پہلی رائے اختیار کرنے والے حضرات کے دلائل:

۱-"ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لا شئ عليه وقد أساء" (ردالمحتار ۵؍۵۴۳)۔

۲-"ويسقط بنفره قبل طلوع فجر الرابع، ولو نفر من الليل قبل طلوعه لا شئ عليه في ظاهر الرواية عن الإمام وقد أساء" (غنیۃ قدیم؍۹۸۰)۔

۳-اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی ہدایہ، بدائع، نور الایضاح، زبدۃ المناسک، المغنی اور الفقہ الاسلامی وادلتہ کی عبارات۔

۵- پانچواں سوال یہ تھا کہ کیا بوڑھے معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے ۱۰؍ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں نے دو طرح کی آراء ظاہر کی ہیں:

پہلی رائے:

اس میں پہلی رائے عدم جواز کی ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات نے ظاہر کی ہے:

مفتی ثناء الہدی قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا نیاز احمد بناری، مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، راقم السطور راشد حسین ندوی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی محمد سلمان منصور پوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی شیر علی صاحب گجراتی، مولانا ذکاء اللہ شبلی۔

ان حضرات کا استدلال ان فقہی عبارات سے ہے:

۱-"أما يوم النهر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الثاني، فلا يجوز قبل طلوعه" (بدائع ۲/۱۴۰)۔

۲-"فوقت الجواز أداء من طلوع الفجر فلا يصح قبله" (غنیۃ قدیم/۹۱)۔

۳-"ولو رمی قبل طلوع الفجر لم يصح اتفاقاً" (ہندیہ ۱/۲۵۲)۔

۴-اسی مفہوم پر دلالت کرنے والی مبسوط، ہدایہ اور دوسری کتابوں کی عبارتیں۔

جب کہ مولانا تنظیم عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل صاحب اور راقم سطور راشد حسین ندوی نے مندرجہ ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا ہے:

۱-"لا ترموا الجمرة حتى تصبحوا" (طحاوی ۲/۲۱۷)۔

۲-"وأن لا يرموا الجمرة إلا مصبحين" (بیہقی)۔

اور مفتی انور علی اعظمی اور مولانا نیاز احمد بناری نے مندرجہ ذیل حدیث کو مستدل بنایا ہے:

"كان رسول الله ﷺ يقدم ضعفاء أهله بغلس ويأمرهم يعني لا يرمون الجمرة حتى تطلع الشمس" (ابوداؤد ۲/۲۶۸)۔

جہاں تک شافعیہ کے مستدلات کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں کئی حضرات نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ روایات ضعیف ہیں، مزید یہ کہ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث میں قبل الفجر سے قبل صلاۃ الفجر کا بھی احتمال ہے اور تطبیق کے لئے یہی احتمال راجح ہوگا۔

دوسری رائے:

یہ کہ صرف معذورین کے لئے جائز ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مولانا ابرارخان ندوی، ڈاکٹرظفر الاسلام اعظمی۔

تیسری رائے:

ان حضرات کی ہے جنہوں نے اس سوال کے جواب میں ضرورت کے تحت معذور کی قید لگائے بغیر اجازت دی ہے، ان حضرات کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

مولانا اے ایم عبد القادر، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، ڈاکٹر بہاء الدین ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد اعظمی، سید شکیل انور صاحب، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا عبد الرشید صاحب، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا شاہد علی قاسمی۔

ان میں سے اکثر حضرات نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

۱- مولانا محمد اعظمی صاحب نے بخاری ومسلم کی کئی احادیث درج کی ہیں، مثلاً "نزلنا بالمزدلفة فاستأذن النبيﷺ سودة أن تدفع قبل حطمة الناس وكانت امرأة بطيئة فأذن لها فدفعت قبل حطمة الناس" (بخاری، مسلم)۔

۲- حضرت اسماء کی حدیث: "حتى رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها" (بخاری، مسلم)۔

۳- مولانا اے ایم عبد القادر، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی اور مولانا سلطان احمد اصلاحی نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

۱- "عن عائشة أنها قالت: أرسل رسول اللهﷺ بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت" (ابوداؤد: کتاب المناسک، باب التعجیل من جمع)۔

۲-''أن النبی ﷺ رخص للرعاء أن یرموا لیلاً''(مصنف ابن ابی شیبہ)۔

۳-''عن أم حبیبة قالت: کنا نفعله علی عهد رسول اللہ ﷺ بغلس من مزدلفة'' (مسلم ۱/ ۴۱۸)۔

۴-''عن ابن عباسؓ قال: بعثنی رسول اللہ ﷺ فی الثقل أو قال فی الضعفة من جمع بلیل'' (مسلم ۱/ ۴۱۸)۔

کئی حضرات نے تحریر فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں ضرورت کے تحت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مسلک کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے (مولانا اے ایم عبد القادر، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی وغیرہ) اور مولانا اے ایم عبد القادر نے امام شافعی کا مسلک ان الفاظ سے نقل کیا ہے:

''فی الإیضاح لابن حجر الهیثمی: ''السنة أن یقدم الضعفة من النساء وغیرهن قبل طلوع الفجر إلی منیٰ، لیرموا جمرة العقبة قبل زحمة الناس، ویکون تقدیمهم بعد نصف اللیل'' (ص ۳۴۵)۔

مولانا ابرار خان ندوی اور بعض دوسرے حضرات نے اشباہ کے حوالہ سے دو قواعد بھی تحریر کئے ہیں:

''الضرر یزال''، ''الضرر الأشد یزال بالضرر الأخف''۔

جب کہ مولانا ابوسفیان مفتاحی نے شامی کی اس عبارت کو اپنا مستدل بنایا ہے:

''فلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة لیلاً'' (شامی ۳/ ۵۳۴)۔

اور مولانا عبد الرشید قاسمی فرماتے ہیں کہ ضعفاء وغیرہ کو اجازت دینے سے رات، طلوع فجر اور طلوع شمس پر دلالت کرنے والی احادیث میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين محمد و على آله و أصحابه و على من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين و بعد!

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سولہویں فقہی سمینار کے متعدد موضوعات میں سے ایک موضوع ''رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام'' کے دوسرے جزء ''منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام'' سے متعلق مقالات کے عرض مسئلہ کی ذمہ داری، راقم الحروف کے سپرد کی گئی ہے۔

اکیڈمی نے اس موضوع سے متعلق تین سوالات: (۱) ایام حج میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت کیا ہے؟ (۲) اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں مقیم ہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟ (۳) کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے، خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر رہو یا مضافات میں؟ اور کیا منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے، اس لئے کہ مزدلفہ بھی حدود حرم میں داخل ہے؟ قائم کئے ہیں، جن پر ۲۸ مقالہ نگاروں کی آراء اکیڈمی

☆ صدر مدرس، جامعہ مفتاح العلوم مئو

کو موصول ہوئیں، بعد میں پانچ مقالہ نگاروں کی آراء موصول ہوئیں، اب سب کی تعداد ۳۳ ہوجاتی ہے۔

ان مقالہ نگاروں کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مفتی عبد الرحیم قاسمی، سید شکیل احمد، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی عبد الرشید قاسمی، مولانا محمد اعظمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، ڈاکٹر بہاؤ الدین ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا اختر امام عادل، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا محمد سلمان منصور پوری، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مفتی محمد شاہد علی قاسمی، مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی شیر علی گجراتی، مفتی محمد عارف باللہ، مولانا عبد القادر، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا ابو القاسم عبد العظیم۔

ان میں چوبیس مقالہ نگاروں نے قیام منیٰ کی حیثیت ''سنت'' بتایا ہے، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا خورشید انور، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا بہاء الدین ندوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا نعیم اختر، مفتی عبد الرشید قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد سلمان منصور پوری، قاضی عبد الجلیل قاسمی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام مئو، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد شاہد علی قاسمی اور مفتی انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور راقم الحروف ابوسفیان مفتاحی۔ ان حضرات نے حضرت عباسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے: "استأذن العباس

رسول اللہ ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منیٰ لأجل سقايته فأذن له" (نصب الرایہ ۳؍۸۷)، اور ہدایہ ا؍ ۲۵۳ میں ہے: "ولو بات في غيرها متعمداً لا يلزمه شئ " ۔ اور شامی ۳؍۴۷۹ میں ہے: "يبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات لغيرها كره ولا يلزمه شئ وكذا في كتب أخرى" ۔اورمولانا محمد اعظمی نے اپنی طرف سے کوئی رجحان قائم نہیں کیا،صرف یہ نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے کہ حنفیہ کےنزدیک سنت ہے، ائمہ ثلاثہ کےنزدیک واجب ہے، البتہ مزید یہ لکھا ہے: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ معذوروں،ضعیفوں اورضرورت مندوں سے اس کا وجوب یا سنت ساقط ہے، اس سقوط ورخصت کی بنیاد نصوص شرعیہ پر ہے۔

سید شکیل احمد انور نے جائز لکھا ہے اورعلت ازدحام حجاج بیان کی ہے، اورمولانا نعیم اختر لکھتے ہیں: واجب نہیں (شامی)، امام شافعی کےنزدیک واجب ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ) لہذا شوافع کی بھی رعایت ہونی چاہئے، راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ موصوف نے رعایت کی شکل نہیں بتائی۔

ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی کہتے ہیں کہ عذر کے سبب بلا کراہت جائز ہے،بغیرعذر عمداً مکروہ ہوگا، تاکہ ترک سنت سے احتراز ہوسکے اورعمل بالسنہ ہوسکے۔اور دورات کے قیام میں دشواری ہوتو کم ازکم ایک رات ضرور منیٰ میں قیام کرنے کی سعادت حاصل کی جائے (مغنی، زاد المعاد،ہدایہ)۔

زادالمعاد میں ہے: "وإذا كان النبي ﷺ قد رخص لأهل السقاية وللرعاء في البيتوتة فمن له مال يخاف ضياعه أو مريض يخاف من تخلفه عنه أو كان مريضا لا تمكنه البيتوتة سقطت عنه تبنية النص على هؤلاء" (۲؍۲۹۰)۔

جن حضرات کے مقالات عرض مسئلہ تیار کرنے کے بعد موصول ہوئے ان کی رائیں اخیر میں عرض کی جارہی ہیں، مفتی شیر علی گجرات، اورمفتی محمد عارف باللہ حیدرآباد اورمولانا

عبدالقادر کیرالا اور مولانا ثناء الہدی قاسمی نے ''سنت ہے'' کہا ہے، پھر یہ حضرات کچھ نقاط میں مختلف ہیں، مثلاً مولانا ثناء الہدی قاسمی کہتے ہیں: اس کے قصداً ترک سے بھی حج کی صحت پر فرق نہیں پڑے گا، البتہ بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے (شامی)، مولانا عبدالقادر صاحب مزید لکھتے ہیں: حنفیہ کی رائے میں سنت ہے، اگر اس سنت پر عمل نہیں کیا تو صرف اساءت ہے لیکن کچھ لازم نہیں آئے گا، اور جمہور فقہاء امام مالک وغیرہ کے نزدیک واجب ہے، اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں دم لازم ہوگا، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی نے کہا ہے کہ ۸ ر ذی الحجہ کو قیام منیٰ بالاتفاق سنت ہے، ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو قیام منیٰ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے، اور احناف کے نزدیک سنت ہے، بلاعذر چھوڑنا مکروہ ہے، اور مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم مئوکوئی رائے نہ قائم کرکے تنقیدی انداز میں کہتے ہیں: پہلے اعراب غلطی یا سستی سے حدود منیٰ کے باہر قیام کرلیتے تو ان کو ہانک کر منیٰ میں لایا جاتا تھا، اب لوگ کاہلی اور آسائش کے لئے حدود منیٰ کے باہر محلہ عزیزیہ وغیرہ میں قیام کرلیتے ہیں تو ان کے لئے گنجائش تلاش کی جاتی ہے۔

سوال نمبر ۲: اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں نے مختلف آراء قائم کی ہیں، مثلاً مفتی جمیل احمد نذیری نے مطلقاً درست لکھا ہے اور حدیث عباس اور حدیث ترخیص للرعاء سے استدلال کیا ہے اور حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مولانا خورشید انور اور مولانا بہاؤالدین ندوی نے درست بلا کراہت کہا ہے اور حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور علت: ازدحام بیان کی ہے۔ مولانا محمد ممتاز خان اور مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی نے درست مع الکراہہ لکھا ہے، اور فتح القدیر ۲/ ۳۹۵ سے استدلال کیا ہے: ''قال: ویکرہ أن یقدم الرجل ثقلہ إلی مکۃ ویقیم حتی یرمی''، اور لکھتے ہیں کہ اگر حدود مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہو تو ازدحام کی وجہ سے بڑی دشواری ہوگی جب کہ حدود مکہ میں قیام سے آسانی ہوگی، اس لئے مسلک حنفی پر عمل کرنے میں عافیت وسکون

ہے،مولانا خورشید احمد اعظمی نے صحیح اورمولانا اختر امام عادل قاسمی نے بلاعذرمکروہ اوربسبب عذر مکروہ کہا ہے(شامی وغیرہ)،ان دونوں کےنزدیک حج پر کراہت کااثر پڑے گا،نیز مولانا راشد حسین ندوی نے بکراہت درست کہا ہے اور راقم الحروف ابوسفیان مفتاحی کےنزدیک مکروہ تنزیہی ہے، اورجوہرہ سے استدلال کیا ہے۔

نیز مفتی عبدالرحیم قاسمی اورمولانا تنظیم عالم قاسمی اورمولانا رحمت اللہ ندوی اورمولانا نعیم اختر قاسمی نے مطلقادرست کہا ہے۔ اورحج پرکوئی اثر نہ پڑنے کی صراحت مولانا تنظیم عالم قاسمی،مولانا رحمت اللہ ندوی،مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی،مولانا راشد حسین ندوی، راقم الحروف ابوسفیان مفتاحی،مولانا عطاء اللہ قاسمی،مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اورمولانا شاہد علی قاسمی نے کی ہے،لیکن مفتی عبدالرحیم قاسمی نے حج پر اثر پڑنے کے بیان سے خاموشی اختیار کی ہے،مولانا رحمت اللہ ندوی نے خلاف سنت کہا ہے،مفتی عبدالرشید قاسمی کہتے ہیں کہ خلاف سنت اورخلاف قانون ہوگا اس لئے حج کےثواب میں فرق پڑے گا،مفتی حبیب اللہ قاسمی نے حدودمکہ میں منیٰ کےعلاوہ قیام کومکروہ کہا ہے(ہندیہ)،مولانا محمد سلمان منصورپوری نے کہا ہے کہ حدودمکہ میں یا منیٰ کےکسی محلّہ میں یامزدلفہ میں قیام سےکوئی جنایت لازم نہیں ہوگی (غنیۃ)، قاضی عبدالجلیل قاسمی نے جائز کہا ہے اورحج پر اثر پڑنے کے بارے میں کچھ صراحت نہیں کی،مولانا محمد اقبال ٹنکاروی فرماتے ہیں کہ کثرت حجاج کی وجہ سے اگرسعودی حکومت کی جانب سے انتظامی سہولت کی خاطر بنائے جانے والے قانون کی رعایت میں حدودمنیٰ میں جگہ نہیں ملتی تومزدلفہ یا حی العزیزیہ میں بلاکراہت قیام کرسکتا ہے،لیکن بلاوجہ قیام منیٰ کےترک سےتارک سنت ہوگا،مولانا محمدشوکت ثناءقاسمی نے اس پر کچھ اظہارنہیں فرمایا، ڈاکٹرظفر الاسلام مئو لکھتے ہیں کہ حجاج کی کثرت ایک اضطراری صورت ہے،لہذا منیٰ کےعلاوہ حدودحرم میں قیام کی گنجائش ملنی چاہئے لیکن صرف بھیڑبھاڑ سے بچنے کی غرض سے ہوتوترک قیام منیٰ کی توسع نہیں ملنی چاہئے،مفتی انور علی مئو اورمولانا اشتیاق احمد اعظمی نے کہا ہے کہ اگرحاجی بلاکسی مجبوری کےمنیٰ میں قیام نہیں کرتا

مکہ میں رہتا ہے اور وہیں سے رمی کو جاتا ہے تو یہ عمل خلاف سنت ہے، اس سے حج میں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا لیکن سنت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

مولانا محمد اعظمی نے لکھا ہے کہ عذر وضرورت کی بنا پر کوئی حرج نہیں اور بلاعذر باعث نقص ہے، رائے یہ دی ہے کہ جمرات کی رمی کرنے کی جگہوں کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے، اور حج پر اثر پڑنے کے بیان سے خاموش رہے، سید شکیل احمد انور نے خلاف سنت کہا ہے اور بلاعذر منیٰ میں قیام نہ کرنا ترک واجب ہوگا، لہذا قربانی لازم ہوگی، اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی، راقم الحروف کہتا ہے کہ موصوف نے پہلے سوال کے جواب میں قیام منیٰ کی حیثیت کو جائز کہا ہے بنا بریں یہ تضاد ہے۔

عرض مسئلہ تیار ہونے کے بعد ان مقالہ نگاروں کی آراء موصول ہوئیں اس لئے بعد میں عرض ہے:

مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی کہتے ہیں: بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، مفتی محمد عارف باللہ لکھتے ہیں کہ حدودِ حرم میں رہتے ہوئے رمی وغیرہ کے لئے جانا درست ہے اور اس کی وجہ سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مولانا عبدالقادر صاحب کا کہنا ہے کہ منیٰ اور مزدلفہ کا قیام معذورین سے ساقط ہے، نیز چرواہے اور اہل سقایہ سے بھی ساقط ہے (حدیث عباس)، مفتی شیر علی نے کہا: اگر منیٰ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے حاجی نے ایسا کیا تو اس سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن بلاضرورت ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔

مولانا ابو القاسم عبد العظیم متنقیدی انداز میں کہتے ہیں کہ جو رخصت اہل اعذار کو دی گئی ہے، غیر اہل اعذار کا اس میں داخل ہونا غیر حیلہ شرعی ہوگا۔ ماضی میں اہل عذر حضرات بھی یہ رخصت قبول کرنے سے پرہیز کرتے تھے اور اب غیر اہل اعذار ایسی رخصتوں کے لئے حیلہ تلاش کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۳- کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں؟ اور کیا منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے، اس لئے کہ مزدلفہ بھی حدود حرم میں داخل ہے؟

اس سوال کے جواب میں بیس مقالہ نگاروں کی آراء متفق ہیں، جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا خورشید انور بنارس، مفتی جمیل احمد نذیری، **مولانا محمد** ممتاز خان، **مولانا** خورشید احمد اعظمی، **مولانا** بہاؤالدین ندوی، **مولانا محمد** اعظمی، **مولانا** تنویر عالم قاسمی، **مولانا** رحمت اللہ ندوی، **مولانا** نعیم اختر قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی، قاضی عبد الجلیل قاسمی، **مولانا محمد** ذکاء اللہ شبلی، **مولانا** راشد حسین ندوی، راقم الحروف ابوسفیان مفتاحی، **مولانا محمد** شوکت ثناء قاسمی، **مولانا** عطاء اللہ قاسمی، **مولانا** اختر امام عادل قاسمی، **مولانا محمد** مصطفیٰ قاسمی اور **مولانا محمد** شاہد علی قاسمی، ان سب نے درست بلاکراہت کہا ہے۔ **مولانا** خورشید احمد اعظمی، **مولانا** اختر امام عادل قاسمی اور **مولانا محمد** اقبال ٹنکاروی نے کہا ہے کہ بلاعذر مکروہ ہے، **مولانا محمد** اعظمی نے رائے دی ہے کہ نئے سرے سے منیٰ کی حدبندی کی جائے، مفتی عبدالرحیم قاسمی نے بغیر عذر مکروہ تنزیہی کہا ہے، **مولانا** تنظیم عالم قاسمی نے بغیر عذر خلاف سنت کہا ہے، سید شکیل احمد انور اور مفتی عبدالرحیم قاسمی نے بھی بغیر عذر خلاف سنت کہا ہے، **مولانا** رحمت اللہ ندوی نے کہا ہے کہ منیٰ کے علاوہ حدود حرم میں قیام خلاف سنت ہے لیکن انہوں نے عذر و بلاعذر کی تفصیل نہیں کی ہے، ابوسفیان مفتاحی نے لکھا کہ ازدحام کے سبب حدود حرم میں کہیں بھی قیام کرلے، لیکن رات منیٰ میں گذارنا مسنون ہے، **مولانا محمد** شاہد علی قاسمی نے کہا ہے کہ بلا وجہ منیٰ کے علاوہ قیام موجب اساءت ہوگا جس سے کراہت ہوگی۔ سید شکیل احمد انور نے کہا ہے کہ بغیر عذر شرعی کے ممنوع ہے، لہذا اس کو ایک دم دینا ہوگا، **مولانا محمد** سلمان منصور پوری کہتے ہیں کہ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے حدود مکہ میں مقیم رہا یا منیٰ

کے کسی محلہ یا مزدلفہ میں ٹھہرا تو کوئی جنایت لازم نہیں ہوگی (غنیۃ)، مولانا محمد اقبال ٹنکاروی کہتے ہیں کہ ترک سنت کی وجہ سے مسیئ ہوگا، ڈاکٹر ظفر الاسلام کہتے ہیں کہ حجاج کی کثرت ایک اضطراری صورت ہے لہذا منیٰ کے علاوہ حدود حرم میں قیام کی گنجائش ملنی چاہئے، لیکن صرف بھیڑ بھاڑ سے بچنے کی غرض سے ہوتو ترک قیام منیٰ کی توسع نہیں ملنی چاہئے، مفتی انور علی اعظمی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی کہتے ہیں کہ حدود حرم میں قیام کرنا اور بلا کسی مجبوری کے قیام منیٰ کو ترک کرنا سنت نبوی کے خلاف ہے، اس لئے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہئے۔

مفتی شیر علی گجرات، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مفتی محمد عارف باللہ حیدرآباد اور مولانا عبدالقادر کیرالا سب لوگ اس پر متفق ہیں کہ حدود حرم میں کسی جگہ بھی ضرورت واعذار کے سبب قیام کیا جا سکتا ہے، البتہ مولانا ثناء الہدیٰ صاحب کہتے ہیں: حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام سے حج پر فرق نہیں پڑے گا، لیکن حتی الامکان منیٰ میں قیام کی کوشش کرنی چاہئے، منیٰ سے متصل مزدلفہ کے جن علاقوں میں منیٰ الجدید کے نام سے خیمے لگتے ہیں وہاں بھی قیام کرنا منیٰ کے ہی قیام کے حکم میں ہوگا۔ مولانا ابو القاسم عبدالعظیم نے یہاں بھی وہی تنقیدی انداز اختیار کیا ہے جو سوال ۲ کے جواب میں اختیار کیا ہے۔

☆☆☆

دوسرا باب

علماء اور ارباب افتاء کی تحریریں

تفصیلی مقالات:

رمی جمار کے اوقات

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ☆

(الف) ١- دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے وقت رمی شروع ہونے کا ذکر تو سوالنامہ میں موجود ہے تو پھر اس بابت سوال ہی کیوں؟

جواب ظاہر ہے کہ صبح صادق کے بعد ١٠ ارذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی حاجی کرسکتا ہے۔

٢- ١١/ ١٢/ذی الحجہ کو ظہر کے وقت سے پہلے رمی کرنا جمہور کے نزدیک جائز نہیں، لیکن امام اعظم کی طرف ایک قولِ غیر مشہور جواز رمی کا بھی منسوب ملتا ہے۔ بدائع الصنائع (٢/ ١٣٧) میں ہے:

”وأما وقت الرمی من ..... الیوم الثاني والثالث من أیام الرمی فبعد الزوال حتی لایجوز الرمی قبل الزوال في الروایة المشهورة عن أبي حنیفة، وروی عن أن الأفضل أن یرمی في الیوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمی قبله جاز“۔

مگر یہاں یہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے کہ عمر میں ایک بار حج کرنے کا موقعہ عموماً ملتا ہے (فرض تو ایک بار ہی ہے) تو ایسے عمل سے جو محل اختلاف ہو بچنا چاہئے، وہ بھی واجب عمل میں،

☆ استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

اس لیے کم از کم حج فرض میں تو اس کی اجازت نہ دی جانی چاہئے، اس لیے اور بھی کہ تمام ائمہ میں صرف امام اعظم سے ہی جواز کی ایک غیر مشہور روایت کی گئی ہے، بقیہ تمام ائمہ (حتی کہ امام کے دونوں ممتاز شاگرد بھی) عدم جواز کے قائل ہیں۔

۳- جائز ہے، عذر کے ساتھ بغیر کراہت کے، مگر بغیر عذر کے کراہت ہے۔

۴- حنفیہ کے یہاں لازم نہیں۔

۵- حنفیہ کے یہاں کی جاسکتی ہے۔

(ب): ۱- حنفیہ کے یہاں منیٰ میں قیام واجب نہیں، نہ دن کا نہ رات کا، البتہ سنت مؤکدہ ہے جس کے ترک کی اجازت بدون عذر قوی نہ ہوگی۔

۲- کراہت ہوگی بلاعذر ایسا کرنے پر۔

۳- بلاعذر ایسا کرنے پر کراہت ہوگی۔

☆☆☆

رمی جمرات اور قیام منیٰ کی حیثیت

مولانا راشد حسین ندوی ☆

۱-۱۰ر ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یوم النحر کو چاشت کے وقت رمی کی تھی، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں حضرت جابرؓ کی صریح حدیث میں ہے:

"رأیت رسول اللہ ﷺ یرمی بالجمرة ضحی یوم النحر وحدہ" (مسلم: کتاب الحج، باب بیان وقت استحباب الرمی، بخاری: کتاب الحج، باب رمی الجمار)۔

(میں نے نبی اکرم ﷺ کو صرف نحر کے روز چاشت کے وقت رمی کرتے ہوئے دیکھا)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"لاترموا الجمرة حتی تطلع الشمس" (ترمذی، ابواب الحج، باب ماجاء فی تقدیم الضعفة من جمع بلیل) (جب تک طلوع شمس نہ ہوجائے رمی جمرہ کا عمل نہ کرو)۔

انہیں احادیث کے پیش نظر اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ ۱۰ر ذی الحجہ کو رمی کا افضل وقت طلوع شمس کے بعد سے ہے، علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

"وکان رمیها بعد طلوع الشمس یجزئ بالاجماع وکان أولی" (المغنی ۳/۴۲۹)۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔

(طلوع شمس کے بعد بالاجماع رمی درست ہوگی، اور یہ افضل ہوگا)۔

وقت جواز کے بارے میں علماء کے مسالک:

پھر وقت جواز کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

١- جواز کا وقت نصف شب سے ہے، یہ قول حضرت عطاء، ابن ابویعلی، عکرمہ بن خالد، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔

٢- جواز کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے، یہ احناف، مالکیہ اور اسحاق بن المنذر کا قول ہے، امام احمد کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

٣- وقت جواز طلوع شمس سے شروع ہوتا ہے، یہ قول حضرت مجاہد، امام ثوری اور نخعی رحمہم اللہ کا ہے (المغنی ٣/٤٢٩)۔

اور مسلک احناف کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

''فالاول – أي وقت الجواز – ابتداء ه من طلوع الفجر يوم النحر وانتهاء ه إذا طلع الفجر من اليوم الثاني''۔

(وقت جواز یوم النحر کو طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور دوسرے دن طلوع فجر ہونے پر ختم ہوتا ہے)۔

جمہور کے نزدیک صبح صادق سے رمی کی جاسکتی ہے:

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ١٠/ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، یہ نہ صرف احناف بلکہ جمہور کا مسلک ہے، البتہ بلا عذر اس وقت رمی کرنا مکروہ ہے۔

٢- گیارہ اور بارہ کی رمی زوال سے پہلے ناجائز ہے:

جہاں تک ١١/ ١٢/ کی رمی کے اوقات کا تعلق ہے تو جمہور کے نزدیک اس کا وقت

زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، البتہ امام صاحب سے ایک قول میں جو غیر ظاہر الروایہ کے مطابق ہے- اگر ۱۲ رکو مکہ کوچ کر جانے کا ارادہ ہو تو زوال سے قبل بھی رمی کرسکتا ہے، علامہ ابن قدامہ فقہاء کے مسالک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایام تشریق میں زوال کے بعد ہی رمی کریگا، اگر زوال سے پہلے رمی کرلی تو اعادہ کرے، اس پر تصریح موجود ہے، یہ مسلک ابن عمرؓ سے مروی ہے، اور یہی قول امام مالک، ثوری شافعی، اسحاق اور اصحاب الرای کا بھی ہے، اور حضرت عطا اور حسن سے بھی مروی ہے، البتہ اسحاق اور اصحاب الرای نے ''نفر'' کے دن زوال سے پہلے رمی کرنے کی رخصت دی ہے، اور ''نفر'' زوال کے بعد ہی کریگا، امام احمد سے بھی اسی کی روایت کی گئی ہے، اس میں حضرت عکرمہ نے بھی رخصت دی ہے، اور طاؤس کہتے ہیں: زوال سے پہلے رمی کرے گا اور زوال سے پہلے کوچ بھی کر جائے گا'' (المغنی ۳ر ۴۷۷)۔

اور صاحب ''البحر الرائق'' مسلک احناف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مصنف نے اپنے قول ''بعد زوال'' سے ۱۲ر اور ۱۳ر تاریخ کو رمی کے اول وقت کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ اگر زوال سے پہلے رمی کی تو جائز نہیں ہوگا (آگے فرماتے ہیں) اور فتاوی ظہیریہ میں جو یہ لکھا ہے کہ ایام تشریق کا دوسرا دن پہلے دن کی طرح ہے، اور اگر اس دن ''نفر'' کا ارادہ ہو تو اس کے لیے زوال سے پہلے رمی کی اجازت ہوگی، اور زوال سے پہلے رمی تو ناجائز اس کے لیے ہے جس کا ارادہ نفر کا نہ ہو--- تو یہ غیر ظاہر الروایہ پر محمول ہے، اس لیے کہ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ان دونوں میں رمی کا وقت مطلقاً زوال کے بعد ہی داخل ہوگا'' (البحر الرائق ۳۴۱/۲)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق ماقبل زوال رمی نہ ۱۲ر کی کرسکتا ہے نہ ۱۱ر کی، ہاں صرف غیر ظاہر الروایہ کے مطابق جب ۱۲ر کو کوچ کا ارادہ ہو تو زوال سے پہلے رمی کرسکتا ہے، اس روایت میں بھی ۱۱ر کی رمی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ظاہر الروایہ تمام کتب متداولہ میں اسی تفصیل کے ساتھ ہے، البتہ غیر ظاہر الروایہ ''ہدایہ، فتح القدیر، شامی اور بدائع الصنائع'' میں دوسرے الفاظ سے ہے، چنانچہ صاحب فتح القدیر ہدایہ کی عبارت "وفي المشهور من الرواية" پر تعلیق کرتے ہوئے صراحت سے فرماتے ہیں:

''احتراز عما عن أبي حنيفةؒ قال :أحب إلي أن لا يرمي في اليوم الثاني والثالث حتى تزول الشمس فإن رمى قبل ذلك أجزأه'' (فتح القدیر ۲/ ۳۹۳)۔

(یہ امام صاحب سے منقول روایت سے احتراز ہے، امام صاحب فرماتے ہیں: مجھے پسند یہ ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن زوال شمس سے پہلے رمی نہ کرے، لیکن اگر رمی کرلی تو کفایت کرے گی)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

''قال في اللباب: وقت رمي الجمار بالثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال، فلايجوز قبله في المشهور وقيل يجوز'' (رد المحتار ۲/ ۲۰۱)۔

(''اللباب'' میں فرماتے ہیں: ایام نحر کے دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، تو قول مشہور میں اس سے پہلے رمی ناجائز ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ جائز ہے)۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وروى عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال، فإن رمى قبله جاز'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)۔

(امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن زوال کے بعد رمی افضل ہے، اور اگر اس سے پہلے رمی کرے تو جائز ہے)۔

ان عبارات سے مندرجہ ذیل تفصیلات معلوم ہوئیں:

۱- جمہور کے نزدیک ۱۱ / ۱۲ / ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے۔

۲- احناف کی ظاہر الروایہ جمہور کے مطابق ہے اور فتویٰ اسی پر ہے، لیکن غیر ظاہر الروایہ میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔

پھر غیر ظاہر الروایہ میں بظاہر کچھ اختلاف ہے، چنانچہ:

(الف) ردالمحتار، فتح القدیر اور بدائع کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۱ / ۱۲ / دونوں کو زوال سے پہلے رمی کرنا جائز ہے۔

(ب) اور البحر الرائق کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ۱۲ / کو "نفر" کا ارادہ ہو تو زوال سے پہلے رمی کرسکتا ہے، اس میں ۱۱ / کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حضور ﷺ کی رمی کا وقت:

مسئلہ پر اس اعتبار سے بھی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے کہ آنحضرت ﷺ، صحابہ کرام یا سلف صالحین میں سے کسی سے بھی ۱۱ / ۱۲ / کو زوال سے پہلے رمی کا ثبوت نہیں ہے، چنانچہ مسلم کی روایت ہے:

"عن جابرؓ قال: رمی رسول اللّٰہ ﷺ الجمرة یوم النحر ضحی، و أما بعد فإذا زالت الشمس" (مسلم، کتاب الحج باب بیان وقت استحباب الرمی)۔

(حضرت جابرؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یوم النحر کو چاشت کے وقت جمرہ کی رمی فرمائی، اور رہے بعد کے ایام تو جب زوال شمس ہوگیا تب رمی فرمائی)۔

اور بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

"کنا نتحین، فإذا زلت الشمس رمینا" (بخاری، کتاب الحج، باب رمی الجمار)۔

(ہم منتظر رہتے تھے اور جب زوال شمس ہوجاتا تھا تو رمی کرتے تھے)۔

بہر حال عسر و مشقت کے پیش نظر غیر ظاہر الروایہ اور قول ضعیف پر عمل بھی کیا جاسکتا

ہے اور اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا جاسکتا ہے، صرف اسی بات کو پیش نظر رکھا جائے تو اس مسئلہ میں بہر حال عسر و مشقت میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا، لہذا اس روایت پر عمل کرنے اور فتویٰ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لیکن جب اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ اس مسئلہ میں احناف سمیت جمہور ایک طرف ہیں، دوسری طرف احناف کی صرف ایک ضعیف روایت ہے (جو روایات کے بجائے قیاس سے ثابت ہے) اور بقول علامہ کاسانی اس باب میں حجت صرف توقیف ہے نہ کہ قیاس ''**وھذا باب یعرف بالقیاس بل بالتوقیف**'' (بدائع ۲/ ۳۴۴)۔

پھر اس روایت میں بھی دو طرح کی باتیں کی گئی ہیں جیسا کہ ابھی اوپر عرض کیا گیا۔ علاوہ ازیں مشقت و دشواری کا یہ حل پیش کیا جاسکتا ہے کہ رمی رات میں اس وقت کی جائے جب ازدحام کم ہو جائے، تو عدول عن ظاہر الروایہ کی ہمت نہیں ہوتی۔

بہر حال راقم کی رائے میں ابھی اتنی شدید ضرورت نہیں ہے کہ جمہور کے مسلک کو چھوڑ کر زوال سے پہلے رمی کی اجازت دیجائے، ہاں اگر صورت حال ایسی ہو جائے کہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو احناف کے اصولوں کے مطابق اس کی اجازت ہو سکتی ہے۔

۳-غروب شمس کے بعد ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی:

۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال سے لے کر اگلے دن کے طلوع شمس تک رہتا ہے، لیکن ان دنوں میں وقت مسنون زوال سے لے کر غروب شمس تک ہے، اور غروب شمس سے اگلے دن کے طلوع شمس تک کا وقت مکروہ ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

''**والوقت المسنون فیھما یمتد من الزوال إلی غروب الشمس، ومن الغروب إلی الطلوع وقت مکروہ**'' (ردالمحتار ۲/ ۲۰۱، وکذا فی البحر ۲/ ۳۴۹، وغیرہ)۔

(ان دونوں دنوں میں مسنون وقت زوال سے غروب شمس تک ہے، اور غروب سے طلوع تک وقت مکروہ ہے)۔

لیکن رات میں رمی کی کراہت کا یہ حکم بغیر عذر تاخیر کرنے پر ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

اگر یوم النحر یا دوسرے یا تیسرے دن رمی نہیں کی تو گزشتہ دنوں کی رمی آنے والی رات کو کرلے اور اس پر گناہ کے علاوہ کچھ لازم نہ ہوگا جب عذر سے تاخیر نہ ہوئی ہو (ردالمحتار ۲/ ۲۰۱)۔

صاف بات ہے کہ تاخیر عذر سے ہو تو گناہ بھی نہ ہوگا، اور ظاہر ہے کہ ازدحام کی وجہ سے جان جانے یا زخمی ہونے کا خطرہ قوی ترین اعذار میں سے ہے، لہذا اس اندیشہ کے پیش نظر اگر غروب کے بعد رمی کرے گا تو انشاء اللہ کراہت بھی نہیں ہوگی، چنانچہ مشہور محقق عالم مولانا رشید احمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

''رمی اور قربانی میں اتنی جلدی کرنا کہ ازدحام کی وجہ سے اپنے کو یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو حرام ہے، غروب سے کچھ قبل اطمینان سے رمی کریں، اگر اس وقت بھی سخت ازدحام ہو تو غروب کے بعد رمی کریں، ایسی حالت میں غروب کے بعد رمی کرنے میں کوئی کراہت نہیں'' (احسن الفتاویٰ ۴/ ۵۶۸)۔

۴- ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کا مسئلہ:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عازم حج اگر چاہے تو بارہ کی رمی کرکے واپس جائے، لیکن افضل یہ ہے کہ رک کر تیرہ کی رمی بھی کرے، اس کے بعد کوچ کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقىٰ" (سورۂ بقرہ/ ۲۰۳)۔

(پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں، اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے)۔

لیکن پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر غروب تک واپس نہ جاسکا تو کیا حکم ہوگا، اس کے متعلق فقہاء کے مسالک بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

تو جو شخص نفر اول میں جلدی کرنا چاہے وہ غروب شمس سے پہلے نکل جائے اور اگر منیٰ سے نکلنے سے پہلے سورج ڈوب جائے تو نفر نہ کرے، خواہ نکل چکا ہو یا اپنی قیام گاہ میں مقیم ہو اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہوگا، یہ قول حضرت عمر، جابر بن زید، عطا، طاؤس، مجاہد، ابان بن عثمان، امام مالک، ثوری، شافعی اور اسحاق بن المنذر کا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: جب تک تیسرے دن کا طلوع فجر نہ ہوجائے وہ کوچ کرسکتا ہے، اس لیے کہ دوسرا دن داخل نہیں ہوا ہے، لہٰذا اس کے لیے اسی طرح نفر جائز ہے جیسے غروب سے پہلے (جائز تھا) (المغنی ۳؍۴۷۹)۔

اور علامہ مرغینانی مسلک احناف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب تک چوتھے دن کا طلوع فجر نہ ہوجائے وہ نفر کرسکتا ہے، پھر جب طلوع فجر ہوجائے وہ نفر نہیں کرسکتا ہے، اس لیے کہ رمی کا وقت داخل ہوگیا ہے، اور اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک جب تیسرے دن کا سورج ڈوب جائے تو اس کو رمی سے پہلے نفر کی اجازت نہیں ہوگی فرماتے ہیں: اس لیے کہ دن میں خیار ہونا منصوص علیہ ہے، اور دن کا امتداد غروب تک ہوتا ہے، ہم کہتے ہیں: رات چوتھے دن کی رمی کا وقت نہیں ہے، لہٰذا تیسرے دن کے غروب سے پہلے کی طرح نفر میں اس کا خیار باقی رہے گا، اس لیے کہ اس دن اسے نفر کا خیار دیا گیا ہے، اس لیے کہ چوتھے دن کی رمی کا وقت داخل نہیں ہوا ہے، اور یہ چیز اس کی رات کے بارے میں بھی ثابت ہے (ہدایہ مع الفتح ۲؍۴۹۳، نیز دیکھئے: ردالمحتار ۲؍۲۰۱)۔

مندرجہ بالا عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور کئی دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ غروب کے بعد نفر کی اجازت نہیں ہے جبکہ احناف کے نزدیک غروب سے طلوع فجر تک کراہت کے ساتھ نفر جائز ہے نفر کرنے پر گناہ ہوگا لیکن کچھ لازم نہ ہوگا۔

دلائل دونوں طرف ہیں، لیکن موجودہ زمانہ کے ازدحام، نیز ٹرانسپورٹ کے مسائل کے پیش نظر سہولت اور وسعت مسلک احناف میں ہے، اس لیے کہ بسا اوقات کوشش کے باوجود

ٹریفک وغیرہ کے مسائل کے سبب غروب سے پہلے حدودِ منیٰ کو پار کر جانا اپنے بس میں نہیں ہوتا، تو اگر غروب ہوجانے پر لزوم رمی کا قول اختیار کیا جائے تو ان لوگوں کو واپسی میں خاصی مشقت ہوگی جو غروب سے پہلے نکلے تو ہوں لیکن ٹریفک میں پھنس جانے کے سبب غروب سے پہلے حدودِ منیٰ پار نہ کرسکے ہوں۔

لہٰذا راقم کے نزدیک صورت مسئولہ میں ۱۳؍ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، البتہ بلاعذر غروب کے بعد نفر کریگا تو کراہت ہوگی، کسی خاص عذر کی وجہ سے ایسا ہوجائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ کراہت بھی نہیں ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

۵- ۱۰؍ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کا مسئلہ:

سوال نمبر (۱) کا جواب دیتے ہوئے عرض کیا گیا تھا کہ احناف وغیرہم کے نزدیک اس رمی کا وقت طلوعِ فجر سے ہے، البتہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کے نزدیک اس کا وقت نصف شب سے ہے۔

امام شافعی وغیرہ کے دلائل:

نصف شب سے اجازت دینے والوں کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- عن عائشةؓ أن النبي ﷺ أمر أم سلمة ليلة النحر فرمت جمرة العقبة قبل الفجر، ثم مضت فأفاضت'' (أبوداؤد کتاب الحج، باب التعجیل من جمع)۔

(حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو نحر کی رات کو حکم دیا، تو انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کی، پھر چلی گئیں اور افاضہ کیا)۔

۲- عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ رخص للرعاء أن يرموا ليلاً''

(رواہ الطبرانی وابن ابی شیبہ، کذا فی نصب الرایہ ۳/۸۵،۸۶)۔

(حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی)۔

۳- بالکل اسی معنی کی روایت حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ (دارقطنی ۲۷۹/۹، نیز نصب الرایہ ۸۶/۳) اور حضرت ابن عمرؓ (رواہ البزار فی مسندہ، نیز نصب الرایہ ۸۶/۳) سے بھی مروی ہے۔

حنفیہ کے دلائل:

اور حنفیہ اپنے مسلک کو مندرجہ ذیل روایات سے ثابت کرتے ہیں:

۱- "عن ابن عباس أن رسول اللّٰہ ﷺ قدم ضعفة أهله وقال: "لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس" (ترمذی: ابواب الحج، باب ماجاء فی تقدیم الضعفۃ من جمع بلیل)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے گھرانہ کے کمزوروں کو پہلے بھیج دیا اور فرمایا: سورج نکلنے سے پہلے رمی جمرہ مت کرنا)۔

احناف کہتے ہیں کہ اس روایت میں وقت مسنون کا ذکر ہے، جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں ان کا استدلال طحاوی میں اس روایت سے ہے:

۲- "عن ابن عباس أن رسول اللّٰہ ﷺ بعثه في الثقل وقال: لاترموا الجمار حتى تصبحوا" (طحاوی، باب وقت رمی الجمرۃ ۳۵۰/۱)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو ساز و سامان کے ساتھ بھیجا اور فرمایا: صبح ہونے سے پہلے رمی جمار مت کرنا)۔

اور امام شافعی کے دلائل میں سے پہلی حدیث کا جواب (بقول صاحب بذل المجہود) احناف یہ دیتے ہیں کہ: اس میں اس کا احتمال ہے کہ معنی یہ ہوں کہ فجر کی نماز سے پہلے رمی کی، لہٰذا یہ حدیث وقت فجر سے پہلے پر صریح نہیں ہے، پھر حدیث میں حضور ﷺ کی اجازت کا بھی ذکر نہیں ہے (بذل المجہود ۱۷۰/۳، کتاب الحج، باب التعجیل من جمع)۔

بقیہ روایات کا ایک جواب صاحب نصب الرایہ نے یہ دیا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں (نصب الرایہ ۸۵/۳، ۸۹)، اور دوسرا جواب صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر (ہدایہ مع فتح القدیر

۲/ ۳۹۴) نے یہ دیا ہے کہ احناف کی ذکر کردہ احادیث سے تطبیق دینے کے لیے لیل سے گزشتہ رات کے بجائے آنے والی رات مراد لی جائے گی، صاحب فتح القدیر نے اس پر خاصی طویل بحث کی ہے۔

بہر حال دلائل دونوں طرف ہیں، لیکن اگر جواز کا قول اختیار کرنا ہے تو مسلک احناف میں اس کی گنجائش نہیں ہے، امام شافعی کا مسلک اختیار کرنا ہوگا۔

اور اس مسلک کو اختیار کرنے کا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکے گا جب کمزوروں کے ساتھ ان کے متعلقین کو بھی اجازت دی جائے، اس لیے کہ عورتوں اور کمزوروں کو اگر تنہا جانے کو کہا جائے تو عملاً یہ ممکن نہیں، اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کے متعلقین پہلے رات کو جا کر ان کی رمی کرادیں پھر دوبارہ وقت پر اپنی رمی کرنے جائیں تو اس میں بھی شدید مشقت ہوگی، اس طرح رخصت کا دائرہ خاصہ وسیع ہو جائے گا، اس لیے کہ خاصی بڑی تعداد کے ساتھ ضعفاء اور عورتیں ہوتی ہیں۔

ان امور کے پیش نظر راقم کے خیال میں بہتر یہی ہے کہ اس مسئلہ میں مسلک احناف کو نہ چھوڑا جائے اور نصف شب سے رمی کی اجازت نہ دی جائے، البتہ اگر دن میں رمی کرنے میں مشقت ہو تو یہ لوگ اگلی رات میں رمی کرلیں، انشاء اللہ اس میں عذر کے سبب کراہت بھی نہ ہوگی۔

ب- قیام منیٰ کی حیثیت:

۱- علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایام منیٰ کے دوران منیٰ میں قیام فرمایا تھا، لیکن اس قیام کی کیا حیثیت ہے، اس کے بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں:

۱- امام مالک، امام شافعی، ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل اور چند دوسرے حضرات کا قول یہ ہے کہ منیٰ کا قیام واجب ہے۔

۲- احناف اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ قیام منیٰ

سنت ہے، چنانچہ کوئی شخص منیٰ میں قیام کرنے کے بجائے اگر مکہ یا مزدلفہ وغیرہ میں قیام کرے اور منیٰ آ کر رمی جمرات کر جائے تو ان حضرات کے نزدیک کوئی جزا لازم نہیں ہوگی البتہ اس میں کراہت ہوگی (المغنی ۳؍۴۷۴)۔

اور علامہ شامی مسلک احناف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''(قوله: فيبيت بها للرمي) اى ليالي أيام الرمي وهو السنة ، فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ ، اللباب "(ایام) رمی کی راتوں میں وہیں رات گزارے گا، سنت یہی ہے، تو اگر الگ رات گزارے تو مکروہ ہوگا اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا) (ردالمحتار ۲؍۲۰۰، کذا فی البحر ۲؍۳۴۸، الہدایہ مع الفتح ۲؍۳۹۵، بدائع الصنائع ۲؍۳۶۳)۔

اور امام محمد ''كتاب الأصل''میں فرماتے ہیں:''وإن كان أيام منىٰ بمكة غير أنه كان يأتي منىٰ فيرمي الجمار قال: قد أساء وليس عليه شئ'' (کتاب الاصل للامام محمد ۲؍۴۲۸)۔

(اگر ایام منیٰ میں مکہ میں رہا البتہ منیٰ آتا تھا اور رمی جمار کرتا تھا فرمایا: اس کو گناہ ہوا، لیکن اس پر کچھ لازم نہیں ہے)۔

پہلے گروہ کے دلائل:

امام مالک اور امام شافعیؒ اپنے مسلک پر مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں:

۱- "عن ابن عمرؓ أن العباسؓ استأذن النبي ﷺ ليبيت بمكة ليالي منى من أجل سقايته فأذن له" (بخاری: کتاب الحج، باب اہل بیت اہل السقایۃ أوغیرہم بمکۃ لیالی منیٰ، مسلم فی الحج، باب حجۃ النبی ﷺ)۔

(حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عباسؓ نے اپنے سقایہ کے کام کے سبب آنحضرت ﷺ سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رات گزارنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی)۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے صاحب ''المغنی'' فرماتے ہیں:

''حضرت عباسؓ کو ان کے عذر کے سبب خصوصی طور سے رخصت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رخصت دوسروں کے لیے نہیں ہوگی'' (المغنی ۳؍ ۴۷۴)۔

۲- "عن ابن عباس قال: "لم يرخص النبي ﷺ لاحد يبيت مكة الا العباس من أجل سقايته'' (ابن ماجہ، باب البیتوتۃ بمکۃ لیالی منی)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو مکہ میں رات گزارنے کی اجازت نہیں دی، سوائے حضرت عباس کو سقایہ کے سبب)۔

۳- علامہ ابن قدامہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کے آثار بھی استدلال میں ذکر کیے ہیں (المغنی ۳؍ ۴۷۴)۔

دوسرے گروہ کے دلائل:

جب کہ احناف وغیرہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- صاحب بدائع حضرت عباس کو اجازت دینے سے متعلق مسلم و بخاری کی مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اگر قیام واجب ہوتا تو نہ حضرت عباس سقایہ کے سبب واجب ترک کرتے، اور نہ نبی کریم ﷺ ان کو اس کی اجازت دیتے، لہذا آنحضرت ﷺ کے عمل کو دونوں دلیلوں میں تطبیق دینے کے لیے سنت پر محمول کیا جائے گا'' (بدائع الصنائع ۲؍ ۱۶۳، فتح القدیر ۲؍ ۳۹۵)۔

۲- ''أن رسول الله ﷺ رخص لرعاء الإبل في البيتوتة'' (ابوداؤد: کتاب الحج، باب فی الرمی الجمار)۔

(نبی کریم ﷺ نے اونٹ کے چرواہوں کو رات گزارنے سے متعلق رخصت دی)۔

۳- صاحب المغنی نے حضرت ابن عباس کا ایک اثر بھی نقل کیا ہے: "إذا رميت الجمرة فبت حيث شئت'' (المغنی ۳؍ ۴۷۴) (جب رمی جمرہ کرلو تو جہاں چاہو رات گزارو)۔

بہر حال مندرجہ بالا بحث سے بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ احناف کے نزدیک قیام منیٰ صرف سنت ہے اور اس کے ترک سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔

اور جمہور کے نزدیک عام حالات میں قیام واجب ہے اور ترک قیام پر جزا بھی واجب ہوگی، لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ چرواہے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، اور شوافع ان لوگوں پر بھی رخصت کا دائرہ وسیع کرتے ہیں جن کو مال ضائع ہونے یا کسی چیز کے فوت ہوجانے کا خوف ہو یا کسی مریض کی تیمارداری کرنی ہو۔

بہر حال مندرجہ بالا دلائل کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ:

۱- ان ایام میں حاجی کا قیام منیٰ سنت ہے، اور قیام ترک کرنے پر کوئی جزا واجب نہیں ہے، لہذا عازم حج کو پوری کوشش کرنی چاہئے کہ قیام وہیں رہے، بلاوجہ قیام ترک کریگا تو ترک سنت کے سبب گناہ ہوگا، البتہ کسی مجبوری (مثلاً منیٰ میں جگہ نہ ملنے یا منیٰ کے حدود کے باہر خیمہ ملنے وغیرہ) کے سبب قیام ترک کیا تو انشاء اللہ گناہ بھی نہیں ہوگا۔

۲- اس کی تفصیلات گزرچکی ہیں کہ کوئی اثر نہیں پڑیگا، نہ جزا لازم ہوگی، البتہ بلاوجہ ایسا کرنے پر گناہ ہوگا۔

۳- اصل مسئلہ جیسا کہ گزرچکا حدود منیٰ میں قیام کے واجب یا سنت ہونے کا ہے، لہذا جب سنت ترک کردی، تو مکہ، مضافات مکہ یا مزدلفہ جہاں بھی ٹھہرے گا ایک ہی ہوگا (جوکہ جواب نمبر ۱ میں گزرچکا ہے) اس لیے کہ اوپر جو دلائل مذکور ہوئے ہیں وہ عام ہیں، چنانچہ رد المحتار میں ہے: ''ولو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ'' (۲/۲۰۰)۔

ظاہر ہے کہ "بات بغیرھا" کے عموم میں یہ سب مقامات آجاتے ہیں۔

☆☆☆

حج میں رمی جمار کے اوقات- ایک شرعی جائزہ

مولانا اختر امام عادل☆

شریعت نے رمی کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے، رمی کے لیے چار یوم مقرر ہے، ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذی الحجہ، پہلے دن کو یوم النحر اور بقیہ تین کو ایام تشریق کہا جاتا ہے قرآن کریم میں ہے:

"واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقىٰ واتقوا الله واعلموا أنكم إليه تحشرون" (سورۂ بقرہ: ۲۰۳)۔

(اور اللہ کا ذکر کرو (بعد رمی) مخصوص دنوں میں جو پہلے دونوں میں جلدی کر کے چلا جائے تو کوئی گناہ نہیں اور جو دیر سے جائے تو کوئی گناہ نہیں اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کرے، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس کے پاس جمع کئے جاؤ گے)۔

البتہ ان تمام دنوں کے وظائف میں فرق ہے اور اس سلسلہ میں احادیث کے مضامین متنوع وارد ہوئے ہیں جن کی بنا پر فقہاء کے درمیان بھی بعض چیزوں میں اختلاف رائے واقع ہوا ہے جس کی مختصر تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

رمی بتاریخ ۱۰/ ذی الحجہ:

۱۰/ ذی الحجہ کو باتفاق فقہاء صرف جمرۂ عقبہ (بڑے جمرہ) کی رمی واجب ہے، اس کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ صبح

☆ ناظم جامعہ ربانی منورہ شریف، سمستی پور بہار

صادق ہی سے اس کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور دوسرے دن کی صبح صادق تک اس کا وقت جواز باقی رہتا ہے، البتہ وقت مسنون طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے، زوال کے بعد سے غروب تک وقت جواز ہے کوئی کراہت نہیں، اور غروب آفتاب کے بعد سے گیارہ کی صبح صادق تک یا دس کی صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا وقت بھی وقت جواز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں (ہدایہ مع الفتح لابن ہمام ۲/ ۵۱۱، ردالمحتار ۳/ ۵۴۷)۔

مگر وقت جواز میں یہ کراہت غیر معذورین کے لیے ہے، اگر کوئی شخص عذر (مرض، کمزوری، ازدحام وغیرہ) کی بناپر غیر مسنون اوقات میں رمی کرے تو کچھ کراہت نہیں۔

علامہ شامی نے ایک ضابطہ ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ واجب کا ترک اگر کسی عذر کی بناپر ہو تو اس کے ترک پر کچھ واجب نہیں ہے، البتہ اگر کسی عذر کی بناپر کسی ممنوع فعل کا ارتکاب ہو مثلاً سلا ہوا کپڑا پہن لے تو اس پر تاوان ہے، اور اخیر میں وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص بغیر عذر کے فجر سے قبل رمی کرلے تو اس نے برا کیا، مگر اس پر کچھ نہیں ہے، مذہب حنفی کے اکثر فقہاء کا مذہب اسی طرح ہے (ردالمحتار لابن عابدین ۲/ ۶۹۴)۔

حضرت امام ابویوسف کی رائے یہ ہے کہ رمی کا وقت پہلے دن زوال تک ہی ہے اس کے بعد قضا ہوجاتی ہے، کیونکہ بعد کے تینوں دنوں میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور نصف آخر میں اس کا وقت رہتا ہے تو پہلے دن رمی کا وقت زوال تک رہنا چاہئے تاکہ نصف اول میں اس کی ادائیگی ہو (المبسوط ۴/ ۶۴، بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۳-۳۲۴)۔

اگر کوئی شخص گیارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک رمی نہ کرے تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک قضا کے ساتھ دم بھی واجب ہوگا، قضا کا وقت پورے ایام تشریق ہیں۔

صاحبین کے نزدیک دم واجب نہیں ہوگا، حضرت امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے، دراصل صاحبین کے نزدیک رمی کوئی موقت عمل نہیں ہے (بدائع ۲/ ۳۲۶)۔

مالکیہ کی رائے آغاز وقت کے بارے میں وہی ہے جو حنفیہ کی ہے یعنی ۱۰/ تاریخ کی صبح

صادق سے رمی کا وقت جواز شروع ہوجاتا ہے، ایک روایت میں امام احمد کی رائے بھی یہی ہے مگر ان کا مشہور مسلک اس کے خلاف ہے، البتہ انتہائے وقت کے سلسلہ میں ان کی رائے مختلف ہے، ان کے نزدیک غروب آفتاب پر رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد قضا کے ساتھ دم بھی ادا کرنا ہوگا (الشرح الکبیر ۲/ ۴۸، شرح الرسالہ بحاشیۃ العدوی ۱/ ۴۷۷، بحوالہ الموسوعۃ الفقہیہ)۔

شافعیہ کے نزدیک یوم النحر کی نصف شب ہی سے رمی کا وقت جواز شروع ہوجاتا ہے بشرطیکہ اس سے قبل وہ وقوف عرفہ کر چکا ہو، ان کے نزدیک وقت کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے:

۱- افضل وقت: طلوع آفتاب سے زوال تک۔

۲- وقت اختیار: زوال سے غروب آفتاب تک۔

۳- وقت جواز: آخری ایام تشریق تک (المجموع للنووی ۲/ ۱۶۲، فتح الباری ۳/ ۵۲۸)۔

حنابلہ نے وقت کی صرف دو قسمیں کی ہیں، ان کے نزدیک بھی رمی کا وقت نصف شب سے شروع ہوجاتا ہے۔

۱- مگر افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے۔

۲- وقت جواز زوال سے غروب تک ہے، غروب کے بعد وقت ختم ہوجاتا ہے (المغنی مع الشرح الکبیر ۳/ ۴۴۳، ۴۴۹، المقنع ۱/ ۴۵۶، زاد المعاد لابن قیم ۲/ ۲۵۸، ۲۵۹)۔

متعلقہ روایات پر ایک نظر:

اس سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں آئی ہیں اور جن کو ائمہ کرام نے اپنے پیش نظر رکھا ہے ایک نظر ان پر بھی ڈال لینا مناسب ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ ہم لوگ جب مزدلفہ پہنچے تو حضرت سودہ نے اپنے جسم کے بھاری پن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل منیٰ روانہ ہوجائیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی اور وہ راتوں رات منیٰ پہنچ گئیں اور ہم لوگ صبح تک مزدلفہ ہی میں مقیم رہے، صبح جب تمام لوگوں کے ساتھ حضرت عائشہ

منیٰ پہنچیں اور وہاں انسانوں کا ہجوم دیکھا تو فرماتی تھیں کہ کاش سودہ کی طرح میں بھی رات ہی چلی آتی تو مجھے بے پناہ خوشی ہوتی (بخاری، حدیث نمبر: ۱۶۸۰، مسلم ۷، حدیث نمبر ۱۲۹۰)۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزدلفہ سے منیٰ راتوں رات آنے کی اجازت ہے، مگر اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت سودہ نے منیٰ آکر رمی بھی رات ہی میں کرلی تھی روایت خاموش ہے، ممکن ہے کہ صبح صادق کے بعد ہی رمی کی ہو جیسا کہ دوسری روایت سے سمجھ میں آتا ہے، اور پہلے اس لیے پہنچیں تاکہ پہلے مرحلے میں فارغ ہو جائیں، اگر ایسا ہے تو حنفیہ کے نقطۂ نظر سے بھی کچھ حرج نہیں، اس لیے کہ صبح صادق کے بعد وقت جواز شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو اور سارا ساز و سامان رات ہی میں منیٰ بھیج دیا تھا، ان سامانوں کے ساتھ حضرت ابن عباس بھی تھے مگر آپ نے چلتے وقت حکم فرمایا:

"**لاترموا الجمرة حتى تصبحوا**" (شرح معانی الآثار للطحاوی ۲/۲۱۷)۔

(صبح سے قبل رمی نہ کرنا)۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات میں منیٰ پہنچ جانے کے بعد بھی ان کو حکم دیا گیا کہ صبح سے قبل رمی نہ کی جائے، اس روایت سے پہلی روایت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ وہ مزدلفہ پہنچ کر نماز میں مشغول ہو گئیں تھوڑی دیر کے بعد اپنے غلام سے کہا کہ بیٹے دیکھو! چاند غائب ہو گیا؟ غلام نے کہا: نہیں، وہ پھر نماز میں مشغول ہو گئیں تھوڑی دیر کے بعد پھر دریافت کیا کہ چاند غائب ہو گیا، غلام نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: تو پھر یہاں سے کوچ کرو، وہاں سے وہ منیٰ پہنچیں اور منیٰ پہنچنے کے بعد پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کی اور رمی کے بعد اپنے قیام گاہ پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی۔ غلام نے حضرت اسماء سے کہا کہ شاید ہم نے اندھیرے ہی میں رمی کرلی ہے، انہوں نے کہا: بیٹا! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے (ابوداؤد ۲/۲۸۱)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند ڈوبنے کے بعد حضرت اسماء منیٰ کے لیے روانہ ہوئیں اور منیٰ پہنچنے تک صبح صادق کا آغاز ہورہا تھا مگر بہت اندھیرا تھا، انہوں نے نماز سے قبل رمی کرلی، اس لیے کہ صرف ایک جمرہ کی رمی کرنی تھی اور پھر اپنی قیامگاہ پہنچ کر نماز ادا کی۔ رمی اور نماز فجر میں کوئی زیادہ وقفہ نہیں تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی رمی صبح صادق کے بعد ہوئی تھی۔ ان کے غلام کو شبہ اس بناپر ہوا کہ سویرا اکھلا نہیں تھا، اندھیرا ہر طرف چھایا ہوا تھا، اور اوپر کی روایت میں آچکا ہے کہ حضور ﷺ کی ہدایت تھی کہ صبح سے قبل رمی نہ کی جائے تو حضرت ام سلمہ نے جواب دیا کہ عورتوں کے لیے اس حد تک اجازت ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوئی ہے کہ حضرت اسماء نے کوچ کی تیاری چاند ڈوبنے کے بعد کی اور دسویں رات کا چاند کم ازکم آٹھ گھنٹے سے قبل نہیں ڈوبتا، اس لحاظ سے اندازہ یہ ہے کہ چاند کم ازکم رات کے قریب تین بجے غروب ہوا ہوگا اس کے بعد تیاری میں کچھ وقت صرف ہوا ہوگا پھر سفر کا مرحلہ طے ہوا ہوگا، اس طرح کم ازکم چار بجے سے قبل منیٰ نہیں پہنچ سکی ہوں گی اور چار بجے صبح صادق ہونا مستبعد نہیں، اور اس طرح راتوں رات سفر کرنا اور بالکل اندھیرے میں رمی کرنے کی اجازت خواتین اور معذورین کے لیے ہے۔ اس میں کوئی کراہت نہیں جیسا کہ اس کی توجیہ خود حضرت اسماء نے کی کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے یعنی عورتیں ازدحام کے خوف سے اگر تنگی محسوس کریں تو مزدلفہ کا وقوف ترک کرکے راتوں رات منیٰ جاسکتی ہیں اور صبح کو ہجوم کا اندیشہ ہو تو اندھیرے ہی میں رمی کرسکتی ہیں، اور یہ حکم صرف عورتوں ہی کے لیے نہیں بلکہ بیماروں، کمزوروں اور دیگر معذوروں کے لیے بھی ہے۔ فقہاء حنفیہ کے یہاں بھی اس کی گنجائش عذر کی صورت میں نظر آتی ہے۔ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

میری رائے یہ ہے کہ اس میں بوقت رمی کی بھیڑ بھی شامل ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی رات ہی میں روانہ ہوجائے تاکہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل رمی کرسکے تو اس پر کچھ عائد نہیں ہوگا، لیکن ظاہر ہے کہ رمی کے وقت کی بھیڑ ہو یا راستے کی، ہمارے دور میں یہ لازماً ہوتی

ہے، تب تو وقوف مزدلفہ کا حکم سب ہی کے لیے ساقط ہو جانا چاہئے، اس لیے بہتر ہے کہ اس میں عورتوں کی قید لگائی جائے کہ بھیڑ کا خوف عورتوں کے لیے عذر ہے مردوں کے لیے نہیں، الا یہ کہ بیمار ہو یا بہت زیادہ کمزور ہو یا اور کوئی شدید عذر ہو، اور اس کی وجہ سے وہ رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ آ جائے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت آتی ہے کہ وہ اپنے گھر کے کمزور لوگوں (عورتوں اور بچوں) کو آگے ہی سے منیٰ روانہ کر دیتے تھے اور باقی لوگ رات کو مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور جب چاہتے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، پھر وہ امام کے ٹھہرنے اور لوٹنے سے قبل روانہ ہو جاتے تو کچھ لوگ منیٰ میں صبح کی نماز کے وقت پہنچتے اور کچھ نماز کے بعد اور جو جس وقت پہنچتا اسی وقت جمرہ پر کنکریاں مار لیتا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں یہ اجازت دی ہے (اللؤلؤ والمرجان، کتاب الحج، حدیث نمبر: ۸۱۷، بحوالہ رمی جمار کے وقت میں توسیع/ص ۲۶، ڈاکٹر صلاح الدین سلطان)۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبح صادق کے بعد بھی رمی کرنا جائز ہے، اور اگر کوئی شخص ہجوم کے ڈر سے ایسا کرے تو اس کے لیے اس وقت میں رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں:

"أن رسول الله ﷺ رمى الجمرة يوم النحر ضحىً ورمىٰ في بقية الأيام بعد الزوال" (بخاری: باب رمی الجمار ۳/۷۹ ۵، مسلم: باب بیان استحباب الرمی ۱۳۰۰، ترمذی: باب الرمی یوم النحر ضحیٰ، حدیث نمبر ۸۹۴)۔

رسول اللہ ﷺ نے ۱۰/ذی الحجہ کو چاشت کے وقت (طلوع آفتاب کے بعد) رمی فرمائی اور اس کے بعد کے دنوں میں زوال کے بعد۔

یہ وقت مسنون ہے اور باتفاق فقہاء سب سے افضل وقت ہے، مگر مضبوط اور توانا اور صاحب توفیق بندوں کے علاوہ عام لوگوں کے لیے اس فضیلت کو حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خاندان بنی عبدالمطلب کے لوگوں سے ارشاد فرمایا:

"ابيني لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس" (بیٹے! جمرہ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل مت کرو) (سنن کبریٰ للبیہقی ۵/ ۱۳۲، سنن دار قطنی ۲۷۳، ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۰۲۵، المجتبیٰ من السنن للنسائی، باب النہی عن رمی جمرۃ العقبۃ قبل طلوع الشمس ۵/ ۲۷۰، ۲۷۲)۔

اس حدیث میں تلقین کی گئی ہے کہ ممکن طور پر وقت افضل میں رمی کی کوشش کرنی چاہئے، حضور ﷺ کے اس حکم کے مخاطب آپ ہی کے خاندان کے تو جوان لڑکے ہیں جو مضبوط بھی تھے اور خاندانی شرافت کا تقاضا بھی تھا کہ وقت افضل کو وہ ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں دن میں رمی نہ کرسکا اور شام ہونے کے بعد رمی کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کچھ حرج نہیں (بخاری مع الفتح ۳/ ۶۸۵، باب إذا رمی بعد ما أمسی)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد رمی کا وقت باقی رہتا ہے اور جو لوگ کسی وجہ سے دن میں رمی نہ کر پائیں تو ان کے لیے شام کے بعد رات میں بھی رمی کرنے کی گنجائش ہے۔

چنانچہ ایک دوسری روایت بھی حضرت ابن عباس ہی سے منقول ہے:

"أن النبي ﷺ رخص للرعاة أن يرموا ليلاً" (نبی کریم ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے) (المجمع للہیثمی ۳/ ۲۶۰، الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۱۱۳۷، مسند بزار حدیث نمبر: ۱۱۳)۔

ان روایات سے مجموعی طور پر جو تأثر ابھرتا ہے کہ رمی کا اصل وقت جواز صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔

مگر حنفیہ کے پیش نظر وہ روایات ہیں جن میں آپ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی (طبرانی کبیر، حدیث نمبر ۱۱۳۷۹، مسند بزار رقم ۱۱۲۹)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ چرواہوں کے ساتھ رعایت کسی عذر کی بنا پر نہیں تھی، اس لیے کہ عذر کی صورت میں نائب بنانے کی اجازت ہے، اگر فی الواقع وقت نہیں رہتا تو ان کو نائب بنانے کا حکم دیا جاتا لیکن مغرب کے بعد اجازت دینا وقت میں گنجائش کو ظاہر کرتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)۔

حنفیہ کی رائے توسع واعتدال کی حامل ہے:

اسی طرح حنفیہ کے یہاں بڑی حد تک توسع اور اعتدال ملتا ہے۔ آخری دن (۱۳ر ذی الحجہ) کی رمی میں بھی جمہور علماء کے مقابلے میں حضرت امام ابوحنیفہ کے یہاں بہت توسع ہے، ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک آخری دن بھی زوال سے قبل رمی کی اجازت نہیں ہے، جبکہ سب اس پر متفق ہیں کہ غروب آفتاب سے رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور قضا کی بھی مدت باقی نہیں رہ جاتی ہے یعنی ہر شخص کو زوال سے غروب ہی تک کے دوران رمی کر لینی ہے ورنہ رمی فوت ہوجائے گی اور دم واجب ہوگا (سابقہ حوالہ جات)۔

مگر حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ آخری اور روانگی کا دن ہے، اگر کوئی شخص غروب کے بعد منیٰ سے روانہ ہو تو راستہ میں اس کے لیے دشواریاں پیش آسکتی ہیں، اس لیے چاہیے تو زوال سے قبل ہی رمی کر کے فارغ ہوجائے (بدائع ۲/ ۳۲۶)۔

امام احمد سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی نقل کی گئی ہے (الموسوعہ ۲۳/ ۱۵۸)۔

شامی نے زوال سے قبل رمی کو کراہت کے ساتھ جائز کہا ہے (رد المحتار ۲/ ۲۸۰)۔ مگر بعض متاخرین حنفیہ نے حج کے موقع پر انسانی ہجوم اور وقت کی تنگ دامانی کو دیکھتے ہوئے امام ابوحنیفہ کے اس قول کو زیادہ لائق ترجیح قرار دیا ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں (البحر العمیق، ارشاد الساری اور کتاب المناسک لملا علی قاری ر ۱۶۱ وغیرہ کے حوالوں سے) یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

”فهو قول مختار يعمل به بلاريب وعليه عمل الناس وبه جزم بعض الشافعية حتى زعم الأسنوي أنه المذهب“ (۲۳/ ۱۵۸)۔

(یہی قول مختار ہے، بلاشبہ اسی پر عمل کیا جائے گا اور لوگوں کا عمل اسی پر ہے، اور بعض شوافع نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے، بلکہ اسنوی تو اس کو اصل مذہب قرار دیتے ہیں)۔

موسوعہ فقہیہ کے مرتب نے اپنے خیال کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"والأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة لا سيما في زماننا" (۲۳/ ۱۵۸)۔

(جس شخص کو بھیڑ کا اندیشہ ہو اور کوئی حاجت درپیش ہو اس کے لیے اسی قول کو اختیار کرنا مناسب ہے بالخصوص ہمارے دور میں)۔

زیادہ قابل قبول مسلک:

علماء نے لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت کسی بھی مذہب فقہی پر عمل وفتویٰ کی گنجائش ہے جس کے لیے کچھ حدود اور ضوابط مقرر کیے گئے لیکن بحیثیت مجموعی ائمہ اربعہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک اس باب میں زیادہ محتاط، معتدل اور توسع کا حامل ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں آراء کی تشریح کے دوران اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مثلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ۱۰/ذی الحجہ کو صبح صادق سے دوسرے دن کے صبح صادق تک رمی کا وقت ہے جو کافی وسیع وقت ہے۔

حضرت امام شافعی نے نصف شب ہی سے مانا ہے اور مزید توسع دی ہے، مگر اس میں ایک طرف وقوف مزدلفہ کا حکم متاثر ہوتا ہے، دوسرے کوئی مضبوط اور واضح دلیل اس موقف کے لیے نہیں ہے اور کام صبح صادق کے وقت کو مان کر بھی چل سکتا ہے، اس لیے احتیاط یہ ہے کہ نصف شب سے رمی کا آغاز نہ کیا جائے کہ ممکن ہے اللہ کے نزدیک یہ قبل از وقت رمی قرار پائے۔

۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ذی الحجہ کی تواریخ میں بھی حضرت امام ابوحنیفہ صبح صادق ہی سے رمی کا وقت مانتے ہیں اور رات کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں جس سے بڑی آسانی ہوجاتی ہے۔

دوسرے فقہاء زوال سے قبل رمی کا وقت نہیں مانتے ہیں۔ مالکیہ نے وقت رمی کو اور بھی زیادہ مختصر کردیا ہے اور اس کو صرف غروب تک محدود کیا ہے۔

سوالات کے جوابات:

اس لحاظ سے حضرت امام ابوحنیفہ کا مذہب آسان اور دین کے مزاج اور زمانہ سے زیادہ ہم آہنگ ہے، اس روشنی میں:

۱-۱۰ر ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔

۲-۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے۔

۳-۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد بلا کراہت جائز ہے۔

۴-۱۳ر کی صبح صادق سے قبل منیٰ سے نکل جائے تو حرج نہیں لیکن صبح صادق کے بعد رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے اس لیے اس پر رمی لازم ہوجائے گی، اگر رمی نہ کرے گا تو دم لازم ہوگا۔

بہتر یہ ہے کہ جس نے ۱۳ر کو نہ کیا ہو وہ ۱۲ر کے غروب آفتاب سے قبل منیٰ چھوڑ دے، غروب کے بعد نکلنا مکروہ ہے، مگر تاوان واجب نہیں ہوگا، اور اگر تاخیر ہجوم کی وجہ سے ہوئی ہو تو کراہت نہیں ہوگی، البتہ رمی زوال سے قبل بھی کرسکتا ہے، شامی نے اسے مکروہ لکھا ہے (ردالمحتار ۴۸۱/۳)۔

مگر بعض متاخرین حنفیہ نے آج کے حالات میں اسی کو قابل ترجیح کہا ہے۔

۵-بہت زیادہ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین کے لیے احتیاط یہ ہے کہ ۱۰ر ذی الحجہ کو صبح صادق میں اندھیرے میں ہی رمی کریں اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اس لیے کہ وقت میں بہت گنجائش ہے، البتہ اگر معذورین کو اندیشہ ہو کہ وہ صبح کے بعد ہجوم کی وجہ سے رمی نہ کرسکیں گے، تو مناسب یہ ہے کہ وہ رمی کے لیے اپنا نائب مقرر کریں اور خود رمی کے لیے نہ جائیں اور نہ نصف

شب کے بعد رمی کریں، کیونکہ نیابت کی شریعت نے اجازت دی ہے اس لیے رمی کو قبل از وقت کے خطرہ میں ڈالنا بہتر نہیں۔

منیٰ میں حجاج کے قیام کی شرعی حیثیت:

(۱، ۲، ۳) رمی کے درمیان حاجیوں کو منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے واجب نہیں، اس لیے منیٰ کے حدود میں قیام کرنا اگر کسی عذر کی وجہ سے ممکن نہ ہو تو دوسری جگہ قیام کرنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ بلاعذر منیٰ کے حدود سے باہر قیام کرنا مکروہ ہے (ردالمحتار ۳/ ۴۷۰)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کا قیام

مولانا بدر احمد مجیبی ☆

اسلام میں حج ایک اہم فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کا قصد کرنا اور مکہ مکرمہ جا کر حج ادا کرنا ضروری ہے۔ حج کے اعمال میں وقوف عرفات، طواف زیارت، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، مزدلفہ میں رات گذارنا، منیٰ میں قیام کرنا وغیرہ ہیں۔ اسی طرح ایک اہم کام منیٰ میں شیطان کو کنکری مارنا بھی ہے۔ جس کو عربی میں رمی جمار کہتے ہیں۔

حج کے موقع پر رمی جمار چار روز مشروع ہے۔ جمرات تین ہیں۔ جمرہ اولیٰ، جمرہ وسطیٰ اور جمرہ عقبہ۔ ۱۰ ر ذی الحجہ تا ۱۳ ر ذی الحجہ تک۔ پہلے روز (دس ذی الحجہ کو) صرف جمرہ عقبہ پر رمی ہوتی ہے۔ اس کے بعد گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو تینوں جمرات پر رمی ہوتی ہے۔ اگر بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ مکرمہ واپسی ہو جائے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں رہتی۔

رمی جمرات کے اوقات:

۱- پہلے روز یعنی دس ذی الحجہ کو ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جمرہ عقبہ پر رمی کا اول وقت صبح صادق کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ صبح صادق سے قبل رمی جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے صبح صادق سے قبل رمی کی تو اس کو اعادہ کرنا ہوگا۔

☆ استاذ، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ۔

احناف کے نزدیک اس روز طلوع شمس کے بعد سے زوال شمس تک رمی کا وقت مسنون ہے۔ زوال شمس کے بعد سے غروب شمس تک رمی بلا کراہت جائز ہے۔ غروب شمس کے بعد سے آخر رات تک کراہت کے ساتھ رمی جائز ہے۔ البتہ معذور لوگوں کے لیے رات میں بھی بلا کراہت رمی جائز ہے (دیکھئے بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۶)۔

اس سلسلے میں دلائل حضرت رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کے موقع کے اعمال ہیں۔ احادیث کی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے کہ ۱۰/ ذی الحجہ کو حضور ﷺ نے مزدلفہ سے واپس تشریف لانے کے بعد چاشت کے وقت رمی فرمائی تھی۔

''عن جابرؓ قال: رمى رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى و أما بعد فإذا زالت الشمس'' (صحیح مسلم ۱/ ۴۲۰، ابوداؤد ۱/ ۲۷۲، نسائی ۲/ ۴۹، صحیح ابن حبان ۱۰۵۹)۔

لیکن بعض لوگوں کو (جن میں خواتین اور بچے تھے) آپ نے مزدلفہ سے صبح سویرے روانہ کر دیا تھا اور ان کو حکم دیا تھا کہ صبح ہونے کے بعد رمی کریں۔

''عن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ كان يأمر نساءه وثقله صبيحة جمع أن يفيضوا مع أول الفجر بسواد ولا يرموا الجمرة الامصبحين'' (شرح معانی الآثار للطحاوي ۱/ ۴۳۶)۔

''عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ بعثه في الثقل وقال: لا ترموا الجمار حتى تصبحوا'' (شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/ ۴۳۶)، بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو حکم دیا تھا کہ سورج نکلنے کے بعد رمی کریں۔

''عن ابن عباس قال: قدّمنا رسول الله ﷺ ليلة المزدلفة أغيلمة بني عبد المطلب على جمرات فجعل يلطخ أفخاذنا ويقول: أُبينيّ! لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس'' (ابوداؤد ۲۶۸، نسائی ۲/ ۴۹)۔

ان احادیث کے پیش نظر احناف کہتے ہیں کہ ۱۰/ ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے

شروع ہوجاتا ہے۔طلوع آفتاب کے بعد رمی کا مسنون وقت ہے (دیکھئے: بدائع ۲/ ۳۲۳، عنایہ ۲/ ۳۹۴، کفایہ ۲/ ۳۹۵)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک یوم النحر (۱۰/ ذی الحجہ) کو رمی جمار کا وقت نصف رات سے ہی شروع ہوجاتا ہے۔امام نووی شافعی فرماتے ہیں:

''وهذا المذكور في جمرة العقبة يوم النحر سنة باتفاقهم، عندنا يجوز تقديم من نصف ليلة النحر'' (شرح مسلم للنووی ۱/ ۴۲۰)۔

شوافع کے نزدیک نصف لیل سے ہی یوم النحر کی رمی کا وقت شروع ہوجانے کی دلیل ام المؤمنین حضرت ام سلمہ اور حضرت اسماءؓ سے مروی یہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رات میں رمی کی تھی۔

''عن عائشه أنها قالت: أرسل النبي ﷺ بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت'' (أبوداؤد: کتاب المناسک، باب التعجیل من جمع)۔

''عن ابن جريج قال: حدثني عبدالله مولى أسماء عن أسماء أنها نزلت جمع عند المزدلفة، فقامت تصلى فصلت ساعة، ثم قالت: يابني ! هل غاب القمر؟ قلت: لا، فصلت ساعة ثم قالت: يابني! هل غاب القمر؟ قلت: نعم، قالت : فارتحلوا، فارتحلنا ومضينا حتى رمت الجمرة، ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها، فقلت لها: يا هنتاه ! ما أرانا إلا قد غلسنا، قالت: يابني أن رسول الله ﷺ أذن للظعن'' (بخاری حدیث: ۱۵۶۷، باب من قدم ضعفہ أہلہ بلیل. مسلم حدیث: ۲۲۷۴، باب استحباب تقدیم الضعفۃ من النساء وغیرہن شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/ ۴۳۶، باب وقت رمی جمرۃ العقبۃ للضعفاء)۔

۲-گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو رمی جمار کا وقت جمہور فقہاء کے نزدیک زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور رات تک جاری رہتا ہے، زوال کے بعد سے غروب شمس سے قبل تک

مسنون وقت ہے۔غروب آفتاب کے بعد سے آخر رات تک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔البتہ معذورلوگوں اورعورتوں کے لیے اس وقت بھی بلا کراہت رمی جائز ہے(دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۲۵۸/۱)۔

زوال شمس سے رمی کا وقت شروع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ذی الحجہ کو زوال شمس کے بعد تینوں جمرات پر رمی فرمائی تھی۔صحابہ کرام بھی زوال شمس کے بعد ہی رمی کرتے تھے اور لوگوں کو اسی کا حکم دیتے تھے۔

''عن جابر قال: رمی رسول اللہ ﷺ الجمرة یوم النحر ضحی، ورمی بعد یوم النحر إذا زالت الشمس'' (ابوداؤد/۲۷۱)۔

''عن وبرة قال: سألت ابن عمر متی أرمی الجمار؟ قال: إذا رمی إمامک فارم، فأعدت علیه المسألة فقال: کنا نتحین زوال الشمس فإذا زالت الشمس رمینا'' (ابوداؤد/۲۷۱)۔

''مالک عن نافع أن عبداللہ بن عمرؓ کان یقول: لاترمی الجمار في الأیام الثلاثة حتی تزول الشمس'' (موطا امام مالک/۱۵۸)۔

امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول یہ بھی کتابوں میں مروی ہے کہ دس ذی الحجہ کی طرح گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو بھی رمی جمار کا وقت صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے۔البتہ رمی کا افضل وقت زوال کے بعد سے غروب سے قبل تک ہے(دیکھئے: البدائع ۲/ ۳۲۴،۳۲۳ تا رخانیہ ۲/ ۶۱/ ۴، فتح القدیر ۲/ ۳۹۳، شرح اللباب/۱۶۱)۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک تیسرا قول مروی ہے کہ گیارہ ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال شمس سے شروع ہوتا ہے۔بارہ ذی الحجہ کو جن لوگوں کو منیٰ سے واپس مکہ جانا ہے، رات میں منیٰ میں قیام نہیں کرنا ہے صرف ان کے لیے یہ اجازت ہے کہ وہ بارہ ذی الحجہ کو زوال سے قبل ہی رمی کرکے مکہ جاسکتے ہیں۔

''وفي التجريد عن أبي حنيفة: لو أراد أن ينفر في اليوم الثالث فله أن يرمى قبل الزوال. وفي السغناقي: وإن رمى بعد الزوال فهو أفضل وإنما لايجوز الرمي قبل الزوال لمن لا يريد السفر به'' (تاتارخانیہ ۲/ ۴۶۱، نیز شرح اللباب/۱۶۱)۔

جمہور فقہاء کے نزدیک اور فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مشہور اور معتمد قول یہی ہے کہ زوال سے قبل ۱۱/ ذی الحجہ کو رمی کا وقت نہیں ہے، زوال کے بعد رمی کا وقت شروع ہوتا ہے۔

۳- ۱۳/ ذی الحجہ کو ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک، نیز احناف میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک زوال شمس کے بعد رمی کا وقت شروع ہوتا ہے۔ زوال شمس سے قبل رمی جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۱۳/ ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے اور غروب شمس سے قبل تک رہتا ہے۔ زوال سے قبل بھی رمی جائز ہے، البتہ رمی کا مسنون وقت زوال آفتاب کے بعد ہے (شرح مسلم للنووی ۱/ ۴۲۰، درمختار ۱/......، بدائع ۲/ ۳۲۵)۔

۴- اگر ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی نہ کرنے اور ۱۲/ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ واپسی کا ارادہ ہوتو اس کا بہتر اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ ۱۲/ ذی الحجہ کو رمی کر کے غروب آفتاب سے قبل حدود منیٰ سے نکل جائے اور مکہ چلا جائے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر منیٰ میں اس کی موجودگی میں ہی آفتاب غروب ہوجاتا ہے تو اب وہ منیٰ سے بغیر ۱۳/ کی رمی کئے نہیں جاسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت اس طرح مروی ہے۔ اگر غروب آفتاب کے بعد منیٰ سے جاتا ہے تو ایک دم لازم ہوجائے گا (شرح اللباب/ ۱۶۳)۔

لیکن احناف کے نزدیک ظاہر الروایۃ اور راجح قول یہ ہے کہ اگر غروب شمس کے بعد تک منیٰ میں رہ گیا تو پھر رات میں نکلنا مکروہ ہے۔ لیکن اس پر ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوئی ہے۔ اب کثرت ازدحام کی وجہ سے یہ کراہت باقی نہیں رہی۔ اس لیے رات میں کسی وقت

بھی اگلے روز کی صبح صادق سے قبل تک منیٰ سے مکہ مکرمہ جایا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی کراہت بھی نہیں ہے اور ۱۳؍ کی رمی بھی واجب نہیں ہوگی۔ البتہ منیٰ میں ۱۳؍ ذی الحجہ کی صبح صادق ہوجائے تو ۱۳؍ کی رمی واجب ہوجاتی ہے۔ ۱۳؍ کو صبح صادق کے بعد بغیر رمی کئے مکہ چلے جانے پر دم لازم ہوجائے گا (شرح اللباب ؍ ۱۶۳)۔

۵- ۱۰؍ ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت جمہور کے نزدیک صبح صادق کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل رمی کرنے سے اعادہ لازم ہوجاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس تاریخ کی نصف رات سے ہی رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ ان کی دلیل حضرت ام سلمہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی روایتیں ہیں جو اوپر گزر چکی ہیں۔

لیکن جمہور نے ان روایات کو اس طور پر قبول نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس میں تاویل کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس سلسلے میں صریح ہے کہ انہیں عورتوں اور بچوں کے ساتھ رات میں ہی مزدلفہ سے منیٰ بھیج دیا گیا تھا اور صبح ہونے سے قبل رمی کرنے سے منع فرما دیا گیا تھا۔ حدیث اوپر پیش کی جاچکی ہے۔ اس لیے جمہور فقہاء معذور افراد اور خواتین کے لیے بھی صبح صادق سے قبل رمی کے جواز کے قائل نہیں ہیں۔

۱۰؍ ذی الحجہ کو رمی کے لیے بہت کافی وقت ملتا ہے۔ ۱۰؍ کی صبح صادق سے لے کر گیارہ کی صبح صادق سے قبل تک ۲۴؍ گھنٹے کا وقت ملتا ہے۔ جس میں اطمینان کے ساتھ سب لوگ رمی کر سکتے ہیں۔ اس لیے کوئی ایسی شرعی ضرورت نہیں پائی جا رہی ہے جس کی وجہ سے آدھی رات سے ہی رمی کرنے کی اجازت دیدی جائے۔

حج کی راتوں میں حدودِ منیٰ کے باہر قیام:

حجاج کرام جن اوقات میں منیٰ میں قیام کرتے ہیں، وہ ۸؍ ذی الحجہ تا ۱۲؍ ذی الحجہ کی تاریخیں ہیں۔ ان میں سے ۹؍ ذی الحجہ کو حجاج عرفات چلے جاتے ہیں۔ رات میں مزدلفہ میں قیام ہوتا ہے۔ ۱۰؍ ذی الحجہ کو صبح میں منیٰ واپسی ہوتی ہے۔ ۱۰؍ سے ۱۲؍ یا ۱۳؍ ذی الحجہ تک منیٰ

میں قیام ہوتا ہے۔ اس زمانہ قیام میں تین راتیں ایسی ہیں جن میں حجاج منیٰ میں قیام کرتے ہیں۔ شب نو، شب گیارہ اور شب بارہ ذی الحجہ، اور جو حجاج تیرہ ذی الحجہ کی رمی کرنے کے لیے منیٰ میں ٹھہرتے ہیں وہ شب تیرہ ذی الحجہ کو بھی قیام کرتے ہیں۔ ان راتوں کو ''لیالی منیٰ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس زمانے میں حجاج کی کثرت کی وجہ سے منیٰ میں جگہ باقی نہیں رہتی۔ اس وجہ سے حجاج کی ایک تعداد کے خیمے مزدلفہ میں لگتے ہیں۔ بعض لوگ منیٰ متصل مکہ مکرمہ کی آخری آبادی ''حی العزیزیہ'' میں قیام کر لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کے جواب کی ضرورت ہے۔ ذیل میں ان سوالات کے جواب درج کئے جاتے ہیں:

۱- ان دنوں میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت ہے:

ان اوقات میں حجاج کرام طواف زیارت کے لیے اور دوسرے کاموں کے لیے مکہ مکرمہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس لیے دن میں کہیں بھی آجا سکتے ہیں۔ البتہ ان ایام کی راتیں منیٰ میں گزارنے کا حکم ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ان راتوں میں منیٰ میں ہی قیام فرمایا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ منیٰ سے باہر رات گزارنے سے لوگوں کو منع فرمایا کرتے تھے۔ جمرہ عقبہ (جو مکہ کی جانب منیٰ کی آخری حد ہے) کے باہر قیام کرنے والوں کو منیٰ کے اندر قیام کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی منیٰ میں ہی شب گزارنے کا حکم دیتے تھے۔

''مالک عن نافع عن عبداللّٰه بن عمر أن عمر بن الخطاب قال لا يبيتن أحد من الحاج ليالي منىٰ من وراء العقبة'' (مؤطا امام مالک ۱۵۸)۔

''عبدالرحمن بن فروخ يسأل ابن عمر قال: إنا كنا نتبايع بأموال الناس فيأتي أحدنا بمكة فيبيت على المال، فقال: أما رسول اللّٰه ﷺ فبات بمنىٰ وظل'' (أبوداؤد، مناسک، باب بیت بمکۃ لیالی منیٰ)۔

ان راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے

نزدیک واجب ہے۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اگر ان راتوں میں منیٰ میں قیام نہیں کیا جائے تو دم لازم ہوجائے گا۔شوافع کے نزدیک بھی غیر معذور کے لیے قیام منیٰ کا ترک جائز نہیں ہے۔ایک یا دو راتوں میں قیام ترک کرنے پر صدقہ لازم ہوگا۔

احناف کے نزدیک ان راتوں میں یا ان کے اکثر حصے میں منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے۔عذر کے بغیر منیٰ سے باہر کسی دوسری جگہ (خواہ وہ منیٰ سے قریب ہی کیوں نہ ہو) رات گزارنا مکروہ ہے۔ البتہ اس قیام کے ترک پر کوئی جزا لازم نہیں ہوتی (دیکھئے ہدایہ ۱/ ۱۵۳، فتح القدیر ۲/ ۳۹۵، شرح لباب المناسک ر ۱۵۷)۔

اگر کوئی عذر کی بنا پر منیٰ میں رات کو قیام نہ کرے تو اس میں کراہت نہیں ہے۔اسی طرح حجاج کی کثرت کی وجہ سے منیٰ میں جگہ باقی نہ ہو تو ایسے حجاج جن کو منیٰ میں جگہ نہ مل سکی ہو وہ منیٰ کا قیام ترک کرسکتے ہیں۔ یہ ان کے لیے عذر ہے، وہ منیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جیسے مکہ مکرمہ وغیرہ قیام کرسکتے ہیں اور حدود منیٰ سے باہر رات گزارنا ان کے لیے مکروہ نہیں ہے۔

۲- حدود مکہ میں رہتے ہوئے رمی وغیرہ کے لئے جانا:

اگر بغیر کسی عذر کے کوئی حاجی منیٰ میں ان راتوں میں قیام نہ کرے اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے، وہیں سے رمی کے وقت رمی کے لیے منیٰ آجایا کرے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر دم لازم ہوجائے گا۔ احناف کے نزدیک اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نہ اس پر کوئی دم لازم ہوگا۔ البتہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے تو اس میں کوئی کراہت بھی نہیں ہوگی کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو عذر کی وجہ سے مکہ میں قیام کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے چرواہوں کو ان کی حاجت کی وجہ سے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی اجازت دیدی تھی۔

”عن ابن عمر قال استأذن العباس رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منى من أجل سقايته فأذن له“ (أبوداؤد: مناسک، باب بیت بمکۃ لیالی منی)۔

''عن أبي البداح بن عاصم بن عدي عن أبيه أن رسول الله ﷺ رخص للرعاة في البيتوتة الخ'' (نسائی: مناسک الحج، باب رمی الرعاۃ ابوداؤد مناسک، باب رمی الجمار)۔

۳- خارج منیٰ قیام کے حدود:

اگر بعض حجاج کو یہ مجبوری پیش آجائے کہ ان کو منیٰ میں قیام کی جگہ نہیں مل سکی تو وہ منیٰ کے قیام کو ترک کر سکتے ہیں اور حرم کے حدود کے اندر کہیں بھی قیام کر سکتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں، منیٰ سے باہر مزدلفہ میں، منیٰ سے متصل جمرہ عقبہ سے خارج، یا محلہ عزیزیہ میں کہیں بھی قیام پذیر ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں رات میں منیٰ کا قیام ترک کرنے پر کسی قسم کی کراہت نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی جزا لازم ہوگی۔

لیکن جن حجاج کے لیے منیٰ میں قیام گاہ موجود ہے اور وہ بلا کسی عذر کے رات میں منیٰ کے قیام کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ اپنی رہائش میں آجائیں یا منیٰ کے حدود سے باہر کسی جگہ رات میں قیام کریں تو اس میں ترک سنت کی وجہ سے کراہت ہوگی۔

''فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلوبات بغير ها كره ولا يلزمه'' (ردالمحتار ۳/۵۴۰)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام

ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحی ☆

رمی جمار کے اوقات:

۱- دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جا سکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے: ''فأما يوم النحر فأول وقت الرمي فيه من وقت طلوع الفجر'' (ہدایہ ۱/ ۲۳۲، رشیدیہ دہلی)۔

(رہا قربانی کا دن (یعنی کہ دسویں ذی الحجہ) تو اس میں رمی کا وقت طلوع فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے)۔

ایک قول کے مطابق یہی مسلک امام شافعیؒ کا ہے

''فإن رماها قبل الفجر أعادها ...... وقال الشافعي لابأس به وإن كان المستحب هو بعد طلوع الشمس'' (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۵۰)۔

(تو اگر کوئی شخص فجر سے پہلے رمی کر لے تو وہ اس کو دہرائے گا.....لیکن امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر چہ مستحب یہ ہے کہ یہ طلوع شمس کے بعد ہو۔ یعنی کہ رمی سورج نکلنے کے بعد کی جائے)۔

مغنی ابن قدامہ میں اس کی مزید تفصیل ہے جس کے مطابق حضرات حنفیہ کے علاوہ

☆ ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ۔

امام احمد اور دیگر ائمہ کی رائے بھی اس کے حق میں ہے۔صاحب مغنی علامہ حافظ ابن قدامہ اور مقدسی نے اس سلسلے میں دس ذی الحجہ کی رمی جمار کے دو اوقات بتائے ہیں۔ افضل وقت اور وقت جواز۔ جہاں تک افضل وقت کا سوال ہے تو اس جمرہ کی رمی کے دو وقت ہیں: ایک وقت فضیلت اور استحباب کا ہے، اور دوسرا جواز اور گنجائش کا، تو جہاں تک فضیلت اور استحباب کے وقت کا سوال ہے تو یہ سورج نکلنے کے بعد کا وقت ہے (المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۲۸)۔

اس کے بعد جواز کے وقت کا بیان ہے، اس کے سلسلے میں ایک دوسری رائے کے بیان کے بعد آگے فرماتے ہیں:

"**وعن أحمد أنه يجزئ بعد الفجر قبل طلوع الشمس، وهو قول مالك و أصحاب الرأي وإسحاق وابن المنذر**" (المغنی ۳/ ۴۲۹)۔

(امام احمد سے روایت ہے کہ فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے رمی کیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ اور یہی قول امام مالک اور حضرات حنفیہ کا ہے۔ اور امام اسحاق اور ابن منذر بھی اسی کے قائل ہیں)۔

اس کے حق میں دلیل حضرت عائشہ کی یہ روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہؓ کو اس کی اجازت دی تھی کہ وہ قربانی کی رات یعنی کہ دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی فجر سے پہلے کر سکیں (حوالہ سابق)۔

علامہ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) اس سلسلے کی تمام روایات کے استقصاء کے بعد اس کے متعلق جو رائے قائم کرتے ہیں وہ بھی اسی کے حق میں ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"**وهذا الذی دلت عليه السنة جواز الرمي قبل طلوع الشمس للعذر بمرض أو كبر يشق عليه مزاحمة الناس لأجله وأما القادر الصحيح فلا يجوز له ذلك**" (زاد المعاد ۲/ ۲۵۴)۔

(اور یہ جو سنت سے ثابت ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے رمی جائز ہے تو یہ عذر کی وجہ سے

ہے، جیسے کہ کوئی بیماری ہو یا بڑھاپا ہو جس کی وجہ سے آدمی لوگوں سے دھکم پیل نہ کر سکے۔ لیکن جہاں تک تندرست وتوانا کا سوال ہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے)۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔ اگر چہ اس پر علماء کا اجماع نقل کیا گیا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کے بعد تشریق کے باقی تینوں دن ۱۱/ ۱۲/ اور ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کے سلسلے میں سنت یہ ہے کہ یہ زوال کے بعد ہو۔ اس کے برخلاف زوال سے قبل رمی کرنے کی صورت میں جمہور علماء کے نزدیک زوال کے بعد اس کا اعادہ کرنا واجب ہوگا (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۵۳)۔

لیکن اسی سے متصل امام ابوجعفر محمد بن علی کی رائے نقل کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک وسعت ہے اور ان ایام میں رمی جمار طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کی جاسکتی ہے:

وروی عن أبی جعفر محمد بن علی أنه قال رمی الجمار من طلوع الشمس إلی غروبها (حوالہ سابق)۔

حضرات حنفیہ کے علاوہ اس کے حق میں ایک رائے امام اسحاق کی بھی ہے کہ تشریق کے دنوں میں آدمی جس دن رمی کے بعد وہاں سے نکلنا چاہے وہ زوال سے قبل رمی کرسکتا ہے، البتہ وہ نکلے گا زوال کے بعد ہی، اس کے حق میں ایک رائے امام احمد کی بھی ہے، اور عکرمہ بھی اسی رخصت کے قائل ہیں، لیکن امام طاؤس اس سے آگے زوال سے قبل رمی کی رخصت کے علاوہ اس سے قبل وہاں سے کوچ کے بھی جواز کے قائل ہیں (المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۵۲)۔

اوپر اس سلسلے میں صاحب بدایۃ المجتہد نے جس اجماع کا ذکر کیا ہے اس کی تفصیل صاحب مغنی کے یہاں اس طرح ہے:

تشریق کے دنوں (یعنی ۱۱/ ۱۲/ اور ۱۳/ ذی الحجہ) میں رمی زوال کے بعد ہی کی جاسکتی ہے۔ تو اگر کوئی شخص زوال سے قبل رمی کرتا ہے تو وہ اس کا اعادہ کرے گا۔ فقہ حنبلی کا یہ منصوص مسئلہ ہے، اسی کی روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہے، اور اس کے قائل امام مالک،

ثوری، شافعی، اسحاق اور حضرات حنفیہ ہیں۔ اور اسی کی روایت حسن بصری اور عطاء سے ہے (حوالہ سابق)۔

اس موقع پر حضرات حنفیہ (اصحاب الرائے) کے جس مسلک کا حوالہ ہے وہ ائمہ احناف میں صاحبین یعنی کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے کے مطابق ہے، جیسا کہ ہدایہ میں اس کا تذکرہ ہے:

"وإذا كان من الغد رمى الجمار الثلاث بعد الزوال" (ہدایہ ۱/۲۴۲)

(۱۰/ذی الحجہ کے بعد جب دوسرا دن ہو تو تینوں رمی کو زوال کے بعد کرے)۔

اس سے اوپر حضرات حنفیہ کی جس رخصت کا بیان ہے وہ چوتھے دن کے سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے ہے، اور یہ بر بنائے استحسان ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں آگے ہے:

"وإن قدم الرمي في هذا اليوم يعني اليوم الرابع قبل الزوال بعد طلوع الفجر جاز عند أبي حنيفة هذا استحسان" (حوالہ سابق)۔

(اس دن یعنی کہ چوتھے دن (۱۳/ذی الحجہ تشریق کا چوتھا دن) میں اگر وہ رمی کو پہلے کر لے یعنی کہ زوال سے پہلے فجر کے بعد تو رمی کرنا جائز ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور یہ بر بنائے استحسان ہے)۔

چوتھے دن کے سلسلے میں امام اعظم ابوحنیفہ کی یہ جو رائے ہے اس کی عقلی دلیل کے علاوہ جس کی تفصیل اس موقع پر ہے، اس کے حق میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ہے (حوالہ سابق)۔

اوپر امام اسحاق سے اس سلسلے میں جو دونوں رائے ہے تو اس کی توجیہ ظاہر ہے کہ فضیلت کا وقت ان کے نزدیک زوال کے بعد کا ہے لیکن جواز اور رخصت زوال سے قبل بھی ہے جس میں زیر نظر سوال صبح صادق بھی شامل ہے۔ آج کے دور ازدحام میں اس رخصت سے کسی کراہت کے بغیر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

۳- امام ابوجعفر محمد بن علی کی اوپر ذکر کردہ رائے کے مطابق جس میں تشریق کے دنوں میں رمی جمار کا وقت طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کہا گیا ہے: "رمی الجمار من طلوع الشمس إلی غروبها" (بدایۃ المجتہد ۱/۳۵۳)۔ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد بلا کراہت جائز ہوگی، اس لیے کہ ان کے یہاں اس رخصت کا بیان مطلق کسی کراہت کے تذکرے کے بغیر ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ نے امت کے چرواہوں (رعاۃ الابل) کو دس ذی الحجہ کی جمرۂ عقبہ کی رمی کے سلسلے میں ان کی ضرورت کی رعایت سے جو دس ذی الحجہ کی رات (یعنی کہ ۹/ذی الحجہ کا دن ختم ہونے کے بعد شروع ہونے والی دسویں ذی الحجہ کی رات) میں رمی کی رخصت دی تھی (بدایۃ المجتہد ۱/۳۵۱)، جس کی بنیاد پر امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی اس رائے کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص دس ذی الحجہ کی پہلی رمی 'رمی جمرہ عقبہ' کو اس دن کی رات (یعنی کہ دسویں تاریخ کے ختم ہونے کے بعد گیارہویں کی رات) یا اگلے دن کے لئے مؤخر کردے تو اس پر کوئی دم وغیرہ نہیں ہوگا، اسی رائے کے قائل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ہیں۔ "قال ابوحنيفه: أن رمى من الليل فلاشي عليه" (حوالہ سابق)۔

امت کے چرواہوں کو دسویں تاریخ کی پہلی رمی کے سلسلے میں حاصل ہونے والی اس رخصت کے حوالہ سے امام ابن قیمؒ بعد کی ایام تشریق کی دوسری رمیوں ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ) کے سلسلے میں بھی دوسرے لوگوں کے لئے بھی اس کو اسی طرح ممتد مانتے ہیں، جس میں وہ اس دوسری رخصت کا اضافہ بھی کرتے ہیں کہ دو دن کی رمی ایک ساتھ بھی کی جاسکتی ہے۔

"وأما الرمي فإنهم لايتركونه بل لهم أن يوخروه إلى الليل فيرمون فيه، ولهم أن يجمعوا رمي يومين في يوم" (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۲/۲۹۰، بیروت)۔

۴- اس تفصیل سے واضح ہے کہ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر اجائے تو اگلے دن یعنی ۱۳/ذی الحجہ کی رمی بھی اگر اسی دن مکمل کرلی جائے تو ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔ دو دن کی رمیوں کو ایک دن میں مکمل کرلینے کے جواز کی رائے کا ذکر

اوپر زاد المعاد کے حوالہ میں ہے، بدایۃ المجتہد میں اس کی مزید تفصیل ہے۔ اس کے مطابق اونٹ کے چرواہوں (رعاۃ الابل) کو دسویں ذی الحجہ کی رمی کے سلسلے میں جو رخصت دی گئی تھی، یہ رخصت اسی طرح تشریق کے دن یعنی کہ ۱۲/ذی الحجہ کی لئے اس معنی میں موثر تھی کہ وہ چاہیں تو اسی دن یعنی کہ ۱۲/ذی الحجہ کو اس سے اگلے دن ۱۳/ذی الحجہ کی بھی رمی کر کے اسی دن وہاں سے کوچ کر جائیں اور اس طرح حج سے فارغ ہو جائیں (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۵۰، نیز زاد المعاد ۲/ ۲۸۹)۔

اس سے متصل اس کی مزید وضاحت ہے کہ اس رخصت میں جمع تاخیر کے ساتھ جمع تقدیم بھی شامل ہے۔ یعنی کہ جس طرح ۱۲/ذی الحجہ کو ایک ساتھ ۱۱/ اور ۱۲/ کی رمی کی جاسکتی ہے، اسی طرح ۱۲/ کو اس کے ساتھ ہی ۱۳/ کی رمی بھی مکمل کی جاسکتی ہے اور جمع تاخیر کی صورت میں اس پر قضاء کا اطلاق ہوگا (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۵۲-۲۵۳)۔

۱۰/ذی الحجہ کی جمرہ عقبہ کی پہلی رمی کے بعد ایام تشریق کی باقی تینوں رمیوں ۱۱/، ۱۲/، ۱۳/ذی الحجہ کے سلسلے میں افضل تو یہی ہے کہ تینوں دن منیٰ میں ٹھہر کر یہ رمی علیحدہ علیحدہ مکمل کی جائے، لیکن اس کی گنجائش ہے کہ ۱۲/ذی الحجہ ہی کو ۱۳/ذی الحجہ کی رمی بھی پوری کر لی جائے۔ اس کا تذکرہ دوسری جگہ بھی ہے:

''ثم يرمي في اليوم الثاني من أيام منىٰ مثل ما رمى في الأول، ثم إن شاء رمى في اليوم الثالث، وهو الأفضل، وإن شاء تعجل في الثاني بنفسه قبل غروب الشمس، كما قال تعالىٰ (فمن تعجل في يومين فلا أثم عليه) (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۶/ ۱۴۰-۱۴۱، طبع جدید سعودی عرب)۔

(منیٰ کے دنوں میں دوسرے دن (یعنی کہ ۱۲/ذی الحجہ کو) بھی وہ اسی طرح رمی کرے گا جس طرح کہ پہلے دن (یعنی کہ ۱۱/ذی الحجہ) رمی کیا۔ پھر اگر وہ چاہے تو تیسرے دن (یعنی کہ ۱۳/ذی الحجہ کو) بھی وہ رمی کر لے اور یہی افضل ہے، اور اگر چاہے تو دوسرے دن ۱۲/ذی الحجہ کو) سورج ڈوبنے سے پہلے وہاں سے جلد نکل جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تو

جو دو دن میں ہی وہاں سے جانکلنا چاہے تو اس کی وجہ سے اس کے اوپر کسی قسم کا گناہ نہیں ہے)۔

تفسیر میں بھی اس رخصت اور رعایت کا تذکرہ اسی طرح ہے، اوپر کی سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ ر ۲۰۳ کے تحت علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

''وقال ابن عباس والحسن وعكرمة ومجاهد وقتادة والنخعي من رمى في اليوم الثاني من الأيام المعدودات فلا حرج، ومن تأخر في الثالث فلا حرج فمعنى الآية كل ذلك مباح'' (تفسیر فتح القدیر للشوکانی ۱ر ۲۰۵، دار المعرفہ بیروت)۔

(اور عبداللہ بن عباسؓ، حسن، عکرمہ، مجاہد، قتادہ اور نخعی کا کہنا ہے کہ گنتی کے دنوں (تشریق کے دنوں) میں جو شخص دوسرے دن (۱۲ر ذی الحجہ کو) رمی کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور جو تاخیر کر کے تیسرے دن (۱۳ر ذی الحجہ کو) ایسا کرنا چاہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ آیت کریمہ کا مطلب ہے کہ یہ سب جائز ہے)۔

علامہ ابن تیمیہ کے اوپر کے حوالہ میں ۱۲ر ذی الحجہ کو رمی مکمل کرنے کی صورت میں واپسی کا وقت سورج ڈوبنے سے قبل ضرور لکھا گیا ہے اور اعلام امت کی اکثریت کی رائے بھی یہی ہے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ ۱۲ر ذی الحجہ کو اگر منیٰ میں اس کا قیام غروب آفتاب کے بعد تک رہ جائے تو پھر اسے وہاں ٹھہر کر تیسرے دن یعنی ۱۳ر ذی الحجہ کا رمی کرنا لازم ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۳ر ۴۴، ۲۰۵)۔

اس تفصیل کی روشنی میں جیسا کہ جواب کی ابتداء میں ذکر کیا گیا آدمی اگر تینوں رمی مکمل کر لے تو اگر وہ ۱۲ر ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد بھی منیٰ میں ٹھہرا رہ جائے تو اس کے اوپر ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان جیسے دوسرے لوگ دسویں ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اس تاریخ کو رمی کا افضل وقت سورج نکلنے کے بعد کا ہی ہے جیسا کہ جواب نمبر ا میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے، لیکن جواز کا وقت نصف شب

سے شروع ہوجاتا ہے جیسا کہ مغنی میں اس کی صراحت ہے:

''وأما وقت الجواز، فأوله نصف الليل من ليلة النحر'' (المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۲۸)۔

(جہاں تک جواز کے وقت کا سوال ہے تو یہ قربانی کی رات (یعنی کہ ۹/ ذی الحجہ کا دن گزر جانے کے بعد والی رات کو) نصف شب سے شروع ہوجاتا ہے)۔

ائمہ میں یہ قول عطاء، ابن ابی لیلیٰ، عکرمہ بن خالد اور حضرت امام شافعیؒ کا ہے (مغنی، حوالہ بالا)۔ اس کے حق میں حضرت اسماءؓ کی یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ انہوں نے ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی رات میں کی، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں وہ معمولاً ایسا کیا کرتی تھیں:

''وحديث أسماء أنها رمت الجمرة بليل وقالت: إنا كنا نصنعه على عهد رسول الله ﷺ'' (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۵۱)۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے عمل سے بھی اس کے حق میں ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی روایت کے الفاظ ہیں:

''قالت: قدمني رسول الله ﷺ فيمن قدم من أهله ليلة المزدلفة، قالت: فرميت بليل، ثم مضيت إلى مكة، فصليت الصبح ثم رجعت إلى منى'' (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۲/ ۲۵۰-۲۵۱)۔

(فرماتی ہیں کہ اپنے اہل خانہ میں سے اللہ کے رسول ﷺ نے جن لوگوں کو پہلے جانے کی اجازت دی تھی مزدلفہ کی رات میں (یعنی ۹/ ذی الحجہ کو) تو ان میں میں بھی شامل تھی۔ چنانچہ میں نے (۹/ کے بعد کی) رات میں رمی کرلی۔ پھر میں مکہ گئی اور وہاں میں نے فجر کی نماز پڑھی، پھر منیٰ لوٹ آئی)۔

اس روایت کی روشنی میں نصف شب سے پہلے بھی اگر معذورین ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی کرنا چاہیں تو اس کے لئے گنجائش نکلتی ہے۔ اوپر امت کے چرواہوں کی روایت میں بھی ان کو

رات میں رمی کی اجازت **مطلق** ہے۔علامہ ابن قیم کی رائے کے مطابق اس معاملے میں قادر، غیر قادر، اور معذور، غیر معذور کا بھی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کے مختلف اوقات کے بیان میں وہ اس کی صراحت کرتے ہیں، اور اس رائے کے قائلین میں حضرت امام شافعی اور امام احمد کو شامل کرتے ہیں:

''وفي المسئلة ثلاثة مذاهب أحدها الجواز بعد نصف الليل مطلقاً للقادر والعاجز كقول الشافعي وأحمد رحمهما الله'' (زاد المعاد ۲/ ۲۵۲)۔

(اس مسئلے میں تین رائیں ہیں ایک یہ کہ نصف شب کے بعد یہ قادر اور درماندہ ہر ایک کے لئے **مطلق** جائز ہے، جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد کا یہی کہنا ہے)۔

اہم بات وہ ہے جو وہ آگے کہتے ہیں:

''والذي دلت عليه السنة، إنما هو التعجيل بعد غيبوبة القمر، لا نصف الليل وليس مع من حده بالنصف دليل والله أعلم'' (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۲/ ۲۵۲)۔

(سنت سے جو چیز ثابت ہے وہ یہ کہ (نویں ذی الحجہ کا دن کے گذرنے کے بعد کی رات میں) جو شخص رمی سے جلد فارغ ہونا چاہے تو چاند کے ڈوبنے کے بعد سے ہی اس کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ اس کے لئے نصف شب کا انتظار ضروری نہیں ہے، اور جن لوگوں نے اس کے لئے اس کو ضروری قرار دیا ہے ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- دسویں ذی الحجہ کی رمی کے بعد تشریق کے باقی دنوں ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے منیٰ میں قیام فرمایا:

''ثم رجع إلى منىٰ فمكث بها ليالي أيام التشريق'' (المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۴۹)۔

(پھر آپ ﷺ منیٰ لوٹ آئے اور تشریق کے تمام دنوں کی راتوں (۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذی الحجہ) میں آپ ﷺ نے یہیں قیام فرمایا)۔

اس کی بنیاد پر جمہور علماء کے نزدیک ان رمیوں کے لئے منیٰ کا قیام واجب ہے۔ دوسری رائے کے مطابق یہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ حضرات حنفیہ کے علاوہ اس کے حق میں ایک قول امام شافعی کا اور ایک روایت امام احمد سے ہے (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ۲/ ۲۸۹)، مختصر خرقی کے متن کے ظاہر کا بھی یہی تقاضا ہے کہ یہ واجب ہے:

"وظاهر كلام الخرقي أن المبيت بمنىٰ ليالي منىٰ واجب" (المغنی ۳/ ۴۴۹)۔

(خرقی کے کلام کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ منیٰ کی راتوں میں منیٰ میں قیام واجب ہے)۔

اس کی ایک روایت امام احمد سے ہے اور یہی قول عروہ، ابراہیم، مجاہد اور عطاء کا ہے، حضرت عمر بن الخطابؓ سے بھی اسی کی روایت کی گئی ہے۔ اور یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے (مغنی حوالہ سابق)۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہ قیام واجب نہیں ہے، والثاني ليس بواجب (حوالہ مذکور) اس کے حق میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت بھی ہے:

"إذا رميت الجمرة فبت حيث شئت" (حوالہ سابق)۔

(یعنی ۱۰/ ذی الحجہ کو جب تم جمرہ عقبہ سے فارغ ہو جاؤ تو جہاں چاہے قیام کرو)۔

اس کی عقلی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ:

"ولأنه قد حل من حجه فلم يجب عليه المبيت بموضع معين، كليلة الحصبة" (حوالہ مذکور)۔

(نیز اس لیے کہ وہ حج سے حلال ہو گیا تو اب اس کے لئے کسی متعین جگہ پر رات گزارنا ضروری نہیں ہے جیسا کہ تشریق کے بعد کے دنوں کی راتوں میں وہ اس کے لئے آزاد ہوتا ہے)۔ آخر میں اس کا بیان ہے کہ اگر منیٰ میں کوئی قیام نہ کرے تو اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔

"فإن ترک المبیت بمنیٰ فعن أحمد لاشئ علیه وقد أساء وهوقول أصحاب الرأی" (المغنی ۳/۴۴۹-۴۵۰)۔

(تو اگر وہ منیٰ میں نہ ٹھہرے تو امام احمد سے روایت ہے کہ اس کے اوپر کچھ نہیں ہے لیکن اس نے اچھا نہیں کیا، اور یہی رائے حضرات حنفیہ کی ہے)۔

اس کے حق میں ایک دلیل تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو ان کے سقایہ پانی پلانے کے منصب کی وجہ سے اس کی رعایت دی تھی کہ وہ منیٰ کی راتوں میں مکہ میں قیام کرسکیں (مغنی ۳/۴۴۹، نیز زادالمعاد فی ہدی خیر العباد ۲/۲۸۹)، اسی طرح آپ ﷺ نے اونٹ کے چرواہوں (رعاء الابل) کو بھی اس کی اجازت دی تھی کہ وہ ان راتوں میں منیٰ کے باہر اپنے اونٹوں کے پاس قیام کرسکیں (زادالمعاد ۲/۲۸۹)، اس سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن قیم آگے فرماتے ہیں:

"فیجوز للطائفتین بالسنة ترک المبیت بمنیٰ" (زادالمعاد ۲/۲۹۰)۔

(سنت کے لحاظ سے دونوں رایوں کے قائلین کے لئے منیٰ میں رات نہ گزارنے کی گنجائش ہے)۔

اوپر کے دونوں واقعات کی بنیاد پر آگے اسی طرح کے دیگر اہل اعذار کے لئے بھی وہ اس رخصت کو اسی طرح دراز مانتے ہیں:

جب اللہ کے رسول ﷺ نے سقایہ کے منصب داروں (حضرت عباسؓ) اور (اونٹ کے) چرواہوں کے لئے منیٰ میں رات گزارنے کے معاملے میں رخصت مرحمت فرمائی تو اسی طرح جس شخص کے پاس کوئی مال ہو جس کے ضائع جانے کا اندیشہ ہو یا اس کا کوئی مریض ہو جس سے اس کے دور رہنے میں اس کے نقصان کا اندیشہ ہو، یا وہ خود مریض ہو اور منیٰ میں قیام اس کے لئے ممکن نہ ہو، تو نص کا تقاضا ہے کہ ایسے تمام لوگوں کے لئے منیٰ میں قیام ضروری باقی نہ رہے (حوالہ سابق)۔

ہدایہ میں اس پوری بحث کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمیٹ دیا گیا ہے:

''ویکره أن لایبیت بمنی لیالی الرمی لأن النبي ﷺ بات بها وعمرؓ کان یؤدب علیٰ ترک القیام بها'' (ہدایہ ۱/ ۲۳۳)۔

(اورمکروہ ہے کہ رمی کی راتوں میں آدمی منیٰ میں رات نہ گزارے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے یہ راتیں وہیں گزاری ہیں، اورحضرت عمرؓ لوگوں کو ایسا نہ کرنے پر تنبیہ کرتے تھے)۔

آگے اس پر کوئی کفارہ نہ ہونے کا بیان ہے:

''ولو بات في غیرها متعمدا لایلزمه شئ عندنا خلافاً للشافعي لأنه وجب لیسهل علیه الرمی في أیامه فلم یکن من أفعال الحج فترکه لایوجب الجابر''(حوالہ سابق)۔

(اگر کوئی شخص جان بوجھ کر منیٰ میں قیام نہ کرے تو ہمارے نزدیک اس کے اوپر کچھ لازم نہ ہوگا۔امام شافعی کی رائے اس سے مختلف ہے،اس لئے کہ اس کا وجوب اس وجہ سے ہے تاکہ آدمی کے لئے رمی میں آسانی ہو،تو یہ حج کے افعال میں سے نہیں ہے تو اس کے ترک سے اس کی تلافی واجب نہ ہوگی)۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کے بغیر بھی جان بوجھ کر ان ایام میں منیٰ میں قیام نہ کرے تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔لیکن نبی عربی ﷺ نے ان رمیوں کے لئے منیٰ میں قیام فرمایا ہے تو بہتر ہے کہ کوئی عذر نہ ہو تو ترک سنت سے احتراز کیا جائے، اور دورات کے قیام میں دشواری ہو تو کم ازکم ایک رات ضرور منیٰ میں قیام کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

۲- اوپر کی تفصیل سے صاف ہے کہ اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں مقیم رہے اور رمی جمرہ کے لئے وہیں سے جائے تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۳- اسی تفصیل سے یہ بھی صاف ہے کہ مکہ یا اس کے مضافات حدود حرم میں حاجی کہیں بھی قیام کرسکتا ہے۔اس کے لئے منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کیا جاسکتا ہے۔

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں شب گزاری کا مسئلہ

مولانا نورالحق رحمانی☆

دس ذی الحجہ کو یعنی پہلے دن کی رمی صبح سے لے کر شام تک ہوسکتی ہے، اور اکثر فقہاء کے نزدیک سورج غروب ہونے کے بعد گیارہ ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہونے تک کراہت کے ساتھ رمی جائز ہے، صرف امام مالک کے نزدیک غروب تک وقت رہتا ہے اس کے بعد نہیں، اس طرح جمہور فقہاء کے نزدیک دس ذی الحجہ کے طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک بھی رمی جمار جائز ہے، بلکہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مشہور قول کی رو سے نصف شب سے ہی رمی کی جاسکتی ہے، اس طرح دس ذی الحجہ کو رمی کی لیے تقریباً ۲۴ر گھنٹے کا وقت مل جاتا ہے، اور آخری دن یعنی تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہے، اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کو رمی کر کے مکہ چلا جائے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس سے ساقط ہوجائے گی، رمی جمار کے سلسلے میں سورہ بقرہ میں فرمایا گیا:

"**فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه**" (سورۂ بقرہ، ۲۰۳)۔

(تو جو شخص دو دنوں میں (یعنی گیارہ بارہ اور بارہ ذی الحجہ کے بعد) جلدی کرے (اور منیٰ سے چلا جائے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

اصل مسئلہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا ہے، جس میں جمہور ائمہ کے راجح قول کی رو سے رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب تک سب کے نزدیک وقت باقی رہتا ہے۔

☆ استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ پٹنہ۔

اور امام مالکؒ کے نزدیک غروب کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے، امام شافعیؒ کے مشہور اور اصح قول کی رو سے بھی غروب کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ اس قول کی بنیاد پر ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال کی بعد سے غروب تک ہے، اور زوال سے غروب تک جاڑے کے دنوں میں تقریباً پانچ گھنٹوں کا وقت ہوتا ہے، اس موقع پر قابل غور بات یہی ہے کہ کیا پانچ گھنٹوں میں تیس سے چالیس لاکھ تک حجاج کرام کی رمی ہوسکتی ہے، بعض اہل علم نے تحقیق اور اعداد وشمار کے ذریعہ یہ رپورٹ پیش کی ہے کہ اتنی بڑی تعداد کا اتنے محدود وقت میں رمی کرنا ممکن ہی نہیں، ایک گھنٹے میں زیادہ سے زیادہ دو سے تین لاکھ افراد رمی کر سکتے ہیں، اس طرح پانچ گھنٹوں میں رمی کرنے والوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ لاکھ ہوسکتی ہے، اس طرح آدھے سے زیادہ لوگ رمی سے رہ جائیں گے، یا پھر ایک دوسرے سے مسابقت اور ازدحام کے نتیجے میں حادثات پیش آئیں گے، اور پچھلے برسوں کی طرح معصوم جانیں ضائع ہوں گی۔ اس صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ امت کے علماء سلف اور ائمہ وفقہاء کے اقوال کی روشنی میں امت کو اس مشکل اور تنگی سے نکالا جائے اور حادثات پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ تتبع رخص کی نیت سے ضعیف اور مرجوح اقوال کو اختیار کرنا غلط ہے لیکن امت کو واقعی پریشانی اور تنگی سے نکالنے کے لیے مرجوح اور ضعیف قول کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور اس پر فتوی دیا جاسکتا ہے اور ایک مسلک سے دوسرے مسلک کی طرف عدول کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے سامنے ایسی مثال موجود ہے کہ خود علماء حنفیہ نے بوقت ضرورت فقہ حنفی سے عدول کرکے بعض دوسرے ائمہ کے مسلک کو اختیار کیا ہے۔

بہر حال جمہور فقہاء کے قول کی رو سے گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نہیں ہے، ان کے نزدیک ان دنوں میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، اور اس سلسلے میں ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زوال کے بعد ہی رمی کی ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کی رو سے جو ظاہر الروایت نہیں ہے، اسی طرح بعض حنابلہ کے قول کی رو سے ان دونوں دنوں میں صبح سے رمی کرنے کی گنجائش ہے، اور موجودہ حالات میں

رفع حرج اور دفع ضرر کی خاطر، اور امت کو تنگی اور پریشانی سے بچانے اور لوگوں کی جان کو ہلاکت سے بچانے کے لیے اس قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، اور اس کے جواز کی دلیل یہ ذکر کی گئی ہے کہ ایام تشریق (۱۱ / ۱۲ / ۱۳ / ذی الحجہ) کو یوم النحر (۱۰ / ذی الحجہ) پر قیاس کیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ تمام ایام قربانی کے ہیں، اس لیے جس طرح پہلے دن زوال سے قبل جائز ہے اسی طرح اس کے بعد والے دنوں میں بھی زوال سے قبل رمی جائز ہوگی، اور رسول اللہ ﷺ کا عمل کہ آپ نے ان دنوں میں زوال کے بعد رمی کی ہے اسے افضلیت اور سنت پر محمول کیا جائے گا، جس طرح دسویں ذی الحجہ کو بھی آپ نے سورج طلوع ہونے کے بعد چاشت کے وقت رمی کی ہے حالانکہ دس ذی الحجہ کو صبح صادق سے رمی کرنا تمام ائمہ کے نزدیک جائز ہے، البتہ افضل اور سنت طلوع آفتاب کے بعد ہے، رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو دن کے بجائے رات میں رمی کرنے کی اجازت دی حالانکہ امام مالکؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے مشہور قول کی رو سے رمی کا وقت غروب تک ہی ہے اور غروب کے بعد وقت ختم ہوجاتا ہے، تو جب شریعت میں چرواہوں کی ضرورت ملحوظ رکھی گئی اور ان کی مصلحت کی رعایت کی گئی تو جہاں جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو جان کے تحفظ کی خاطر اس قول کو کیوں نہیں اختیار کیا جاسکتا ہے۔

شامی میں ہے:

"وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلايجوز قبله في الشمهور وقيل يجوز" (حاشیہ ردالمحتار مع الدر ۳/ ۵۴۲)۔

(قربانی کے دنوں میں سے دوسرے اور تیسرے دن (یعنی ۱۱ / اور ۱۲ / ذی الحجہ کو) تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، لہذا مشہور قول کی رو سے زوال سے قبل رمی جائز نہیں، اور ایک قول کی رو سے جائز ہے)۔

"بخلاف اليوم الأول والثاني حيث لا يجوز الرمي فيهما إلاّ بعد الزوال في المشهور من الرواية" (الہدایۃ کتاب الحج ۱/ ۲۵۲)۔

(بخلاف (ایام تشریق کے) پہلے اور دوسرے دن کے کہ ان دونوں دنوں میں مشہور قول کی رو سے زوال کے بعد ہی رمی کرنا جائز ہے)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"وروی عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث أي من أيام النحر بعد الزوال فإن رمى قبله جاز وهو قول بعض الحنابلة" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۱۵۸)۔

(امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ ایام نحر کے دوسرے اور تیسرے دن (یعنی ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو) زوال کے بعد رمی کرنا افضل ہے، لیکن اگر اس سے قبل رمی کرلی تو جائز ہے، بعض حنابلہ کا بھی یہی قول ہے)۔

اور اس جواز کی دلیل یہ ذکر کی گئی ہے:

"واستدل للرواية بجواز الرمي قبل الزوال بقياس أيام التشريق على يوم النحر، لأن الكل أيام النحر، ويكون فعله محمولاً على السنية" (حوالہ سابق)۔

(اور جس روایت کی رو سے زوال سے قبل رمی جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایام تشریق کو یوم نحر پر قیاس کیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ سب ایام قربانی کے ہیں، اور حضور علیہ السلام کا عمل سنیت پر محمول کیا جائے گا)۔

"ولا يرمي في أيام التشريق إلا بعد الزوال فإن رمى قبل الزوال أعاد" (المغنی ۳/ ۴۵۲)۔

(ایام تشریق میں زوال کے بعد ہی رمی کرے گا، اگر زوال سے قبل رمی کرلے تو دوبارہ رمی کرے گا)۔

اس تمہید کی روشنی میں سوالات کے جواب حسب ذیل ہیں:

۱- حنفیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کو رمی جمار کا افضل اور مسنون وقت طلوع آفتاب سے

لے کر زوال تک ہے۔ اور زوال سے لے کر غروب تک وقت جواز بلا کراہت ہے، اور غروب آفتاب سے لے کر ۱۱/ ذی الحجہ کی صبح صادق سے قبل تک کراہت کے ساتھ جائز ہے، اسی طرح ۱۰/ ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک کراہت کے ساتھ رمی جائز ہے، اور یہ کراہت اس صورت میں ہے جبکہ وقت مسنون یا وقت جواز بلا کراہت میں رمی کرنے کی صورت میں کوئی عذر نہ ہو لیکن عذر کی وجہ سے کراہت نہیں رہتی، مثلاً ضعیف و نا تواں اور عورتوں اور چرواہوں وغیرہ کے لیے ان اوقات میں بلا کراہت رمی جائز ہے۔ اسی طرح اگر ہجوم کی کثرت وغیرہ کی وجہ سے ان اوقات میں رمی کی جائے تو بھی کراہت باقی نہیں رہے گی (دیکھئے: ردالمحتار، کتاب الحج ۳/ ۵۳۴)۔

مالکیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کو رمی کا کل وقت طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہے، جس میں افضل وقت حنفیہ کی طرح طلوع آفتاب سے زوال تک ہے، اور زوال سے غروب تک وقت جواز ہے، اسی طرح یوم النحر کو طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک بھی وقت جواز ہے، اور غروب آفتاب کے بعد وقت ادا فوت ہو جاتا ہے (دیکھئے: عقد الجواہر الثمینۃ فی مذہب عالم المدینۃ، کتاب الحج ۱/ ۴۱۱)۔

شوافع کے نزدیک دسویں تاریخ کو رمی کا مسنون وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے، اور زوال سے لے کر غروب تک بھی وقت مختار ہے، اسی طرح یوم النحر کی رات میں نصف شب سے لے کر طلوع آفتاب تک بھی ان کے نزدیک اور ایک قول کی رو سے حنابلہ کے نزدیک وقت جواز ہے، اور کیا غروب کے بعد گیارہ ذی الحجہ کے طلوع فجر تک اس رمی کا وقت ممتد ہوتا ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں ان کے دو اقوال ہیں، اصح قول کی رو سے غروب کے بعد فجر تک اس کا وقت ممتد نہیں ہوتا ہے، اور دوسرے قول کی رو سے ایام تشریق (۱۳/ ذی الحجہ) کے اخیر تک وقت اداء اور وقت جواز ہے (دیکھئے: المجموع شرح المہذب ۸/ ۱۶۴)۔

''وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن أول وقت جواز الرمي يوم النحر

إذا انتصفت ليلة يوم النحر لمن وقف بعرفة قبله .... وهذا الوقت ثلاثة أقسام: وقت فضيلة إلى الزوال، ووقت اختيار إلى الغروب، ووقت جواز إلى آخر أيام التشريق" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۱۵۷)۔

(اور شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ دس ذی الحجہ کو رمی کے جائز ہونے کا اول وقت آدھی رات سے ہے اس شخص کے لیے جو اس سے قبل وقوف عرفہ کر چکا ہو..... اور اس وقت کی تین قسمیں ہیں: افضل وقت اور وہ زوال تک ہے، اور مختار وقت اور وہ غروب تک ہے، اور جواز کا وقت اور وہ ایام تشریق کے اخیر تک ہے)۔

حنابلہ کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کا افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے۔ اور وقت جواز ایک قول کی رو سے دس ذی الحجہ کی نصف شب سے طلوع آفتاب تک اور دوسرے قول کی رو سے طلوع فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک ہے، اور آخری وقت ۱۳/ذی الحجہ کے غروب تک ہے (دیکھئے: المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۲۸)۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، بلا عذر ہو تو کراہت کے ساتھ اور عذر کی وجہ سے بلا کراہت رمی کی جاسکتی ہے۔

۲- جمہور فقہاء کے مذہب کے مطابق ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے نہیں کی جاسکتی ہے، ان کے نزدیک ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ البتہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ایک قول اور بعض حنابلہ کے قول کی رو سے ان دونوں دنوں میں صبح سے رمی کی جاسکتی ہے۔ اور موجودہ حالات میں اسی قول کو اختیار کرنا مناسب ہے جیسا کہ پہلے اس کی تفصیل ذکر کی گئی۔

۳- ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی اگر ازدحام یا دیگر اعذار کی بنا پر کی جائے تو بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ اس سے قبل صراحت گذری، وھذا عند عدم العذر (شامی) یعنی کراہت عذر نہ ہونے کی صورت میں ہے، اگر عذر کی بنا پر ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

۴- اگر ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہر اجائے تو حنفیہ کے مذہب کی رو سے ۱۳/ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی، کیونکہ ان کے نزدیک ۱۳/ذی الحجہ کی رمی اس وقت لازم ہوگی جبکہ منیٰ میں رہتے ہوئے ۱۳/ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہوجائے لہذا اس مذہب کی رو سے بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے تیرہ ذی الحجہ کی شب میں رمی کرنے کے بعد صبح صادق سے قبل منیٰ سے کوچ کرجانے کی گنجائش ہے، اور اگر ایسا عذر کی بناپر کررہا ہے تو کراہت بھی نہیں ہے، البتہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر منیٰ میں بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہوجائے تو ان حضرات کے نزدیک تیرہ کی رمی واجب ہوجاتی ہے، اور غروب کے بعد منیٰ سے نکلنا بغیر رمی کے جائز نہیں ہے۔

''وإن لم يقم أي لم يرد الإقامة نفر قبل الغروب أي من يومه فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له الخروج في تلك الليلة عندنا ولا يجوز عند الشافعي أن ينفر حتى يرمي الرابع'' (شرح اللباب ۱۶۳)۔

(اگر اقامت نہ کرے یعنی اگر تیرہ کو اقامت کی نیت نہ ہو تو غروب سے قبل چلا جائے یعنی اسی دن کے غروب سے قبل، اگر منیٰ سے نہ نکلا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا تو ہمارے نزدیک اس رات اس کے لیے نکلنا مکروہ ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک نکلنا جائز ہی نہیں جب تک کہ تیرہ ذی الحجہ کی رمی نہ کرلے)۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے امام شافعی اور ایک قول کی رو سے امام احمد بن حنبل کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے، ان حضرات کا استدلال حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے ہے:

''أن النبي ﷺ أرسل بأم سلمة ليلة النحر، فرمت قبل الفجر، ثم مضت فأفاضت'' (الموسوعہ ۱۳/ ۱۵۷)۔

(نبی ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو دس ذی الحجہ کی رات میں (منیٰ) بھیجا، انہوں

نے فجر سے قبل دس ذی الحجہ کی شب میں رمی کی)۔

لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اور ایک قول کی رو سے امام احمد بن حنبل کے نزدیک طلوع صبح صادق سے ایسے معذور افراد کے لیے رمی کرنے کی گنجائش ہے، نصف شب سے نہیں۔ اور چونکہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت وسیع یعنی پورے چوبیس گھنٹہ فجر سے فجر تک ہے، اس لیے اس میں نصف شب سے رمی کے جواز کا عمومی فتویٰ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مذہب کے مطابق عمل ممکن ہے۔

منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام:

۱ – ایام منیٰ میں منیٰ کے اندر قیام خصوصاً گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی شب میں قیام حنفیہ کے نزدیک اور ایک قول کی رو سے امام احمدؒ بن حنبل کے نزدیک مسنون ہے، فرض یا واجب نہیں ہے۔ لیکن امام مالک اور ایک قول کی رو سے امام شافعیؒ اور مشہور قول کی رو سے امام احمد بن حنبل کے نزدیک ان راتوں میں منیٰ کے اندر رات گذارنا واجب ہے اور اس کے ترک پر دم واجب ہے۔ شامی میں ہے:

''ثم أتى منىٰ فيبيت بها للرمي (أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغير ها كره و لايلزمه شئ لباب'' (حاشیہ ردالمحتار مع الدر ۳؍۵۴۰، کتاب الحج)۔

(پھر مکہ سے منیٰ آئے گا اور رمی کے لیے وہاں رات گذارے گا یعنی رمی کی راتوں میں اور یہ سنت ہے، لہذا اگر منیٰ کے باہر رات گذارے تو مکروہ ہے لیکن اس کی وجہ سے اس پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں ہے)۔

''والمبيت بمزدلفة ليلة العيد وبمنىٰ ثلاث ليال بعده، نسک، فأما الثلاث فيجب بتركه فيها الدم وكذلک في واحدة منها'' (عقدالجواہر الثمینہ ۱؍۴۰۹)۔

(عید الاضحیٰ کی رات مزدلفہ میں رات گذارنا اور منیٰ میں اس کے بعد تین راتیں گذارنا

واجب ہے، تین راتوں میں اگر منیٰ میں قیام نہ کرے تو اس پر دم لازم ہوگا، اسی طرح کسی ایک رات میں بھی وہاں رات نہ گذارے تو دم واجب ہوگا)۔

اور رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارے گا، اس لیے کہ نبی ﷺ نے ایسا کیا ہے، اور کیا ایسا کرنا واجب ہے یا مستحب؟ تو اس سلسلے میں دو قول ہیں: (ایک) یہ ہے کہ یہ مستحب ہے، اس لیے کہ یہ رات گذارنا ہے لہذا واجب نہ ہوگا جیسا کہ عرفہ کی رات میں رات گذارنا، اور (دوسرا قول) یہ ہے کہ یہ واجب ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے حضرت عباسؓ کو پانی پلانے کی ذمہ داری کی وجہ سے منیٰ میں رات نہ گذارنے کی رخصت دی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے آدمی کے لیے اس کا ترک جائز نہیں ہے، پس اگر ہم یہ کہیں کہ یہ مستحب ہے تو اس کے ترک کی وجہ سے دم واجب نہ ہوگا، اور اگر واجب کہیں تو پھر اس کے ترک سے دم واجب ہوگا (المہذب مع المجموع ۸/۲۴۸)۔

''أو ترک المبيت بمنیٰ في لياليها فالصحيح من المذهب أن عليه دما وعليه أكثر الأصحاب.... وعنه لاشيئ عليه واختاره أبوبكر وهي مبنية على أن المبيت ليس بواجب'' (الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علی مذہب الامام المبجل احمد بن حنبل ۴/۴۵)۔

(یا اگر منیٰ میں رات گذارنا منیٰ کی راتوں میں چھوڑ دیا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اس پر دم واجب ہوگا، اکثر اصحاب اسی کے قائل ہیں، اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے، ابوبکر نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ رات گذارنا منیٰ میں واجب نہیں ہے)۔

خرقی کے ظاہر کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ منیٰ کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا واجب ہے، امام احمد سے ایک روایت یہی ہے، اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ منیٰ کی گھاٹی سے باہر کوئی شخص رات نہ گذارے، یہ عروہ، ابراہیم، مجاہد اور عطاء کا قول ہے، اور یہ حضرت عمر بن

الخطاب سے مروی ہے، یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے، اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ واجب نہیں ہے، یہ حسن سے مروی ہے، اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب تم جمرۂ عقبہ کی رمی کرلو تو جہاں چاہو رات گذارو، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے حج کے احرام سے نکل چکا ہے لہٰذا اس پر کسی معین جگہ میں رات گذارنا واجب نہیں ہے...پہلی روایت اصح ہے، اور اس لیے کہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو منیٰ کی راتوں میں مکہ معظمہ میں رات گذارنے کی رخصت دی پانی پلانے کی وجہ سے اور حضرت عباس کو ان کے عذر کی بناپر رخصت کے ساتھ خاص کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دوسروں کے لیے یہ رخصت نہیں ہے ...پس اگر کوئی حاجی منیٰ میں رات نہ گذارے تو امام احمدؒ سے اس کے بارے میں یہ منقول ہے کہ اس پر کچھ نہیں ہے، لیکن اس نے بُرا کیا، یہی قول اصحاب رائے کا ہے، اس لیے کہ اس سلسلے میں شریعت میں کچھ وارد نہیں ہے (المغنی ۳؍ ۴۵۰)۔

بہر حال اوپر کے اقتباسات سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا واجب نہیں ہے، ایک قول امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بھی اس کے موافق ہے، اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ شریعت میں اس کے وجوب کے سلسلے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہے اور بغیر دلیل کے وجوب کا ثبوت نہیں ہوسکتا، رسول اللہ ﷺ کے عمل سے محض اس کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے، اور دوسری دلیل یہ ذکر کی گئی کہ دس ذی الحجہ کو طواف زیارت کرلینے کے بعد وہ حج کے احرام سے بالکلیہ نکل گیا اور احرام کی کوئی پابندی اب باقی نہیں رہی لہٰذا اب وہ کہیں بھی رات گذارسکتا ہے، کسی متعین مقام میں رات گذارنا اس پر واجب نہیں ہے، حضرت حسن سے یہی مروی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے وجوب اور عدم وجوب دونوں کا قول مروی ہے، عدم وجوب کا جو قول مروی ہے اس کی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ جب تم نے (دس ذی الحجہ کو) جمرۂ عقبہ کی رمی کرلی تو اب اس کے بعد جہاں چاہو رات گذارو، اور وجوب کا قول ائمہ ثلاثہ کے علاوہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عروہ، ابراہیم، مجاہد اور عطاء سے مروی

ہے، اور واجب ہونے کی دلیل یہ دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کو مکہ میں پانی پلانے کی ذمہ داری کی بنا پر مکہ میں رات گذارنے کی رخصت اور اجازت دی تھی معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کے لیے جن کے ساتھ اس طرح کا عذر نہ ہو ان کے لیے یہ رخصت نہیں ہے۔ بہر حال اس اختلاف کی وجہ سے اتنی بات تو ضرور ہے کہ اس مسئلہ میں وہ شدت نہیں رہی، اس لیے دونوں قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

اب اگر صورت حال یہ ہو کہ حجاج کرام کی تعداد کی کثرت کی بنیاد پر منیٰ کے حدود میں تمام لوگوں کے قیام کی گنجائش نہیں رہی تو عدم وجوب والے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر صورت حال ایسی نہ ہو بلکہ منیٰ کے حدود ہی میں تمام حجاج کے قیام پذیر ہونے کی گنجائش اور امکان ہو تو پھر حکومت کو منیٰ کے حدود ہی کے اندر خیمے لگوا کر تمام حجاج کے قیام کا انتظام کرنا چاہئے، کیونکہ منیٰ میں رات گذارنے کے مسنون ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا ترک بلا عذر صحیح نہیں ہے، اور وجوب والے قول کی رو سے اس کے ترک پر دم واجب ہے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر شدید ضرورت کے اسے ترک نہ کیا جائے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

۱- دس ذی الحجہ یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی کے لیے صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا وقت تمام ائمہ متبوعین کے نزدیک وقت جواز ہے، اس لیے اگر کسی نے اس دن طلوع شمس سے پہلے اور صبح صادق کے بعد رمی کرلیا تو اس کی رمی وقت کے اندر ہوگی اور اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں اس وقت کو وقت جواز سے تعبیر کیا گیا ہے، اور بلاعذر اس وقت میں رمی کرنے کو مکروہ کہا گیا ہے:

''وله أوقات أربعة: وقت الجواز، ووقت الإستحباب، ووقت الإباحة، ووقت الكراهة، فالأول ابتداؤه من طلوع الفجر يوم النحر وانتهاءه إذا طلع الفجر من اليوم الثاني......... والرابع قبل طلوع الشمس وبعد الغروب'' (البحر الرائق ۲/ ۶۰۲)۔

(اور اس کے لیے چار اوقات ہیں: وقت جواز، وقت استحباب، وقت اباحت، وقت کراہت۔ لہذا پہلا وقت (یعنی وقت جواز) اس کی شروعات یوم نحر کے دن طلوع صبح صادق سے ہے اور اس کی انتہا جبکہ دوسرے دن کی صبح صادق ہوجائے.........اور چوتھا وقت (یعنی وقت کراہت) طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس کے بعد ہے)۔

☆ استاذ حدیث جامعہ عربیہ تعلیم الدین مئو۔

''(ووقته)اى وقت جوازه أداء من الفجراي فجر النحر إلى فجر اليوم الثاني'' (ردالمحتار ۳/ ۵۳۴)(اور اس کا وقت یعنی ادا کے لحاظ سے اس کے جائز ہونے کا وقت یوم نحر کی صبح صادق سے دوسرے دن کی صبح صادق تک ہے)۔

اور فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''المغنی'' میں مذکور ہے:

اور بہر حال وقت جواز تو اس کی ابتداء یوم النحر کی رات کے نصف سے ہے۔ اور یہی قول عطاء، ابن ابی لیلیٰ ،عکرمہ بن خالد اور امام شافعیؒ کا ہے، اور امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ (رمی) کافی ہوگی صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے، اور یہی قول امام مالک اور اصحاب رائے کا ہے (المغنی ۵/ ۲۹۵)۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلوع صبح صادق کے بعد رمی کا وقت امام مالک اور امام احمدؒ کے نزدیک بھی ہوجاتا ہے، بلکہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو نصف رات سے ہی اس کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اور شوافع کے ساتھ حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب ''الروض المربع'' میں بھی اس کا وقت نصف لیل سے ہی لکھا ہے، ''ويجزئ رميها بعد نصف الليل من ليلة النحر'' اور جمرہ عقبہ کی رمی یوم نحر کی نصف رات کے بعد کافی ہوگی (الروض المربع ۱/ ۵۲۴)۔

لہٰذا اگر کسی حاجی نے دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع شمس سے پہلے صبح صادق کے بعد کرلیا تو اس کی رمی درست ہوگی ، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ، البتہ بلا عذر اس وقت میں رمی کرنا کراہت پر مشتمل ہوگا ، اس لیے کہ اس کا افضل اور مسنون وقت طلوع شمس سے زوال تک ہے، اور اگر کمزوری ، بیماری یا کسی دیگر عذر معتبر کیوجہ سے یا عورتیں اور بچے ازدحام کے خوف سے طلوع صبح صادق اور طلوع شمس کے مابین ہی رمی کرلیں یا آنے والی رات میں غروب آفتاب کے بعد رمی کریں تو وقت مکروہ میں ہونے کے باوجود ان کی رمی بلا کراہت صحیح ہوگی (دیکھئے: ردالمحتار ۳/ ۵۳۴)۔

زبدۃ المناسک میں حضرت گنگوہی لکھتے ہیں: اور قبل طلوع آفتاب دسویں کو بعد فجر ہونے کے بھی مکروہ ہے۔ مگر ضعفاء اور مریض (خصوصاً) عورتیں کہ بسبب ازدحام کے سویرے آکر (یا تاخیر کرکے غروب کے بعد) کرلیں تو مکروہ نہیں، اگر توانا مرد سوائے عذر کے ایسا کریگا تو ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہوگا (زبدۃ المناسک / ۱۸۴)۔

لہذا جس کے پاس کوئی عذر معتبر نہ ہوتو انہیں طلوع شمس سے پہلے رمی نہ کرنے میں احتیاط ہے، انہیں مسنون افضل وقت میں رمی کی کوشش کرنی چاہئے، اب اگر کثرت ازدحام کے سبب وقت مسنون میں رمی نہ کرسکیں تو ان کے لیے زوال کے بعد یا غروب آفتاب کے بعد رمی کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہوگی، وقت مسنون میں کوشش سے پہلے ہی قبل طلوع شمس ایسے لوگوں کے لیے رمی کرنا جائز مع الکراہۃ ہے۔

طلوع شمس سے قبل صبح صادق سے رمی کا وقت ہوجانے پر نیز معذورین اور کمزوروں اورعورتوں کے لیے اس وقت میں رمی بلا کراہت درست ہونے پر عبداللہ بن عمر اور حضرت اسماءؓ کے عمل سے استدلال کیا گیا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ اپنے اہل کے کمزور لوگوں کو آگے روانہ کردیتے تھے۔

''فمنهم من يقدم منىٰ لصلاة الفجر، ومنهم من يقدم بعد ذلک، فإذا قدموا رموا الجمرة وكان ابن عمرؓ يقول: أرخص في أولئک رسول الله ﷺ'' (صحیح بخاری مع فتح الباری ۳/ ۵۲۶ صحیح مسلم مع نووی ۹/ ۴۱)۔

(تو ان میں سے کچھ منیٰ میں نماز فجر کے وقت پہنچتے، اور کچھ اس کے بعد پہنچتے، اور جب پہنچتے تو رمی جمرہ کرلیتے، اور ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں اجازت (چھوٹ) دی ہے)۔

اور حضرت اسماءؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ مزدلفہ کی رات (دسویں) کو نماز پڑھتی رہیں اور اپنے خادم سے معلوم کرتی رہیں کہ کیا چاند غروب ہوگیا؟ چنانچہ جب انہیں چاند غروب

ہونے کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے خادم سے کہا کہ چلو، چنانچہ ہم لوگ چلے، یہاں تک کہ انہوں نے جمرہ کی رمی کی، پھر واپس ہوئیں، اور فجر کی نماز اپنے ٹھکانے پر پڑھیں، خادم کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا میری آقا! ہمارا خیال ہے کہ ہم نے وقت مشروع سے پہلے ہی رمی کرلیا، تو انہوں نے فرمایا: بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اجازت دی ہے (صحیح بخاری مع الفتح ۳/۵۲۶، صحیح مسلم ۹/۳۹)۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔ ائمہ اربعہ متبوعین میں سے کسی کا بھی قول ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا نہیں ملتا بلکہ اگر کسی نے کرلیا تو زوال کے بعد اعادہ کا حکم فقہی کتب میں مذکور ہے، نیز کتب حدیث میں بھی ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کرنے کا ذکر نہیں ملتا جبکہ ان ایام میں ازدحام عمل بھی نہیں ہے لہذا ان ایام میں رمی زوال سے پہلے کسی بھی وقت میں کرنے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اسکا وقت زوال سے دوسرے دن طلوع شمس تک ہے، اس لیے اگر کوئی اس دن رمی نہ کرسکا تو اس دن کی رمی دوسرے دن کے طلوع شمس سے پہلے رات میں کرلے گا تو ادا ہوجائے گی۔

البحر الرائق میں مذکور ہے:

(صاحب کنز) نے اپنے قول ''بعد الزوال'' سے نحر کے دوسرے دن رمی کی ابتدائے وقت کی طرف اشارہ کیا ہے، یہاں تک کہ اگر زوال سے پہلے رمی کرلیا تو جائز نہیں ہوگی، اور اس کے آخری وقت کا ذکر نہیں کیا اور وہ دوسرے دن طلوع شمس تک ممتد ہے، لہذا اگر رات میں رمی کیا تو صحیح ہوگی اور مکروہ ہوگی، (آگے لکھتے ہیں) اس لیے کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ دونوں دنوں میں رمی کا وقت داخل نہیں ہوتا مگر زوال کے بعد علی الاطلاق (البحر الرائق ۲/۶۱۰)۔

شامی میں بھی ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کو مشہور قول کے مطابق ناجائز کہا ہے، ''وقیل یجوز''، ضعیف قول جواز کا بھی ہے، آگے لکھتے ہیں:

اور اگر یوم نحر کے دن یا اس کے دوسرے یا تیسرے دن رمی نہیں کیا تو آنے والی رات

میں گزرے ہوئے دنوں کی رمی کرے گا، اور اس پر کچھ (دم یا کفارہ) واجب نہیں سوائے کراہت کے، جب تک کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو، اور اگر گیارہویں یا اس کے علاوہ راتوں میں (آنے والے) کل کی رمی کیا تو صحیح نہیں ہوگی، اس لیے کہ حج میں راتیں گزرے ہوئے دنوں کی ہوتی ہیں نہ کہ آنے والے دن کی (ردالمحتار ۳/۵۴۲)۔

بدایۃ المجتہد میں ایام تشریق میں زوال کے بعد رمی کے وقت مسنون پر اتفاق واجماع کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اور اختلاف کیا ہے جبکہ جمرات کی رمی ایام تشریق میں زوال کے بعد کیا، تو جمہور علماء نے کہا کہ جس نے بھی زوال سے پہلے رمی کرلیا زوال کے بعد رمی کا اعادہ کرے گا، اور ابوجعفر محمد بن علی سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ جمرات کی رمی طلوع شمس سے غروب شمس تک ہے (بدایۃ المجتہد ۱/۲۳۴)۔

فقہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ہے:

"**ولایرمی في أیام التشریق إلا بعد الزوال فإن رمی قبل الزوال أعاد نص علیه أحمد**........" (المغنی ۵/۳۲۸)۔

(اور ایام تشریق میں رمی نہیں کرے گا مگر زوال کے بعد ہی، اور اگر زوال سے پہلے رمی کرلیا تو اعادہ کرے گا، امام احمدؒ نے اسی کی صراحت کی ہے (اور اسی کو امام مالک، شافعی، اسحاق، حسن بصری، عطاء رحمہم اللہ کا قول لکھا ہے))۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

"**رمی رسول اللّٰه ﷺ الجمرۃ یوم النحر ضحیٰ و أما بعد فإذا زالت الشمس**" (صحیح مسلم مع نووی ۹/۴۷)۔

(رسول اللہ ﷺ نے جمرہ (عقبہ) کی رمی یوم نحر کو چاشت کے وقت میں کیا، اور اس کے بعد جبکہ سورج ڈھل گیا)۔

اس کی تشریح میں امام نوویؒ لکھتے ہیں:

رہے ایام تشریق، تو ہمارا مذہب اور امام مالک واحمد اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ایام تشریق کے تینوں دنوں میں رمی کرنا جائز نہیں ہے مگر زوال کے بعد ہی، اس صحیح حدیث کی وجہ سے (حوالہ سابق)۔

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بخاری میں مذکور ہے جس میں ابن عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ:

''متى أرمي الجمار، قال: إذا رمى إمامك فارمه، فأعدت عليه المسألة، قال: كنا نتحين فإذا زالت الشمس رمينا'' (صحیح بخاری مع الفتح)۔

(میں جمرات کی رمی کب کروں؟ انہوں نے کہا کہ جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی رمی کرو، میں نے سوال دہرایا، تو انہوں نے کہا: ہم وقت کا انتظار کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے تھے)۔

ان کے اس قول سے کہ جب امام رمی کرے تو تم بھی رمی کرو، یہ استنباط کرنا کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور زوال سے پہلے جواز کا پہلو نکلتا ہے، مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ دیا ہو کہ رمی کرنے میں امام سے پہل نہ کرو اگر چہ وہ تاخیر کرے کہ اس میں فتنہ یا ضرر کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ایک دوسری سند سے مروی اسی حدیث کے اندر مذکورہ اس اضافی جملہ ''فقلت له أرأيت إن أخر إمامي'' (یہ بتلائیے کہ اگر ہمارا امام تاخیر کرے تب) سے اسی احتمال کی طرف اشارہ کیا ہے، اگر چہ طاؤس اور عطاء کا قول قبل الزوال رمی کے جواز کا ذکر کیا گیا ہے مگر ائمہ اربعہ متبوعین کے نزدیک قبل الزوال رمی جائز نہیں، اور یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ائمہ اربعہ کے قول سے خروج کیا جائے۔

اس لیے گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے تو کیا؟ طلوع شمس کے بعد

زوال سے پہلے بھی درست نہیں ہوگی، اگر کسی نے کرلیا تو اعادہ کرنا ہوگا۔ اگر کوئی شخص زوال کے بعد وقت مسنون میں ان ایام میں رمی نہیں کرسکا تو دوسرے دن طلوع شمس تک ادائیگی کا وقت ہے، نیز بارہویں تاریخ کو طلوع شمس سے پہلے تک تو گیارہویں تاریخ کی رمی کا وقت ہے لہذا بارہویں کی رمی کا وقت کیسے ہوسکتا ہے؟

۳- ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور دوسرے دن طلوع شمس تک رہتا ہے، اس طویل وقفہ میں افضل اور مسنون زوال کے بعد رمی میں جلدی کرنا ہے، چنانچہ الروض المربع ۱/ ۵۱۷ میں مذکور ہے:

''والأفضل الرمي قبل صلاة الظهر'' (اور افضل ظہر کی نماز سے پہلے (زوال کے بعد) رمی کرنا ہے)۔

شامی میں ان ایام میں رمی کا مسنون وقت زوال سے غروب شمس تک مذکور ہے، اور غروب سے طلوع شمس تک مکروہ لکھا ہے:

''والوقت المسنون فيما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس، ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (ردالمحتار ۳/ ۵۴۲)۔

(اور وقت مسنون اس وقت میں ہے جو کہ پھیلا ہوا ہے زوال سے غروب شمس تک اور غروب شمس سے طلوع شمس تک (رات) کا وقت مکروہ ہے)۔

اور البحر الرائق (۲/ ۶۱۰) میں مذکور ہے:

''ولم يذكر آخره وهو ممتد إلى طلوع الشمس من الغد، فلو رمى ليلا صح وكره'' (اور (ان ایام میں رمی کا) آخری وقت ذکر نہیں کیا، اور وہ ممتد ہے دوسرے دن طلوع شمس تک، لہذا اگر رات میں رمی کیا صحیح ہوجائے گی اور مکروہ ہوگی)۔

اور فقہ حنبلی کی کتاب المغنی (۵/ ۳۲۹) میں بھی کچھ ایسا ہی مذکور ہے:

''وأي وقت رمى بعد الزوال أجزأه، إلا أن المستحب المبادرة إليها

حين الزوال" (اور زوال کے بعد جب بھی رمی کرے گا، اس کے لئے کافی ہوگی مگر مستحب زوال کے بعد اس میں جلدی کرنا ہے)۔

اور الروض المربع (۱/ ۵۱۷) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک سقاۃ ورعاۃ کے علاوہ لوگوں کے لئے رات میں رمی صحیح نہیں، عبارت یہ ہے:

"......في كل يوم من ايام التشريق بعد الزوال ولا يجزئ قبله ولا ليلا لغير سقاة و رعاة" ((اور رمی جمار) ایام تشریق کے ہر دن میں زوال کے بعد ہے، لہذا اس سے پہلے کافی نہیں ہوگی، اور نہ رات میں سقاۃ ورعاۃ کے علاوہ کے لئے)۔

ان فقہی عبارات مذکورہ کے پیش نظر ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد کا وقت، وقت مکروہ ہے، مگر معذورین، کمزور، اور مریض افراد کے لئے یا عورتوں کے لئے، اس وقت مکروہ میں رمی کرنا بلا کراہت صحیح ہوگا، جیسا کہ دوسرے سوال کے جواب میں مذکور شامی ۳/ ۵۴۲ کی عبارت "لا شئ عليه سوى الإساءة مالم يكن لعذر" سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عذر سے رات میں رمی کیا تو اساءت وکراہت بھی نہیں ہے، اور غالبًا ازدحام حنفیہ کے نزدیک عذر ہے (کما قال الحافظ فی فتح الباری ۳/ ۲۹ ۵ "ومن جملة الأعذار عندهم الزحام")۔

لہذا اگر محتمندو توانا جو بظاہر معذورین میں نہیں آتا اسے بھی کثرت ازدحام سے کسی مشقت شدیدہ کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے بھی رات میں رمی بلا کراہت صحیح ہوجائے گی۔

۴- دسویں ذی الحجہ کے بعد جمرات ثلاثہ کی رمی کے لیے منیٰ کے تین دن ہیں، لیکن اگر کوئی جلدی نکلنا چاہے تو دو دن رمی کر کے بھی نکل سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کے فرمان: "فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه" (تو جو جلدی کرلے دوہی دن میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں)۔

نیز فرمان نبوی ﷺ: "أيام منىٰ ثلاثة فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه

و من تأخر فلا إثم عليه'' (سنن ابوداؤد ۲/ ۱۹۶، سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۰۰۳) کی وجہ سے فقہاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے، مگر جو شخص تیسرے دن رکنا نہیں چاہتا اس کے لیے افضل اور بہتر یہی ہے کہ دوسرے دن یعنی ۱۲/ ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے قبل ہی منیٰ سے نکل لے، اس لیے کہ احناف کے علاوہ دیگر ائمہ کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہوگا۔ المغنی میں ہے:

جو شخص کوچ کے پہلے دن جلدی کو پسند کرے تو نکل لے غروب شمس سے پہلے، اور اگر اس کے منیٰ سے نکلنے سے پہلے سورج غروب ہوگیا تو کوچ نہ کرے خواہ وہ چل پڑا ہو یا اپنے خیمے میں ابھی مقیم ہو، اس کے لیے نکلنا جائز نہیں ہے (المغنی ۵/ ۲۳۲)۔

اور اسی کو امام مالک، شافعی، ثوری، عطاء، طاؤس اور مجاہد وغیرہم کا قول لکھا ہے، مگر فقہائے احناف کے نزدیک اس امر میں وسعت ہے کہ ۱۳/ ذی الحجہ کی طلوع فجر سے پہلے کبھی بھی نکل سکتا ہے، اس پر کچھ دم یا کفارہ نہیں، اور نہ غروب آفتاب کے بعد منیٰ میں ہونے کی وجہ سے اس کے لیے تیسرے دن کی رمی ہی واجب ہوگی، لیکن پھر بھی غروب آفتاب کے بعد نکلنے کو مکروہ لکھا ہے (دیکھئے: رد المحتار ۳/ ۵۴۳)۔

مگر آج کل جب کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے بیشتر حجاج کے لیے غروب آفتاب سے پہلے منیٰ کی حدود سے نکلنا انتہائی مشکل اور اپنے بس سے باہر ہوچکا ہے۔ طلوع فجر سے پہلے کسی بھی وقت میں منیٰ کی حدود سے نکل لینے میں کراہت نہیں۔ اور نہ ہی تیسرے دن کی رمی واجب ہوگی جب تک کہ منیٰ میں رہتے ہوئے طلوع فجر نہ ہوجائے۔

۵- پہلے سوال کے جواب میں مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوچکا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو رمی جمرۂ عقبہ کا وقت شوافع اور حنابلہ کے نزدیک دسویں شب کے نصف کے بعد شروع ہوجاتا ہے، مگر احناف اور مالکیہ کے نزدیک اس کا وقت طلوع صبح صادق سے ہوتا ہے، اور اس سے پہلے رمی کرنا ان دونوں مذاہب میں درست نہیں، شامی میں ہے:

''ولو رمی قبل طلوع فجر النحر لم یصح اتفاقا'' (ردالمختار ۳/ ۵۳۴)۔

(اور اگر یوم نحر دسویں ذی الحجہ کو طلوع فجر سے پہلے رمی کیا تو باتفاق ائمہ احناف وہ رمی صحیح نہیں)۔

بدایۃ المجتہد میں ہے:

اور اختلاف کیا اس شخص کے بارے میں جس نے جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع فجر سے پہلے کرلیا تو امام مالکؒ نے فرمایا ہم تک نہیں پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو رخصت دیا ہو کہ وہ طلوع فجر سے پہلے رمی کرلے اور وہ جائز نہیں، لہٰذا اگر صبح صادق سے پہلے رمی کرلیا تو اعادہ کرلے، اور اسی کے مطابق کہا ہے ابوحنیفہ، سفیان ثوری، احمد رحمہم اللہ بھی، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۴۹)۔

اور چونکہ وہ احادیث جو نصف شب کے بعد وقت رمی کے لیے ذکر کی جاتی ہیں صحیح یا صریح نہیں ہیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث:

''أرسل النبي ﷺ بأم سلمةؓ لیلة النحر، فرمت الجمرة قبل الفجر........ '' کو ضعیف کہا گیا ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں ایک ضعیف راوی بھی ہیں، نیز اس کی سندوں اور متن میں اختلاف و اضطراب بھی ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے: ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل ۴/ ۲۷۷، تہذیب سنن أبی داؤد لابن القیم ۲/ ۴۰۵)۔

اور حدیث اسماءؓ جس میں مذکور ہے کہ وہ غروب قمر کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوگئیں، اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے طلوع فجر سے پہلے رمی کیا۔

اس لیے جمرۂ عقبہ کی رمی دسویں شب کے نصف کے بعد طلوع فجر سے پہلے، معذور، غیر معذور کسی کے لیے بھی درست نہیں اور نہ اس کی گنجائش ہے، اس لیے کہ وہ وقت سے پہلے ہوگی جو صحیح نہیں۔

(ب) منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام:

۱- ان ایام میں حاجی کا منیٰ میں قیام کرنا، اور رات گزارنا مسنون ہے، صاحب بحر علامہ ابن نجیمؒ "ثم رح یوم التروية إلى منى" کے تحت لکھتے ہیں:

"والبيتوتة بها سنة والإقامة بها مندوبة كذا في المحيط ولو لم يخرج من مكة إلا يوم عرفة أجزأه أيضاً ولكنه أساء لترك السنة" (البحر الرائق ۲/ ۵۸۸)۔

(اور منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے، اور وہاں قیام کرنا مستحب ہے، "محیط" میں ایسا ہی مذکور ہے، اور اگر مکہ سے نکلا ہی نہیں مگر صرف عرفہ کے دن تو بھی اس کے لیے کافی ہے لیکن اس نے ترک سنت کے ارتکاب سے بُرا کیا)۔

پھر آگے "ثم إلى منى فارم الجمار الثلاث" کے تحت لکھتے ہیں:

"ولم يذكر البيتوتة بمنىٰ لأنها ليست بواجبة لأن المقصود الرمي لكن هي سنة"۔

(اور منیٰ میں رات گزارنے کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ یہ واجب نہیں ہے، کیونکہ مقصد رمی کرنا ہے، بلکہ یہ سنت ہے)۔

لہٰذا منیٰ میں قیام کرنا مندوب و مستحب اور رات گزارنا سنت ہے۔

۲- اگر کوئی حاجی حدودِ مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو اس کا یہ عمل بغیر عذر کے ہے تو خلاف سنت ہوگا اور حج صحیح ہو جائے گا، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا جیسا کہ آج کل کثرت ازدحام کی وجہ سے خیمے منیٰ کے باہر لگا دئے جاتے ہیں تو کراہت بھی نہیں ہے۔

۳- حاجی حدودِ حرم میں کسی بھی جگہ قیام کرے اور منیٰ کے حدود سے باہر کہیں بھی رہے اس کا حج صحیح ہو جائے گا، بلاعذر کرنے کی وجہ سے خلاف سنت کرنے کا مرتکب ہوگا۔

سیدنا حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں گزارنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی تھی، یہ حدیث بخاری ومسلم دونوں میں مذکور ہے۔

اگر مبیت منیٰ ایسا رکن وعمل ہوتا کہ اس کے ترک سے صحت حج پر اثر پڑتا تو آپ ﷺ اجازت نہ فرماتے۔

حنابلہ کے نزدیک یہ مبیت واجب کہی گئی ہے بلکہ امام احمدؒ سے دونوں ہی روایات مذکور ہیں۔

"**وظاهر كلام الخرقي أن المبيت بمنىٰ ليالي منىٰ واجب وهو إحدى الروايتين عن أحمد** (المغنی ۳۲۴/۵)، **فإن ترك المبيت بمنىٰ فعن أحمد لا شئ عليه وقد أساء**" (المغنی ۳۲۵/۵)۔

(اورخرقی کے کلام سے ظاہر ہے کہ منیٰ کی راتوں میں منیٰ میں ہونا واجب ہے، اور یہ امام احمدؒ سے دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔ اوراگر منیٰ میں رات نہ گزاری تو امام احمد سے مروی ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں، لیکن اس نے بُرا کیا، یعنی کراہت ہے)۔

☆☆☆

رمی جمار اور مبیت منیٰ کے احکام

مولانا محمد شوکت ثنا قاسمی ☆

۱-دس ذی الحجہ کو رمی جمار کا وقت:

دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے، اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، ہر ایک کا مذہب اور دلائل پیش خدمت ہیں:

پہلا مسلک:

فقہاء احناف نے دس ذی الحجہ کی رمی کے لیے چار وقتوں کا ذکر کیا ہے:

۱-وقت استحباب: یہ وقت ۱۰/ ذی الحجہ کے طلوع آفتاب سے لے کر زوال شمس تک رہتا ہے۔

۲-وقت مباح: بغیر کسی کراہت کے زوال شمس سے لے کر غروب تک۔

۳-وقت کراہت: دس ذی الحجہ کے غروب شمس کے بعد سے گیارہ ذی الحجہ کے طلوع فجر تک۔

۴- وقت جواز: ۱۰/ ذی الحجہ کے صبح صادق سے ۱۱/ ذی الحجہ کے صبح صادق تک رہتا ہے (البحر الرائق ۲/ ۳۴۵، غنیۃ المناسک)۔

امام طحاویؒ رقم طراز ہیں:

حاجیوں کے لیے طلوع شمس سے پہلے رمی کرنا مناسب نہیں ہے، اگر ان لوگوں نے اس

☆ مفتی جامعہ عائشہ نسواں، داراب جنگ کالونی، مادنا پیٹ، حیدرآباد۔

سے پہلے رمی کرلیا تو کافی ہوجائے گا اور ایسا کرنا برا ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک ہے (شرح معانی الآثار ۱؍۲۱۲)۔

طلوع شمس کے پہلے رمی کے جواز پر اس روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے:

"عن ابن عمر أنه كان يقدم ضعفة أهله، فيقفون عند المشعر الحرام بالمزدلفة بليل، فيذكرون الله عزوجل ما بدا لهم، ثم يرجعون قبل أن يقف الإمام وقبل أن يدفع، فمنهم من يقدم منىٰ لصلاة الفجر، ومنهم من يقدم بعد ذلک فإذا قدم رموا الجمرة، وكان ابن عمر يقول: أرخص في أولئک رسول الله ﷺ" (رواہ البخاری)۔

(حضرت ابن عمر اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو منیٰ بھیج دیا کرتے تھے، وہ رات کو مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرتے پھر جتنا ان کا جی چاہتا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، پھر لوٹ جاتے امام کے وقوف اور واپسی سے پہلے، ان میں سے کچھ لوگ صبح نماز کے وقت منیٰ پہنچ جاتے اور بعض لوگ اس کے بعد پہنچتے، پھر جب منیٰ پہنچتے تو کنکریاں مارتے، اور حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے واسطے اجازت دی ہے)۔

علامہ کاسانیؒ نے صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے رمی کے جواز پر مندرجہ ذیل روایتوں سے استدلال کیا ہے:

"روي عن النبي ﷺ أنه قدم ضعفة أهله ليلة المزدلفة وقال: لاترموا جمرة العقبة حتى تكونوا مصبحين" (البدائع ۲؍۳۲۳)۔

"وروي عن النبي ﷺ كان يلطخ أفخاذ أغيلمة بني عبد المطلب وكان يقول لهم: لاترموا الجمرة حتى تكونوا مصبحين" (رواہ احمد، ابوداؤد)۔

یہی امام مالک کا مشہور قول ہے اور امام احمد بن حنبل کی بھی یہی ایک روایت ہے (المغنی ۳؍۵۹۴، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲؍۸۲)۔

دوسرا مسلک:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی مشہور روایت یہ ہے کہ ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی کا وقت دسویں شب کے نصف سے شروع ہوتا ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے۔

ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہ کی یہ روایت ہے:

"قالت أرسل النبي ﷺ بأم سلمة ليلة النحر، فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت وكان ذلك اليوم اليوم الذي يكون رسول الله ﷺ يعني عندها" (رواہ ابوداؤد)۔

(حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ام سلمہ کو قربانی کی رات روانہ کیا پھر انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کی، پھر انہوں نے طواف زیارت کیا، اس دن رسول اللہ ﷺ کی باری ان کے پاس تھی)۔

دوسری روایت حضرت عبد اللہ مولی حضرت اسماء کی ہے، وہ حضرت اسماءؓ کے بارے میں کہتے ہیں:

اسماء مزدلفہ کی رات میں مزدلفہ کے پاس اتریں اور کھڑی ہوکر ایک گھڑی تک نماز پڑھتی رہیں، پھر کہنے لگیں: اے بیٹے! کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے عرض کیا: نہیں، تب تھوڑی دیر اور نماز پڑھتی رہیں، پھر کہنے لگیں: کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے عرض کیا: ہاں، تو فرمایا: کوچ کرو، تو ہم نے کوچ کیا اور چلے یہاں تک کہ منیٰ پہنچ کر جمرہ پر کنکریاں ماریں، اس کے بعد لوٹ گئیں اور صبح کی نماز اپنی قیام گاہ پر پڑھیں، میں نے ان سے عرض کیا: ہم سمجھتے ہیں کہ (وقت سے پہلے) تاریکی میں کوچ کر گئے تو انہوں نے کہا: اے بیٹے! رسول اکرم ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے (بخاری)۔

اور ابوداؤد کی روایت میں صراحت ہے: "إنا رمينا الجمرة بليل وغلسنا"۔

ان دونوں روایتوں سے ان دونوں اماموں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ۱۰؍ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے پہلے نصف شب سے کی جاسکتی ہے، لیکن ان کے نزدیک بھی طلوع شمس کے بعد رمی کرنا بہتر ومستحب ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک ۱۰؍ذی الحجہ کو صبح صادق سے رمی کرنا جائز اور درست ہے، البتہ باتفاق ائمہ ۱۰؍ذی الحجہ کی رمی کا مستحب وبہتر وقت طلوع شمس کے بعد زوال تک رہتا ہے۔

۲-گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کے دن رمی کا وقت:

جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک ۱۱/ ۱۲؍ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اسی کے قائل امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ کی صحیح اور مشہور روایت بھی یہی ہے (حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/ ۸۳، المجموع شرح المہذب ۸/ ۱۳۱، المغنی ۵/ ۵۹۴، البدائع ۲/ ۲۴۳، شامی ۳/ ۴۸۰)۔

ان حضرات کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

”عن جابر قال رمى النبي ﷺ الجمرة يوم النحر ضحىٰ و أما بعد فإذا زالت الشمس“ (أخرجہ الجماعۃ نیل الاوطار ۵/ ۶۸)۔

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے یوم نحر میں جمرہ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت کیا، اور رہا اس کے بعد تو زوال شمس کے بعد کیا)۔

وروى نافع أن عبد الله بن عمر كان يقول لانرمي في الأيام الثلاثة حتى تزول الشمس (المنتقی الموطا لامام محمد ۲۴۹)۔

(حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے تھے کہ ہم لوگ ایام تشریق کے تین دنوں میں زوال شمس سے پہلے رمی نہیں کیا کرتے تھے)۔

البتہ فقہاء میں حضرت عطا بن ابی رباح اور حضرت طاؤس نے زوال سے پہلے ان دنوں میں رمی کی اجازت دی ہے (فتح الباری ۳/ ۵۸۰، النووی شرح مسلم ۹/ ۴۸)۔

اور ائمہ اربعہ میں سے امام اعظم ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو اگر زوال سے پہلے رمی کرلی جائے تو درست ہے۔

علامہ کاسانی اس روایت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایام تشریق کے پہلے اور دوسرے دن اور یہ ایام رمی کا دوسرا اور تیسرا دن ہے، رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، اس لیے ان ایام میں زوال سے پہلے امام ابوحنیفہ کی مشہور روایت کے مطابق رمی درست نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان ایام میں زوال کے بعد رمی کرنا افضل ہے، اگر زوال سے پہلے رمی کرلیا تو جائز ہے، اور اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ یوم نحر میں رمی کا وقت زوال سے پہلے ہے، اسی طرح دوسرے اور تیسرے دن بھی ہوگا، کیوں کہ یہ تمام ایام نحر ہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۴)۔

"عن أبي حنيفة قال أحب إلى أن لا يرمى في اليوم الثاني والثالث حتى تزول الشمس فإن رمى قبل ذلك أجزاه وحمل ماروى من قوله عليه السلام أنه رمى بعد الزوال على اختيار الأفضل" (فتح القدیر ۳/ ۱۸۵)۔

(امام ابوحنیفہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دوسرے اور تیسرے دن زوال شمس کے بعد رمی کرنا بہتر ہے، پس اگر اس سے پہلے رمی کرلیا تو کافی ہوگا، اور رسول اللہ ﷺ کے اس قول کو کہ آپ نے زوال کے بعد رمی کیا، استحباب پر محمول کیا ہے)۔

ان دونوں حضرات کی عبارتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی زوال شمس سے پہلے کی جاسکتی ہے اور جن روایتوں سے آپ ﷺ کا زوال کے بعد رمی کا ثبوت ملتا ہے وہ استحباب وفضیلت پر محمول ہے۔ اگر چہ کہ احناف کے نزدیک اس قول پر فتویٰ نہیں ہے اور مشہور ومفتیٰ بہ قول زوال سے پہلے رمی کے عدم جواز کا ہے لیکن اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ

ضرورت وحاجت کے وقت ضعیف قول پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی نے رسم المفتی میں اس کی مکمل وضاحت فرمائی ہے (شرح عقود رسم المفتی)۔

لہٰذا حجاج کی کثرت اور رمی کے وقت ہونے والے حادثات کو مدنظر رکھتے ہوئے امت مسلمہ کی سہولت وآسانی کے لیے اگر اس کو اختیار کرلیا جائے تو مناسب وبہتر ہوگا۔

۳-۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنا:

احناف اور شوافع کے نزدیک گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا مستحب وقت زوال شمس کے بعد سے غروب آفتاب تک رہتا ہے، اور وقت جواز زوال شمس سے طلوع صبح صادق تک رہتا ہے، صبح صادق کے طلوع کے بعد ادا کا وقت فوت ہوجاتا ہے اور قضا کا وقت ایام تشریق کے آخری دن سورج غروب ہونے تک رہتا ہے۔ بغیر کسی عذر کے وقت استحباب سے رمی کو مؤخر کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی عذر رہے مثلاً ازدحام وغیرہ، تو اس صورت میں کراہت بھی باقی نہیں رہے گی (حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۵۴۱، شرح المہذب ۸/ ۱۷۸)۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت ان دنوں کے غروب شمس تک رہتا ہے (حاشیۃ الصاوی ۱/ ۲۸۱، کشاف القناع ۱/ ۶۲۲)۔

اس تمہید کے بعد سوالنامہ میں دریافت کردہ مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اگر زوال شمس سے غروب آفتاب تک رمی کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہو تو بلاضرورت رات تک رمی کو مؤخر کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے، اور اگر ازدحام وغیرہ کی وجہ سے ہو جیسا کہ آجکل عام طور سے ایسا ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اگر وقت استحباب میں رمی کرنے میں جانی یا مالی نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں رات میں ہی رمی کرنا زیادہ بہتر ہوگا، اور ان شاء اللہ یہی وقت اس کے لیے وقت استحباب ہوگا۔

۴- ۱۲؍ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک ٹھہرنے سے ۱۳؍ ذی الحجہ کی رمی کا لزوم:

تقریباً ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ۱۳؍ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہے، ۱۲؍ ذی الحجہ کو رمی کرنے کے بعد غروب شمس سے پہلے منیٰ سے واپسی درست ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فمن تعجل في يومين فلا أثم عليه ومن تأخر فلا أثم عليه" (سورۂ بقرہ ۲۰۳)۔

(جو جلدی کرکے دو دنوں میں چلا جائے اس پر کچھ گناہ نہیں، اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں)۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص ۱۲؍ ذی الحجہ کو غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہرا رہے تو کیا ۱۳؍ ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی؟ تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں ۱۳؍ ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی۔ حنبلی مکتب فکر کے ترجمان علامہ ابن قدامہ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو شخص نفر اول میں عجلت چاہے تو غروب آفتاب سے پہلے نکل جائے، اگر سورج غروب ہوگیا تو پھر منیٰ سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ یہی حضرت عمر، جابر بن زید، عطا، طاؤس، مجاہد، امام مالک، امام شافعی اور امام اسحاق کا قول ہے۔

ان حضرات نے مذکورہ بالا آیت سے استدلال کیا ہے:

نیز ابن ماجہ کی یہ روایت بھی ان کا مستدل ہے۔

"أيام منىٰ ثلاثة ، فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه"۔

(ایام منیٰ تین ہیں، جو کوئی دو دنوں میں عجلت کرلیں تو کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے)۔

علامہ ابن قدامہ ان نصوص سے استدلال کی نوعیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یوم کہتے ہیں نہار شرعی کو جو صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، پس جو شخص ۱۲/ ذی الحجہ کے غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے نہیں نکلا تو وہ نص میں موجود لفظ یوم کے مصداق میں شامل نہیں ہوگا، اور نص میں ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کے سقوط کے لیے ۱۲/ ذی الحجہ کے نہار شرعی میں منیٰ سے نکل جانا ہے، لیکن اگر کوئی شخص منیٰ سے نہیں نکلا کہ ۱۲/ تاریخ کا سورج غروب ہوگیا اور چونکہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی نہار شرعی ختم ہوگیا، اس لئے اب اس شخص کے لیے ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کے بغیر منیٰ سے نکلنا درست نہیں ہوگا (المغنی ۳/ ۴۸۷)۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کے بعد ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی کے لیے وہیں قیام کرنا بہتر ہے، لیکن ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کرنے کے بعد واپس جانا چاہے تو کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے، مگر یہ واپسی غروب شمس سے پہلے ہو تو بہتر ہے اور غروب شمس کے بعد طلوع صبح صادق تک واپسی مکروہ ہے۔ اور اس کی وجہ سے نہ اس پر کوئی کفارہ لازم ہوگا اور نہ ہی ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی (رد المحتار ۳/ ۴۸۱، البدائع ۲/ ۳۲۵)۔

اس مسئلہ میں حالات وضروریات کے مدنظر احناف کا مسلک زیادہ راجح ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ اگر ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد بھی وہیں ٹھہرا رہا جائے تب بھی ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی بشرطیکہ صبح صادق سے پہلے وہاں سے نکل جایا جائے۔

۵-معذور وخواتین کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے جیسا کہ وضاحت گذر چکی، اس لیے ان دونوں حضرات کے نزدیک بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے میں کوئی قباحت نہیں، البتہ امام مالک اور امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت جواز طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے، اس لیے اگر کسی نے اس سے

پہلے رمی کرلیا تو کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کا اعادہ لازم وضروری ہے۔

لیکن آج کل حجاج کی غیر معمولی تعداد اور رمی جمار کے موقع پر ہونے والے حادثات واموات کے پیش نظر امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے کی اجازت دینی چاہئے، کیونکہ بقول ان دونوں مسالک کے ترجمان یہ اجازت حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔

منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام:

جمہور علمائے امت کے نزدیک ۸/ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے لیکن بلا ضرورت اس کو ترک کرنا غیر مناسب ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

مستحب یہ ہے کہ مکہ سے یوم الترویہ کو احرام باندھ کر نکلے اور منیٰ میں ظہر کی نماز ادا کرے، اور وہیں پر قیام کرتے ہوئے پانچ وقت کی نماز ادا کرے، یہی مسلک سفیان ثوری، امام مالک، امام شافعی، امام اسحاق اور اصحاب رائے کی ہے، اور ہمیں اس کے بارے میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں، اور یہ ان فقہاء میں سے کسی کے نزدیک واجب نہیں (المغنی ۳/ ۳۴۲، البحر الرائق ۲/ ۳۳۴، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۴۵۹)۔

مزید لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن زبیر نے منیٰ میں قیام کے بجائے یوم الترویہ کو فجر کی نماز مکہ میں ہی ادا کی تھی (المغنی ۳/ ۳۴۲)۔

ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ۸/ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا واجب وضروری نہیں ہے بلکہ بہتر ومستحب ہے۔

البتہ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رات منیٰ میں قیام کرنے کے بارے میں علماء وفقہاء کی رائیں مختلف ہیں۔

پہلا مسلک:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کو حاجی کے لیے منیٰ میں قیام سنت ہے۔

کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو منیٰ کی راتیں مکہ میں گذارنے کی اجازت دی تھی (بخاری،مسلم)۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب جمرہ عقبہ کی رمی کرچکو تو جہاں چاہو رات گذارو (ابن ابی شیبہ، المغنی ۳/ ۴۸۲)۔

البتہ فقہاء احناف نے بھی صراحت کی ہے کہ بلا کسی عذر کے قیام منیٰ ترک کرنا مکروہ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رقم طراز ہیں:

فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلوبات بغيرها كره ولايلزمه شيئ (حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۹۷۵، نیز ہدایہ ۱/ ۲۳۳، البدائع ۲/ ۱۶۳، البحر الرائق ۲/ ۳۴۸)۔

ایام رمی کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرے، اور یہ سنت ہے، پس اگر منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ رات گذارے تو مکروہ ہے اور اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

دوسرا مسلک:

تقریباً ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا واجب ہے اور بلا کسی عذر کے ترک قیام درست نہیں ہے اور ترک کی صورت میں دم واجب ہوگا، البتہ کچھ اعذار کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی قیام ساقط ہوجاتا ہے مثلاً اونٹ کے چرواہے، اہل سقایہ، اسی طرح وہ شخص جس کو منیٰ میں قیام کی وجہ سے اپنے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، یا ایسا مرض لاحق ہو جس کے ساتھ قیام دشوار و مشکل ہو، یا کوئی دوسرا شخص اس کی تیمارداری کا محتاج ہو وغیرہ۔

ان تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کو منیٰ میں رات گذارنا احناف کے نزدیک سنت ہے، بلا عذر ترک کرنا مکروہ ہے لیکن موجودہ حالات میں یہ کراہت بھی نہیں رہے گی، اور

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر چہ ان راتوں میں منیٰ میں قیام واجب ہے لیکن اعذار کی فہرست بھی کافی طویل ہے، اور میری ناقص سمجھ کے مطابق موجودہ دور میں حجاج کی غیر معمولی تعداد وکثرت اور منیٰ میں منیٰ کی وسعت کے باوجود جگہ کی تنگی بھی ایک معقول عذر ہونی چاہئے جس کی وجہ سے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی ان راتوں میں قیام واجب نہ ہو، بلکہ حسب استطاعت سنت ومستحب ہو۔لہذا میرے خیال میں حدودِ حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے خواہ مکہ مکرمہ کے شہر اندر ہو یا مضافات شہر یا مزدلفہ کے میدان میں ہو۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات میں وسعت-وقت کی اہم ضرورت

مولانا محمد اقبال ٹنکاروی ☆

رمی جمار کے اوقات فقہاء کے نزدیک:

رمی جمار کے وقت جواز کے سلسلے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں اور اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ کیا دسویں ذی الحجہ کو فجر سے قبل رات میں جمار کی رمی کی جاسکتی ہے یا فجر کے بعد اور سورج طلوع ہونے سے قبل یا طلوع ہونے کے بعد، اور یہ کہ رمی کا وقت کب تک باقی رہتا ہے؟ زوال تک یا مغرب تک یا رات میں بھی؟ یا تمام ایام تشریق میں؟ اس سلسلے میں فقہی مذاہب پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

مذہب حنفی:

جمرۂ عقبہ کی رمی شروع کرنے کا افضل وقت دسویں ذی الحجہ کو آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہے، ''أما يوم النحر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الشمس قبل الزوال وهذا عندنا'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۳۳)، اور منیٰ میں یہ حج سے متعلق پہلے عبادت ہے جیسا کہ مبسوط سرخسیؒ میں مذکور ہے، اور رمی کا وقت آفتاب غروب ہونے تک باقی رہتا ہے (مبسوط السرخسی ۴/ ۶۴)۔

لیکن اگر رات میں رمی کرے تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا کیونکہ آپ ﷺ نے چرواہوں

☆ مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا بھروچ گجرات۔

کو رات میں رمی کرنے کی رخصت عطا فرمائی تھی، نیز جب پورا دن رمی کا وقت ہے تو رات بھی دن کے تابع ہوگی جیسا کہ وقوف کے حکم میں نحر کی رات کو یوم عرفہ کے تابع قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ مبسوط السرخسی ((۴/۶۵)) میں اس کی صراحت موجود ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلے دن زوال تک باقی رہتا ہے اور اس کے بعد قضا ہوتی ہے، اس لیے کہ بعد کے تینوں دنوں کی رمی کا وقت نصف دن ہے، اس طرح پہلے دن بھی رمی کی ادائیگی نصف دن میں ہوگی۔

احناف کے نزدیک دوسرے فقہاء کی طرح تینوں جمرات کی رمی کا افضل وقت زوال سے لے کر غروب تک ہے لیکن آخری دن تیرہ ذی الحجہ کو فجر کے بعد بھی رمی جائز ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ تحریر فرماتے ہیں کہ قربانی کے دنوں میں گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کا وقت بعد زوال ہے، لہذا مشہور قول کی رو سے اس سے قبل جائز نہیں ہے، اور ایک قول کے مطابق جائز ہے، اور وقت مسنون زوال سے لے کر غروب تک ممتد ہے، اور غروب سے لے کر طلوع تک وقت مکروہ ہے، اور جب چوتھے دن کی فجر طلوع ہوجائے تو اب ادائیگی کا وقت فوت ہوگیا، اور ایام تشریق کے آخر تک وقت قضا رہتا ہے (شامی ۲/۵۴۱)۔

اور اگر عید کے دن یا دوسرے اور تیسرے دن میں سے کسی دن رمی نہ کرسکے تو آنے والی رات میں یعنی عید کے چوتھے دن تک (تیرہ ذی الحجہ تک) کسی اگلے دن رمی کرے، اور اس پر کوئی چیز نہیں ہے مگر اس نے برا کیا اگر بغیر عذر کے کیا ہے (شامی ۲/۵۴۱)۔

اور اگر تمام ایام کی رمی کو مؤخر کیا تو سب کی قضا کرے گا، اور اس پر تاوان ہے، اور اگر قضا بھی نہیں کی یہاں تک کہ چوتھے دن کا سورج بھی غروب ہوگیا تو اب قضا کا وقت بھی فوت ہوگیا، اور وہ فرماتے ہیں کہ چوتھے دن کی فجر کے بعد چوتھے دن کی رمی کا وقت ادا ہے، اور دیگر گزرے ہوئے ایام کی رمی کا وقت قضا ہے، اور دلیل حضرت عباسؓ کی روایت ہے کہ جب دن شروع ہوجائے تو رمی کرو (المبسوط للسرخسی ۴/۶۵، نیز شامی ۲/۵۴۱-۵۴۲)۔

اور جس طرح پہلے دن میں زوال شمس سے قبل رمی کرنا جائز ہے اسی طرح آخری دن میں بھی قبل زوال شمس رمی کرنا جائز ہے، اور یہ اس لیے کہ چوتھے دن میں رمی کو بالکلیہ ترک کرنا جائز ہے، پس اس لحاظ سے اس دن کی رمی نوافل کے مشابہ ہوگئی اور نوافل میں توقیت عزیمت نہیں ہوسکتی، لہذا اس میں زوال سے پہلے رمی کو جائز قرار دیا تاکہ حاجی رات سے پہلے مکہ پہنچ جائے (دیکھئے: المبسوط ۴/ ۶۹)۔

مذہب مالکی:

امام مالکؒ نے امام نافعؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر روایت فرماتے تھے کہ تینوں دنوں میں زوال آفتاب سے قبل رمی نہیں کی جائے گی جیسا کہ مؤطا امام مالک میں یہ روایت مذکور ہے: "عن نافع أن عبد اللّٰه بن عمر كان يقول لا ترم الجمار الثلاثة حتى تزول الشمس" اور ایک قول کے مطابق قبل زوال شمس رمی کرنا سنت ہے، جیسا کہ اوجز المسالک (۱۸/ ۵۷) میں ہے:

لیکن اگر کوئی شخص زوال سے قبل رمی کرلے تو جمہور علماء کے نزدیک بعد زوال رمی کا اعادہ ضروری ہے، یہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، اصحاب الرائے اور اسحاق کا قول ہے (اوجز المسالک ۸/ ۵۷)۔

امام مالکؒ کے یہاں یوم النحر کو رمی کا وقت طلوع فجر سے داخل ہوجاتا ہے اور غروب تک وقت ادا باقی رہتا ہے، پھر ایام تشریق کے آخر تک وقت قضا باقی رہتا ہے، اور افضل وقت طلوع شمس سے زوال تک ہے (ہدایۃ السالک ۲/ ۱۰۹۴)۔

مذہب شافعی:

امام شافعیؒ کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی فجر سے قبل رات میں جائز ہے، اور حضرت ام سلمہ کی حدیث کی بنا پر رمی کا وقت دسویں ذی الحجہ کی نصف شب سے داخل ہوتا ہے اور غروب شمس

تک باقی رہتا ہے۔لیکن افضل یہ ہے کہ آفتاب بلند ہونے کے بعد اور زوال سے پہلے رمی کی جائے (ہدایۃ السالک ۳/ ۱۰۹۴)۔

ووقت رميها الفاضل عند الشافعية بعد ارتفاع الشمس قدر رمح وقبل الزوال (ہدایۃ السالک ۳/ ۱۰۹۶)۔

خلاصہ یہ کہ شوافع کے یہاں رمی کے اوقات تین قسم پر ہیں: (۱) افضل وقت طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک ہے، (۲) وقت اختیار: زوال سے لے کر غروب تک ہے، (۳) وقت جواز: ایام تشریق کے آخر تک ہے۔

مذہب حنبلی:

حنابلہ کے یہاں رمی کا افضل وقت آفتاب طلوع ہونے کے بعد سے لے کر زوال تک ہے، اور وقت جواز نصف شب سے ایام تشریق کے آخر تک ہے، لیکن ایام تشریق کی راتوں میں رمی نہیں کرے گا، اور اگر کوئی رمی کو مؤخر کرے تو وہ تشریق میں زوال کے بعد کریگا اور اس پر کوئی دم نہیں ہوگا، خلاصہ یہ کہ عند الحنابلہ رمی کے اوقات دو قسم پر ہیں:

(۱) وقت افضل آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہے، (۲) وقت جواز اس کی ابتداء دسویں تاریخ کی نصف شب سے ہوتی ہے (ہدایۃ السالک ۳/ ۱۰۹۷، کتاب الفقہ ۱/ ۶۰۲)۔

مذکورہ بالا تمام فقہی مذاہب اور آراء سے متعلق جو شرعی نصوص ہیں ان کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ ان شرعی نصوص کا گہرائی سے مطالعہ اور غور وفکر کر کے صحیح و درست نتیجہ پر پہنچ سکیں، وہ شرعی نصوص یہ ہیں:

۱ – "واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى واتقوا الله واعلموا أنكم إليه تحشرون" (سورۂ بقرہ/ ۲۰۳)۔

(اور اللہ کو یاد کرو مقررہ دنوں میں پھر جو شخص جلدی کرکے (دودن میں منیٰ سے)

چلا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں، یہ اس کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اسی کے پاس اکٹھا کیے جاؤ گے)۔

جمہور مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ایام معدودات سے مراد یوم النحر کے علاوہ ایام تشریق (یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ) ہیں، اور ایام تشریق مراد ہونا آیت کریمہ کے بعد والے ٹکڑے "فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه" سے ہے۔نیز اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: أيام منىٰ ثلاثة فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه، کہ منیٰ کے ایام تین ہیں پس جو شخص دو دنوں میں جلدی کر کے (منیٰ سے کوچ کر جائے) اس پر کوئی حرج نہیں ہے (احکام القرآن لابن العربی ۱/۱۹۹)۔

مذکورہ آیت کریمہ اپنے نص سے اور سنت نبوی سے اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایام تشریق تینوں جمرات کی رمی کا وقت ہے اور جمرۂ عقبہ کی رمی کے وقت پر آئندہ آنے والی صحیح حدیث دلالت کرتی ہے۔

۲-صحیح بخاری میں باب رمی الجمار کے تحت اور صحیح مسلم میں باب بیان وقت استحباب الرمی کے تحت حضرت جابرؓ کی یہ روایت مذکور ہے: "رمى النبي ﷺ يوم النحر ضحىٰ و رمى بعد ذلك بعد الزوال" (آپ ﷺ نے جمرۂ عقبہ کی رمی یوم النحر (۱۰/ذی الحجہ) کو چاشت کے وقت کی اور اس کے بعد والے ایام میں زوال آفتاب کے بعد کرتے تھے)۔

۳-امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے: " عن عائشة قالت: نزلنا المزدلفة فاستأذنت النبي ﷺ سودة أن تدفع قبل حطمة الناس وكانت امرأة بطيئة فأذن لها، فدفعت قبل حطمة الناس وأقمنا حتى أصبحنا نحن ثم دفعنا بدفعه فلأن أكون استأذنت رسول الله ﷺ كما استأذنت سودة أحب إلي من مفروح به "۔

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ مزدلفہ میں اترے، حضرت سودہؓ نے رسول اللہ

ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ لوگوں کے ازدحام سے پہلے منیٰ روانہ ہوجائیں، وہ سست رفتار عورت تھیں، تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی، تو وہ لوگوں کے ازدحام سے قبل منیٰ چلی آئیں اور ہم لوگ صبح تک مزدلفہ میں مقیم رہے، اگر میں حضرت سودہ کی طرح رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرلیتی تو مجھ کو خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا)۔

جمرۂ عقبہ کے پاس حضرت عائشہ بھیڑ دیکھ کر تمنا کررہی ہیں کہ کاش میں بھی حضرت سودہؓ کی طرح مزدلفہ سے پہلے چلنے کی اجازت حاصل کرلیتی۔

۴-باب إذا رمى بعد ما أمسى کے تحت امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے: " عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال كان النبي ﷺ يسأل يوم النحر بمنىٰ فيقول: "لاحرج"، فسأله رجل فقال: حلقت قبل أن أذبح قال: "اذبح ولا حرج"، قال: رميت بعد ما أمسيت فقال: "لاحرج".

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں حج کے مسائل آپ ﷺ سے دریافت کئے جاتے تھے تو آپ ﷺ فرماتے: کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے ذبح سے پہلے حلق کرالیا، آپ ﷺ نے فرمایا: قربانی کرلو کچھ حرج نہیں، اور اس نے عرض کیا کہ میں نے شام ہوجانے کے بعد رمی کی، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں)۔

۵- باب رمی الجمار کے ماتحت امام بخاریؒ نے ایک روایت نقل کی ہے: " عن وبرة قال: سألت عن ابن عمر رضی اللہ عنہ متىٰ أرمي الجمار؟ قال: إذا رمى إمامك فارمه فأعدت عليه المسئلة قال كنا نتحين فإذا زالت الشمس رمينا".

(حضرت ابن عمر سے حضرت وبرہؒ نے سوال کیا کہ میں رمی جمار کب کروں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب تمہارے امام رمی کریں تو تم بھی رمی کرو، میں نے ان سے دوبارہ سوال کیا تو فرمایا: ہم لوگ انتظار کرتے تھے یہاں تک کہ جب سورج ڈھل جاتا تھا تو ہم لوگ رمی کرتے تھے)۔

اس روایت میں دلیل ہے اس بات پر کہ عید کے دن کے ماسوا ایام میں رمی جمار زوال کے بعد سنت ہے۔

۶-"عن أسماء أنها نزلت ليلة جمع عند المزدلفة فقامت تصلي فصلت ساعة ثم قالت: يا بني هل غاب القمر؟ قلت: لا، فصلت ساعة، ثم قالت: هل غاب القمر؟ قلت: نعم، قالت: فارتحلوا فارتحلنا ومضينا حتى رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها، فقلت لها: يا هنتاه ما أرانا إلا قد غلسنا، قالت: يا بني أن رسول الله ﷺ أذن للظعن".

(حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ وہ جمع بین الصلوتین کی رات مزدلفہ میں اتریں، پھر نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہوئیں تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر (اپنے غلام عبداللہ) سے دریافت کیا: اے میرے بیٹے! کیا چاند غائب ہوگیا؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے پھر تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر دریافت کیا: کیا چاند غائب ہوگیا؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: پھر تو کوچ کرو تو ہم لوگوں نے کوچ کیا اور ہم چلے یہاں تک کہ انہوں نے جمرہ کی رمی کی پھر واپس ہوئیں اور اپنی منزل پر صبح کی نماز ادا کی، میں نے ان سے کہا: بی بی جی! ہمارا خیال ہے کہ ہم نے تاریکی میں وقت سے پہلے کنکریاں ماریں، انہوں نے کہا: بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے)۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فجر سے قبل سویرے عورتوں کے لیے رمی کرنے کی آپ ﷺ نے اجازت دی ہے، اس طرح غلام کے "غلسنا "کا اپنے اس قول سے جواب دیا ہے جو امام مالکؒ نے روایت کیا ہے: " لقد كنا نفعل ذلك مع من هو خير منك تعني النبي ﷺ" کہ یہ کام ہم ان کے ساتھ کرتے تھے جو تم سے بہتر ہیں یعنی نبی ﷺ (فتح الباری ۴/ ۳۴۴)۔

اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں: "إنا كنا نصنع هذا على عهد رسول

اللہ ﷺ" ہم یہ کام آپ ﷺ کے عہد میں کرتے تھے (فتح الباری ۴ر ۳۴۴)۔

۷-امام بخاریؒ نے باب من قدم ضعفة أهله بليل کے تحت حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت نقل کی ہے: "أنا ممن قدم النبي ﷺ ليلة المزدلفة في ضعفة أهله" کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو مزدلفہ کی رات نبی ﷺ نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کے ساتھ آگے (منیٰ میں) بھیج دیا تھا۔

۸-امام مالکؒ نے باب تاخير رمي الحجارة من علة أو من غير علة کے تحت یہ روایت نقل فرمائی ہے: "عن رسول الله ﷺ أنه رخص لرعاء الإبل في البيتوتة، يرمون يوم النحر ثم يرمون من الغد، أو من بعد الغد ليومين ثم يرمون يوم النفر"۔

(رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے چرواہوں کو (منیٰ سے باہر) رات گذارنے کی اجازت دی، وہ یوم نُحر کو رمی کرتے تھے، پھر اس کے بعد کل یا پرسوں دونوں کی رمی کرتے تھے، پھر منیٰ سے کوچ کرنے کے دن رمی کرتے تھے) (مؤطا امام مالکؒ ۲ر۴۰۷)۔

اور ممکن ہے کہ مذکورہ حدیث میں "يرمون يوم النحر" سے مراد یہ ہو کہ یوم نُحر کی رمی اس کی رات میں کی جائے جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی رخصت عنایت فرمائی۔ اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے چرواہوں کو رات میں اور دن میں جس وقت چاہے رمی کرنے کی اجازت عطا فرمائی (ہامش مؤطا امام مالک ۲ر ۴۰۸)۔

۹-حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے: "أن النبي ﷺ قال لغلمان بني عبد المطلب: لا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس" (أخرجه أبوداؤد والنسائي والطحاوي وابن حبان من طريق الحسن العرني) آپ ﷺ نے بنی عبد المطلب کے بچوں سے فرمایا کہ تم جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرو یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جائے (فتح الباری ۴ر ۳۴۴)۔

ان شرعی وفقہی نصوص کا خلاصہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے:

۱- یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی میں افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک ہے اور ایام تشریق میں افضل وقت زوال کے بعد سے غروب تک ہے، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

۲- اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کمزور عورتوں اور بچوں کے لیے طلوع آفتاب سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت دی ہے، البتہ فجر سے قبل رمی کی تھی یا اس کے بعد اس میں اختلاف ہے، احتمال دونوں طرح کا ہے۔

۳- یہاں اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ جس شخص کی ایک دن کی رمی چھوٹ جائے تو وہ دوسرے دن اول فرصت میں رمی کرے گا جو اسے حاصل ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ ۱۳؍ ذی الحجہ کی شام کو رمی ختم ہو جائے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی فوت ہو جائے تو زوال کے بعد رمی کرے گا یا کسی وقت بھی؟ اسی طرح اگر تینوں جمرات کی رمی کسی دن فوت ہو جائے تو وہ اس کی قضا زوال سے لے کر غروب تک کرے گا یا کسی وقت بھی رمی کی قضا کرنا صحیح ہے؟

۴- یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو رہی ہے کہ ہمارے فقہاء نے خاص حالات والوں کے لیے یا بھیڑ یا مرض کو ایسے اعذار میں شمار کیا ہے جن کی وجہ سے ان کے لیے دوسرے وقت میں یا دوسرے دن رمی کرنا جائز ہے جیسا کہ مذکورہ بالا شرعی نصوص سے بھی واضح ہوتا ہے۔

اور ان جیسے حالات کی بنیاد پر فقہ حنفی میں بھی یوم النحر کی رمی میں رخصت دیئے جانے کا تذکرہ ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: "**لكن لو تركه بعذر كزحمة لمزدلفة لا شيء عليه**" (شامی ۲/۵۱۱) اگر کوئی شخص ازدحام اور بھیڑ کے خطرہ کی بنیاد پر مزدلفہ میں رات گزارنا چھوڑ دے اور طلوع آفتاب سے قبل رمی کر لے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

اور مبسوط سرخسی میں ہے: "**فإن رمى جمرة العقبة يوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأه**" (المبسوط للسرخسی ۴/۶۸) اگر کسی نے یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی

طلوع فجر کے بعد طلوع شمس سے پہلے کر لی تو کافی ہو جائے گا۔

اور احناف سے دوسرے اور تیسرے دن کی رمی کے سلسلے میں ایک غیر مشہور روایت یہ بھی ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن میں افضل یہی ہے کہ زوال کے بعد رمی کی جائے لیکن اگر زوال سے پہلے بھی کر لی تو جائز ہے کیونکہ یوم النحر کو رمی کا وقت زوال سے پہلے ہے تو دوسرے اور تیسرے دن میں بھی اسی طرح ہوگا کیونکہ تینوں ایام یوم النحر ہی ہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)۔

امام الحسنؒ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا ارادہ نفر اول (منیٰ سے مکہ کی طرف کوچ کرنے) میں تعجیل ہے تو وہ تیسرے دن قبل زوال رمی کر لے اس پر کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر بعد زوال رمی کی تو وہ افضل ہے، اور اگر اس کا قصد تعجیل نہیں ہے تو زوال کے بعد رمی کرے گا کیونکہ جب حاجی کا ارادہ تعجیل کا ہے تو زوال کے بعد تک رمی کو مؤخر کرنے میں بسا اوقات حرج لاحق ہوتا ہے کہ وہ مکہ رات میں پہنچے گا، تو وہ زوال سے پہلے رمی کرنے کا محتاج ہے تا کہ مکہ دن میں پہنچے اور اپنے پڑاؤ کی جگہ معلوم کر لے تو اس کو اس کی (قبل زوال رمی کرنے کی) رخصت ضرور دی جائے گی، لیکن افضل ان حالات میں بھی بعد زوال ہی ہے (المبسوط ۴/ ۶۸)۔

مذکورہ نصوص شرعی وفقہی کو سامنے رکھتے ہوئے رمی جمار کے اوقات میں بقدر ضرورت جب تک یہ ازک حالات برقرار رہیں اس طرح کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

۱- وقت افضل:

یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی کا افضل وقت طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک رہے گا، آپ ﷺ کی اتباع میں یہی افضل ہوگا، اور گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو رمی کا افضل وقت زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے اور اس پر وہ تمام حضرات عمل کریں گے جو جسمانی طاقت رکھتے ہوں اور پریشان کن مرض یا ضیاع جان کا خطرہ نہ ہو۔

۲-وقت جواز:

یہ ہر اس شخص کے لیے وقت رخصت ہے جو وقت افضل میں رمی کرنے پر قادر ہو، ایسا شخص جمرۂ عقبہ کی رمی عید کے دن طلوع فجر سے قبل شروع کردے جیسا کہ آپ ﷺ نے کمزور عورتوں اور بچوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے، اسی طرح حضرت اسماء نے بھی رمی کی ہے اور یہ وقت اگلے دن کی فجر تک ہے یعنی گیارہویں کی صبح تک باقی رہتا ہے، اور یہ قول زمانہ کے حالات کے زیادہ مناسب ہے خاص طور پر جانوں کو ہلاکت سے بچانے کے لیے، اور تینوں جمرات کی رمی فجر سے شروع ہوکر اگلے دن کی فجر تک اس کا وقت باقی رہے گا، البتہ آخری دن یعنی تیرہ ذی الحجہ کو غروب تک باقی رہتا ہے۔

۳-وقت قضاء:

ایام تشریق اور رمی کے تمام ایام ہیں۔ لہٰذا جو شخص یوم النحر کو اول وقت میں جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرسکے یا بعد کے دنوں میں کسی بھی جمرہ کی رمی نہ کرسکے یا عذر کی بنیاد پر مکمل رمی چھوڑ دے تو وہ ایام تشریق میں اس کی قضا کرے، اور اس کے لیے وقت قضا گیارہ ذی الحجہ کی فجر سے لے کر تیرہ ذی الحجہ کی مغرب تک ہے جیسا کہ ماسبق میں ذکر کردہ مبسوط کی عبارت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

نبی رحمت ﷺ کی احادیث اور فقہائے امت کی تصریحات، ان کے مستنبط کردہ قواعد کی روشنی میں یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کا افضل وقت زوال کے بعد سے لے کر مغرب تک ہے، لیکن فقہائے امت میں سے کسی نے بھی ضرورت کی بنیاد پر دیگر اوقات میں رمی کو ممنوع نہیں کیا ہے اور ازدحام شدید تمام ضروریات سے بڑھ کر ضرورت ہے کیونکہ اس بات کا گویا یقین ہے کہ منیٰ میں ہر سال محض بھیڑ کی وجہ سے بہت سے افراد کی جانیں جاتی ہیں۔

یہ ضرورت اس بات کو لازم کرتی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی فجر سے دوسرے دن کی فجر تک رمی کے وقت میں توسیع کی جائے اور بقیہ دنوں کی رمی میں اس دن کی فجر سے لے کر اگلے دن کی فجر تک، یہاں تک کہ تیرہ ذی الحجہ کا آفتاب غروب ہو جائے۔

پھر بھیڑ کا عام طور پر بہت سے احکام میں اعتبار کیا گیا ہے مثلاً طواف اور سعی میں مردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ مزاحمت نہ کرنے کے سلسلے میں، یا حجر اسود کو بوسہ دینے کے سلسلے میں اور کمزوروں کو سویرے رمی کی اجازت دینے کے سلسلے میں، تو پھر حاجیوں کی تعداد کی کثرت کی وجہ سے حقیقی خطرہ لاحق ہو تو پھر اس مسئلہ میں توسیع کا راستہ اختیار کرنے کی گنجائش ہوگی۔

شرعی وسعت:

جس کو بھیڑ کا خطرہ ہو اور مزدلفہ میں رات گزارے بغیر عرفات سے سیدھا منیٰ چلا جائے اور قبل طلوع شمس رمی کرے تو اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا جیسا کہ ماسبق میں ذکر کردہ شامی کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، اسی طرح مبسوط میں ہے:

فإن رمى جمرة يوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأه، کہ اگر یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع فجر کے بعد طلوع شمس سے قبل کی تو اس کو کافی ہو جائے گا۔

گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ کو اگر کوئی قبل زوال رمی کرے تو جائز ہے جیسا کہ سرخسی اور بدائع کی عبارتیں گزریں۔

جو لوگ وقت افضل اور وقت مسنون میں رمی کرنے پر قادر نہ ہوں وہ لوگ بغیر کراہت کے بعد غروب بھی رمی کر سکتے ہیں۔ بوڑھے، بیمار، معذورین اور خواتین وغیرہ رات سے منیٰ پہنچ جائیں اور صبح صادق ہوتے ہی یہ حضرات رمی کر سکتے ہیں۔

مذکورہ وسعتیں عذر کی بنیاد پر دی جا رہی ہیں، اور جب تک یہ عذر باقی رہے گا ان وسعتوں پر مع شرائط ماسبق عمل کرنے کی گنجائش باقی رہے گی، اور جیسے ہی یہ اعذار ختم ہو جائیں گے یہ رخصتیں پھر باقی نہیں رہیں گے، قاعدہ ہے: "**ما جاز لعذر بطل بزواله**" کہ جو چیز عذر کی وجہ

سے جائز ہوئی ہو عذر کے زوال سے اس کا جواز باطل ہوجائے گا۔

تیرہویں ذی الحجہ کو رمی کب لازم ہوگی:

رمی جمار کے لیے چار دن مقرر ہیں، قربانی کا پہلا دن یعنی دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق کے تین دن، پہلا دن یعنی یوم النحر کو صرف جمرۂ عقبہ کی رمی واجب ہے اور اسکے بعد دو دن جو ایام قربانی بھی ہیں اور ایام تشریق بھی ہیں یعنی گیارہویں ذی الحجہ جس کو یوم القر بھی کہتے ہیں یعنی ٹھہرنے کا دن، اور بارہویں ذی الحجہ جس کو یوم النفر الاول یعنی روانگی کا پہلا دن کہتے ہیں، ان دونوں میں تینوں جمرات کی رمی کرنا واجب ہے، اور چوتھا دن تشریق کا خاص دن ہے اور وہ تیرہویں ذی الحجہ ہے جس کو یوم النفر الثاني یعنی روانگی کا دوسرا دن کہتے ہیں، اس روز کی رمی کب واجب ہوتی ہے اس سلسلے میں فقہاء کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں۔

امام مالکؒ نے عبداللہ بن عمرؓ کی روایت نقل فرمائی ہے: ''إن عبدالله بن عمر كان يقول: من غربت له الشمس من أوسط أيام التشريق وهو بمنىً فلا ينفرن حتى يرمي الجمار من الغد'' (مؤطا امام مالک باب من غربت له الشمس وهو بمنى النفر الاول وهو بمنى) کہ جو شخص منیٰ میں ہے اور ایام تشریق کے اوسط (بارہوی ذی الحجہ) کو سورج غروب ہوگیا تو وہ روانہ نہ ہو یہاں تک کہ جمرات کی رمی کرلے آئندہ کل (ایام تشریق کے تیسرے دن میں)۔

موفق فرماتے ہیں کہ حاجی کے منیٰ سے خروج کرنے سے پہلے سورج غروب ہوگیا تو وہ روانہ نہ ہو، چاہے وہ کوچ کر چکا ہو یا اپنی جگہ پر مقیم ہو، اس کے لیے منیٰ سے نکلنا جائز نہیں ہے، اور یہی قول حضرت عمرؓ، جابر بن زید، عطاء، طاؤس، مجاہد، ابان بن عثمان، مالک، ثوری، شافعی، اسحاق اور ابن منذرؒ کا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک تیرہویں کی فجر طلوع نہ ہو اس وقت تک اس کے لیے روانگی جائز ہے، کیونکہ دوسرا دن داخل نہیں ہوا ہے لہذا اس کے لیے روانگی جائز ہوگی (اوجز المسالک ۸/۳۶)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حاجی کے لیے منیٰ سے (طلوع فجر سے قبل نہ کہ اس کے بعد) روانہ ہونا جائز ہے رمی کا وقت داخل ہونے کی وجہ سے، لیکن وہ غروب شمس سے پہلے روانہ ہوجائے یعنی تیرہویں کو، لیکن پھر بھی روانہ نہیں ہوا غروب شمس تک تو اس کے لیے روانہ ہونا مکروہ ہے یہاں تک کہ وہ تیرہویں کی رمی کرلے، اور اگر تیرہویں کی فجر سے پہلے رات ہی کو روانہ ہوگیا تو اس پر کوئی دم نہیں لیکن اس نے برا کیا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بعد غروب روانہ ہونا جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص فجر طلوع ہوجانے کے بعد رمی کئے بغیر روانہ ہوتو بالاتفاق اس پر دم واجب ہے (شامی ۴/ ۵۴۳)۔

اورہدایہ میں ہے کہ حاجی کے لیے چوتھے دن (تیرہویں ذی الحجہ) کی فجر سے پہلے (منیٰ سے) روانہ ہونا جائز ہے، پھر جب چوتھے دن کی فجر طلوع ہوجائے تو اس کے لیے روانگی جائز نہیں، کیونکہ رمی کا وقت داخل ہوچکا ہے، اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ ان کے نزدیک جب بارہویں کا سورج غروب ہوجائے تو روانگی جائز نہیں ہے، اور یہی فرماتے ہیں امام مالکؒ اور امام احمدؒ، اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے حضرت عمرؓ کی روایت کی وجہ سے کہ جس میں یہ الفاظ ہیں: "أدركه المساء" (أوجز المسالک ۸/ ۴۷)۔

لیکن چونکہ رات چوتھے دن کی رمی کا وقت نہیں ہے کیونکہ تیرہویں کی رات بارہویں ذی الحجہ کے دن کے ساتھ ملحق ہے، یہی وجہ ہے کہ بارہویں کی رمی کو ترک کردیا اور اسی رات میں یہ رمی ادا کی تو جائز ہے۔ اور حضرت عمرؓ والی روایت ثابت ہوجائے تو وہ افضلیت پر محمول ہوگی کہ بعد غروب افضل یہ ہے کہ روانہ نہ ہو، اسی وجہ سے تو حنفیہ بعد غروب نکلنے کو مکروہ کہتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا شامی کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

سرخسی کہتے ہیں کہ کسی شخص نے تیسرے دن (بارہویں ذی الحجہ کو) رمی کرلی تو اس کو روانگی اور چوتھے دن کی رمی کرنے تک ٹھہرنے کے بارے میں اختیار ہے آیت کریمہ: "فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلاإثم عليه" کی وجہ سے، اور یہ اختیار چوتھے دن

(تیرہویں) کی فجر تک ممتد ہوگا عندالاحناف، اور شوافع کے نزدیک تیسرے دن (بارہویں) کے غروب شمس تک ممتد ہوگا کیونکہ خیار میں منصوص علیہ 'یوم' ہے اور یوم غروب شمس تک ممتد ہوتا ہے، اور ہمارے (احناف کے) یہاں تیسرے دن کی رات چوتھے دن کی رمی کا وقت نہیں ہے لہذا یہ اختیار قبل غروب شمس باقی رہے گا بخلاف چوتھے دن کے کہ فجر کے طلوع کے بعد کا وقت چوتھے دن کی رمی کا وقت ہے لہذا اس کے بعد اختیار باقی رہے گا، اور یہاں تو راتیں اگلے دن کے تابع ہیں تو جس طرح اس کا اختیار تیسرے دن میں تھا اسی طرح بعد والی رات میں بھی باقی رہے گا (المبسوط ۴/ ۶۸)۔

خلاصۂ بحث:

بارہویں ذی الحجہ کو حجاج کرام رمی جمار کے بعد قبل غروب منیٰ سے خروج کی فکر میں ہوتے ہیں اور ان کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر منیٰ میں اقامت کے دوران سورج غروب ہوگیا تو تیرہویں ذی الحجہ کی رمی بھی ہوجائے گی حالانکہ مغرب کے بعد منیٰ سے خروج کرنے کی زیادہ سے زیادہ کراہت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا فقہی نصوص اس پر دال ہیں، اگر غروب کے بعد بھی کوئی انسان نکلے گا تو اس پر کوئی دم واجب نہیں ہوگا، لہذا کوئی شخص بعد غروب بھی نکلے گا تو اس پر تیرہویں کو رکنا لازم نہیں ہے اور نہ ہی رمی کرنا واجب ہوگا، تیرہویں کا قیام اور پھر رمی اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ تیرہ ذی الحجہ کی فجر طلوع ہونے تک مقیم رہا ہو۔

مبیت منیٰ کا حکم:

آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں رات گزارنا بالاتفاق سنت ہے (یعنی نویں ذی الحجہ کی رات)۔

البتہ ایام تشریق کی راتیں (گیارہویں اور بارہویں رات متعجل کے لیے اور تیرہویں رات غیر متعجل کے لیے) منیٰ میں گزارنے کے بارے میں دو رائیں ہیں: (۱) مبیت منیٰ سنت ہے، (۲) مبیت منیٰ واجب ہے۔

پہلی رائے احناف کی ہے، آٹھویں ذی الحجہ کو مبیت منیٰ سنت ہے اور اسی طرح گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو بھی مبیت منیٰ سنت ہے، اگر کوئی ٹھہر ارہے تو یہ افضل ہے اور اگر ترک کر دیا تو اس پر کوئی سزا نہیں، البتہ ترک سنت کی بنیاد پر مسیئ ہوگا، اور یہ اس لیے کہ آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو پانی پلانے کے لیے مکہ میں رات گزارنے کی اجازت دی تھی۔

دوسری رائے جمہور کی ہے کہ تشریق کی دونوں راتیں اور غیر متعجل کے لیے تیسری رات بھی منیٰ میں گزارنا واجب ہے، اور جو شخص مبیت منیٰ کو ترک کر دے اس پر دم واجب ہوگا مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک (دیکھئے: الفقہ الاسلامی ۳/ ۲۰۴)۔

اسی طرح اوجز المسالک (۸/ ۲۵) میں ہے کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ منیٰ کی راتیں کوئی شخص منیٰ سے باہر نہ گذارے، اور مبیت منیٰ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مشہور قول کے مطابق واجب ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق اور احمد کی ایک روایت کے مطابق سنت ہے اور عدم وجوب پر دلیل حضرت عباسؓ سے مروی بخاری شریف کی ایک روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے پانی پلانے کی غرض سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رات گزارنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت عطا فرما دی، اگر یہ واجب ہوتا تو آپ ﷺ ان کو اجازت عطا نہ فرماتے۔

اور شرح لباب میں ہے کہ نہ وہ مکہ میں رات گزارے اور نہ راستہ میں، اس لیے کہ منیٰ کی راتوں میں رات گزارنا ہمارے نزدیک سنت ہے، اور اگر رات کا اکثر حصہ غیر منیٰ میں گزارے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے، اور ہمارے نزدیک ایسے شخص پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، اور ماسبق میں گزر چکا ہے کہ ایک قول امام شافعیؒ کا اور ایک روایت امام احمد کی ہے کہ وہ سنت ہے اور اس کو روایت کیا گیا ہے حسن سے، اور امام محمدؒ نے باب کے ختم پر کہا کہ ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں کہ کسی حاجی کو حج کی راتوں میں منیٰ کے علاوہ میں رات گزارنا مناسب نہیں ہے، اگر ایسا کیا ہے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ کا اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے (اوجز المسالک ۸/ ۲۷)۔

اسی طرح مبسوط سرخسی (۴/ ٦٧) میں ہے کہ اگر کوئی شخص منیٰ کے ایام میں مکہ میں ٹھہرا رہا اور وہ روزانہ منیٰ میں آتا ہے اور رمی جمار کرتا ہے تو اس نے برا کیا اور اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے سنت چھوڑ دی ہے اور وہ ہے منیٰ میں منیٰ کی راتیں گزارنا، اور ہم نے وضاحت کی ہے کہ حضرت عباسؓ نے پانی پلانے کے واسطے اس سلسلے میں آپ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت عطا فرمائی، یہ دلالت کرتا ہے کہ مبیت منیٰ واجب نہیں ہے۔

اور یوم الترویۃ یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں رات گزارنے سے متعلق علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ وہ سنت ہے، "**قوله ومكث بها إلى فجر عرفة أفاد طلب المبيت بها فإنه سنة كما في المحيط**" (شامی ۲/ ۵۰۳)۔

اور مبسوط (۴/ ۵۲) میں ہے کہ حاجی کے لیے مستحب ہے یوم الترویۃ (آٹھویں ذی الحجہ) کو منیٰ میں ظہر پڑھنا اور عرفہ کی صبح تک منیٰ میں قیام کرنا۔

نویں ذی الحجہ گزرنے پر مزدلفہ میں رات گزارنا:

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ مزدلفہ میں فجر تک رات گزارنا سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں ہے (شامی ۲/ ۵۱۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی الفقہ الإسلامی ۳/ ۱۸۸ میں تحریر فرماتے ہیں: "**والسنة أن يبيت ليلة الفجر بمزدلفة والبيتوتة ليست بواجبة**" کہ نحر کی رات مزدلفہ میں گزارنا سنت ہے اور مبیت مزدلفہ واجب نہیں ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مبیت مزدلفہ سنت ہے۔ "**والمبيت بمزدلفة سنة**" (فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۱۹)۔

مذکورہ بالا فقہی عبارتوں کی روشنی میں قیام منیٰ ومزدلفہ کی حیثیت:

۱- آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں فجر تک رات گزارنا (اس رات کو نہ مکہ میں رہے اور نہ عرفات میں) سنت ہے۔

۲- ایام تشریق کی راتوں کو منیٰ میں رہنا یعنی گیارہویں اور بارہویں کی رات میں، اور جو شخص تیرہویں کی رمی کرنا چاہے تو اس کو تیرہویں کی رات میں بھی منیٰ میں رہنا سنت ہے، اور یہاں راتوں سے مراد ان دنوں کے بعد آنے والی راتیں ہیں نہ کہ ان دنوں سے پہلے کی راتیں۔

۳- نویں ذی الحجہ گزرنے پر عرفات سے واپس ہوتے وقت مزدلفہ میں ساری رات گزارنا سنت ہے۔

اگر کوئی حاجی وادی محسر اور جمرۂ عقبہ کے درمیانی حصہ میں کہیں بھی قیام کرے گا تو قیام منیٰ حاصل ہوجائے گا، اور ان حدود سے باہر قیام کرے گا تو قیام صحیح نہ ہوگا۔

حدود منیٰ میں آئے دن حجاج کرام کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے تنگی پیدا ہورہی ہے (یہی وجہ ہے کہ حدود منیٰ سے باہر مزدلفہ میں بھی اور حی العزیزیہ میں خیمے لگائے جاتے ہیں) ایسے حالات میں حاجی اگر حدود منیٰ میں جگہ نہیں پاتا ہے تو وہ مزدلفہ یا حی العزیزیہ میں لگنے والے خیموں میں بلا کراہت قیام کرسکتا ہے، لیکن جن حجاج کو حدود منیٰ میں خیمے ملتے ہیں وہ لوگ وہیں پر قیام کریں تاکہ مبیت منیٰ کی سنت پر عمل ہوجائے اور تارک سنت کا بلاوجہ مرتکب نہ ہو۔

جن لوگوں کو حدود منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے مبیت منیٰ اور قیام منیٰ حاصل نہ ہوسکے وہ لوگ حدود منیٰ سے باہر مزدلفہ یا حی العزیزیہ میں یا مکۃ المکرمہ میں یا مضافات مکہ میں جہاں بھی قیام کرنا چاہیں کرسکتے ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ آپ ﷺ نے پانی پلانے کی غرض سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ترک مبیت کی اجازت عطا فرمائی تھی۔

کیونکہ جگہ نہ ملنے کی وجہ سے تو کہیں بھی قیام کرسکتا ہے **إذا ضاق الأمر اتسع**، لہٰذا مزدلفہ وغیرہ میں لگے ہوئے خیموں میں بھی قیام کرنا جائز ہوگا مگر مبیت منیٰ کی سنت حاصل نہیں ہوگی، البتہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے ترک سنت کی بنیاد پر مسئ نہیں کہلائے گا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا عبدالرشید قاسمی ☆

طلوع شمس سے پہلے صبح صادق سے دس ذی الحجہ کی رمی کا حکم:

امام سرخسی فرماتے ہیں کہ کسی عذر کی وجہ سے مثلاً مرض یا عورت کو بھیڑ کا خطرہ ہو تو مزدلفہ سے منیٰ آنے میں عجلت کرنا اور رات میں منیٰ آجانا جائز ہے، اور حدیث پیش فرماتے ہیں جس میں آپ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں میں سے کمزور لوگوں کو پہلے ہی رات میں مزدلفہ سے منیٰ بھیج دیا تھا، لیکن اگر کوئی شخص بغیر عذر ایسا کرے تو اس پر دم واجب ہوگا۔ اور رمی کا وقت آفتاب غروب ہونے تک باقی رہتا ہے، اور اگر رات ہی میں رمی کر لے تو اس پر کچھ واجب نہیں (المبسوط ۴/۶۸، نیز شامی ۳/۵۲۹)۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھیڑ یوں تو مزدلفہ، رمی جمار اور وقوف عرفہ میں ہر جگہ ہوتی ہے تو کیا عرفات سے بھی غروب شمس سے پہلے کوچ کر جائے، اس پر علامہ شامی نے کافی تفصیل اور دلچسپ بحث کی ہے، یہاں پر ہم صرف جواب کے حصے کو نقل کر رہے ہیں:

عجز اور مرض وغیرہ یہاں پر جو عذر مانا گیا ہے وہ آپ ﷺ کی حدیث: "قدم ضعفة أهله بليل" کی وجہ سے، اور عرفات میں اس کو عذر نہیں مانا گیا، مزید یہ کہ بعد طلوع شمس کوچ کرنے میں مشرکین کی مخالفت بھی ہے اس لیے کہ وہ لوگ عرفات سے قبل غروب ہی کوچ کر جاتے تھے۔

☆ مدرس جامع العلوم جامع مسجد پٹکاپور، کانپور۔

اس کے بعد علامہ شامی ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ واجب کا ترک اگر کسی عذر کی بناپر ہوتو اس کے ترک پر کچھ بھی نہیں ہے۔لیکن اگر عذر کی وجہ سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کیا تو اس کا حکم الگ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

لہذا اگر عذر کی وجہ سے کسی ممنوع فعل کا ارتکاب کیا مثلاً سلا ہوا کپڑا پہن لے تو اس پر تاوان ہے، اخیر میں وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے فجر سے پہلے رمی کر لے تو اس نے بُرا کیا لیکن اس پر کچھ واجب نہ ہوگا (دیکھئے: شامی ۳/ ۵۲۹)۔

اس مسئلے میں مرد وعورت کا حکم یکساں ہے:

ازدحام کے مسئلہ میں مرد وعورت کا حکم برابر ہے، علامہ شامی نے اس سلسلہ میں جو طویل بحث کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مزدلفہ سے کوچ کے عموم میں راستوں میں کافی بھیڑ ہوجائے گی اور وقوف مزدلفہ بھی ترک ہوگا، اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ صرف عورتوں کو حکم دیا جائے، مرد اس حکم میں شامل نہ ہوں، اور محیط میں جہاں مطلق ذکر کیا گیا ہے یعنی ہجوم کو عورتوں کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا وہاں مراد صرف عورتیں ہی ہوں مرد نہ ہوں، اس لیے اعذار کا عورتوں کے ساتھ ہونا واضح ہے بخلاف مردوں کے، یا محیط کے اطلاق میں مردوں کو بھی شامل کیا جائے، لیکن وہ مرد جو بیمار یا ضعیف ہوں جیسا کہ سراج میں اس کی صراحت بھی ہے کہ حکم صرف عورتوں کو ہے الا یہ کہ مردوں کو ضعف یا مرض لاحق ہوتو وہ رات میں کوچ کر سکتے ہیں (شامی ۳/ ۵۲۹)۔

خلاصہ یہ کہ ہجوم کے مسئلے میں مرد وعورت برابر ہیں، رہی وہ حدیث جس میں فرمایا گیا کہ ''لاترجموا حتیٰ تطلع الشمس'' یعنی سورج طلوع ہونے سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی نہ کرنا تو یہ وقت مستحب پر محمول ہوگا تاکہ دونوں روایتوں "قدم ضعفة أهله بليل اورحتی تطلع الشمس" پر تطبیق ہوجائے جیسا کہ علامہ کاسانی نے بدائع میں (۲/ ۳۲۳) میں بیان کیا ہے۔

ورنہ یہ عجیب بات ہوگی کہ حضور اکرم ﷺ بھیڑ سے بچنے کے لیے ضعفاء کو مزدلفہ سے

کوچ کرنے کو کہیں اور رمی سے منع کر دیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ انتظار وقت کی وجہ سے جمرات کے پاس مزید ہجوم ہوجائے گا جبکہ مزدلفہ کے مقابلہ میں یہاں جگہ کی وسعت کم ہے، لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ منع کرنے کا مقصد وقت مستحب کو بیان کرنا ہے۔

اور یہ کہنا کہ آپ علیہ السلام نے عورتوں اور ضعفاء کو اجازت دی لہٰذا تندرست اس سے خارج ہوجائیں گے بیشک درست ہے، لیکن اب نوعیت بدل چکی ہے، کسی تندرست کا ایک بار کمزوروں اور عورتوں کو رمی کرانے کے لیے لے جانا اور پھر دوبارہ اپنی رمی کے لیے جانا بہت مشکل ہے، لہٰذا جو تندرست ان کو رمی کرانے جائے گا اس کو بھی رمی کی گنجائش ہونا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ حالات میں مذکورہ دلائل کی روشنی میں دسویں ذی الحجہ کو قبل طلوع شمس رمی درست ہوگی۔

۲-۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی،حدود اور گنجائش:

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ تینوں جمرات کی رمی کا **افضل** وقت ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ذی الحجہ کو زوال سے لے کر غروب تک ہے، پھر بیان جواز کے وقت میں اختلاف ہے کہ کیا اس میں اس سے زیادہ کی گنجائش ہے یا نہیں، چنانچہ احناف کے یہاں دوسرے فقہاء کی طرح (تینوں جمرات کی رمی کا) **افضل** وقت زوال سے لے کر غروب تک ہے، لیکن ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی فجر کے بعد بھی **قول** غیر مشہور کی رو سے جائز ہے، علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

قربانی کے دنوں میں (یعنی ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کو) تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، لہٰذا مشہور قول کی رو سے اس سے قبل جائز نہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے، اور مسنون زوال سے لے کر غروب تک ہے، اور غروب سے لے کر فجر تک وقت مکروہ ہے، اور جب چوتھے دن فجر طلوع ہوجائے تو ادائیگی کا وقت فوت ہوگیا، اور قضا کا وقت ایام تشریق کے آخر تک باقی رہتا ہے (شامی ۳/ ۵۴۲)۔

علامہ کاسانی اپنی کتاب بدائع الصنائع میں اسی بات کو مزید وضاحت اور دلائل سے

فرما رہے ہیں فرماتے ہیں:

بہر حال رمی کا وقت ایام تشریق کے پہلے اور دوسرے دن جو رمی کے اعتبار سے دوسرا اور تیسرا دن ہے تو وہ زوال کے بعد ہے، زوال سے پہلے اگر کسی نے رمی کی تو امام ابوحنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق رمی جائز نہ ہوگی، اور امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ افضل وقت رمی جمار کا دوسرے اور تیسرے دن تو وہ زوال کے بعد ہے، لیکن اگر کسی نے زوال سے پہلے رمی کر لی تو یہ بھی جائز ہے، اس قول کی دلیل ذکر کرتے ہیں:

"وجه هذه الرواية أن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث لأن الكل أيام النحر" (بدائع ۲/ ۳۲۴)۔

یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال سے پہلے ہے لہٰذا دوسرے اور تیسرے دن بھی زوال سے پہلے رمی کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا کیونکہ یوم النحر ہونے میں تینوں دن برابر ہیں۔

آج کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے جبکہ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا جس میں رمی جمار کے وقت سیکڑوں لوگوں کی جانیں نہ جاتی ہوں، اگر امام ابوحنیفہؒ کے غیر مشہور قول کو اپنا لیا جائے تو اس کی گنجائش ہونا چاہئے۔

۳- ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کا حکم غروب آفتاب کے بعد:

رمی کے وقت میں تین حیثیتیں ہیں، افضل، مباح اور مکروہ۔ چنانچہ پہلے دن طلوع شمس سے زوال تک اور ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو زوال سے لے کر غروب تک بالاتفاق افضل وقت ہے، اور دس ذی الحجہ کو زوال کے بعد سے غروب تک مباح وقت ہے، اور رات کو رمی کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"والحاصل لو أخر الرمي في غير اليوم الرابع ليرمي في الليل التي تلي ذلك اليوم أخر رميه وكان أداء لأنها تابعة له وكره لتركه السنة" (شامی ۳/ ۵۴۲)۔

یعنی اگر چوتھے دن کے علاوہ (۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کی) رمی کومؤخر کرے تو پھر اس رات میں کرے جو رات اس دن سے ملی ہے اور یہ راتیں دن کے تابع ہیں، لیکن رات میں رمی کرنا ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہے۔

ظاہر ہے یہ مسئلہ یہاں بلاقید کے ذکر ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ کراہت ان لوگوں کے لئے ہے جو معذور نہیں ہیں، اور جو لوگ معذور ہوں ان کے لئے کراہت نہ رہے گی۔ لہذا ضعفاء دن کی رمی رات کو بغیر کسی کراہت کے کر سکتے ہیں، جبکہ علامہ کاسانی تو مطلق جواز کو فرمارہے ہیں:

اگر پہلے دن رمی نہیں کی یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، پھر اس نے یوم ثانی کے فجر سے پہلے پہلے رمی کرلی تو یہ رمی اس کے لئے کافی ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں ہے، ہمارے احناف کا یہی قول ہے، جبکہ امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق غروب شمس سے وقت ختم ہوجائے گا اور اس پر فدیہ ہوگا، جبکہ دوسرے قول کے مطابق وقت فوت نہیں ہوگا۔

لیکن صحیح بات وہی ہے جو ہمارے اصحاب (احناف) نے فرمائی حضور ﷺ کی حدیث کی وجہ سے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی، پھر فرماتے ہیں کہ یہ نہ کہا جائے کہ ان کو کسی عذر کی بناپر رخصت دی گئی کیونکہ حقیقتاً وہاں کوئی عذر تھا ہی نہیں اور عذر اس لئے نہ تھا کہ چرواہوں کے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ باری باری جانور چراتے اور باری باری آکر دن میں رمی کرتے، لہذا ثابت ہوا کہ اباحت بغیر کسی عذر کے ہے، اور حدیث مطلقاً (رات میں رمی کرنے کے لئے) جواز پر دلالت کرتی ہے تو دم بھی واجب نہ ہوگا (بدائع ۲/ ۳۴۴)۔

نوٹ: ہم نے متن کی عبارت "أن الإباحة كانت لعذر" کو "أن الاباحة كانت لغير عذر" مان کر ترجمہ کیا ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر سیاق وسباق میں ربط نہیں رہتا، واللہ اعلم۔

اور جب پہلے دن رات میں رمی کی اجازت ہے جبکہ پہلے دن وقت میں زیادہ وسعت ہے صبح سے ہی وقت شروع ہوجاتا ہے تو بقیہ دنوں میں رات میں رمی کی اجازت بطریق اولیٰ ہوگی، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"فإن أخر الرمي فيهما (اى يوم الثاني والثالث) إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولا شئ عليه لأن الليل وقت الرمي في ايام الرمي لما روينا من الحديث(أذن للرعاة أن يرموا بالليل)" (بدائع ۲/۳۲۴)۔

حاصل یہ کہ اگر عذر کی وجہ سے رات میں رمی کی جائے تو کراہت بھی نہ رہے گی، جس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک وقت عزیمت ہے اور ایک وقت رخصت، عزیمت تو وہ وقت افضل ہے جو قدرت والوں کے لئے ہے، اور رات کا وقت ضعفاء کے لئے وقت رخصت ہے۔ اس وقت علماء کرام یہی فتویٰ دے رہے ہیں لہٰذا ہم اس بحث کو یہیں پر ختم کرتے ہیں۔

۴- ۱۲/ذی الحجہ کی رات تک رکنے میں ۱۳/ذی الحجہ کی رمی کا حکم:

علماء احناف کے اس سلسلے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اگر ۱۲/ذی الحجہ کو غروب تک رک گئے تو اس پر چوتھے دن کی رمی واجب ہوجائے گی، دوسرا قول ہے کہ طلوع الفجر من الیوم الرابع تک اگر رکا رہے تو چوتھے دن کی رمی ہے ورنہ نہیں، اور یہی ظاہر مذہب ہے (اس سلسلے میں دیکھئے: شامی ۳/۵۴۱-۵۴۳)۔

یہ مسئلہ عام حالتوں میں ہے، لیکن اگر اسے عذر کی وجہ سے رکنا پڑا اور وہ اس طرح کہ اس کا ارادہ تو تھا کہ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کر کے مکہ روانہ ہوجائے لیکن ہجوم کی وجہ سے وہ ایسا نہ کرسکا اور مجبوراً اسے رات میں رکنا پڑا تو اب طلوع فجر سے پہلے پہلے مکہ روانہ ہوسکتا ہے، اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ ایسی صورت میں اس کے لئے کراہت باقی نہ رہے گی، پھر چونکہ ۱۳/ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے ہی شروع ہوجاتا ہے، رمی کے لئے اس کو زوال تک انتظار نہ

کرنا پڑے گا، لہذا افضل اس کے لئے یہی ہے کہ ۱۳ر کی رمی کر کے مکہ کے لئے روانہ ہو، اور اب عموماً مفتیان کرام یہی فتویٰ دے رہے ہیں۔

۵-معذور اور ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دسویں شب کے نصف سے دس ذی الحجہ کی رمی کا حکم:

یہ بات اوپر آ چکی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ضعفاء اور عورتوں کو اس کی اجازت دی "قدم أهله بليل"۔ اور فقہائے کرام نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ اگر طلوع فجر سے پہلے رات ہی میں مزدلفہ سے روانہ ہو جائے تو کمزوروں کے لئے اس کی اجازت ہے اور ترک وقوف مزدلفہ سے ان پر دم بھی واجب نہ ہوگا (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۲/۵۲۹)۔

اس سلسلہ میں جو روایات آئی ہیں ان میں تطبیق اس وقت ممکن ہے جبکہ صبح صادق اور بعد طلوع شمس والی روایتوں کو بیان استحباب پر محمول کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے بھیڑ سے بچنے کے لئے مزدلفہ سے کوچ کی اجازت دی، اب اگر یہ کہا جائے کہ کوچ تو کرلیں لیکن رمی کے لئے طلوع شمس یا طلوع فجر کا انتظار کریں یا ضعفاء اور عورتیں رمی کرلیں اور ان کو لے کر جانے والے تندرست طلوع کا انتظار کریں تو اس سے قلب موضوع لازم آئے گا کہ ایک جگہ تو آپ علیہ السلام ہجوم سے بچنے کے لئے روانہ ہونے کا حکم دیں اور دوسری جگہ جو مزدلفہ کے مقابلہ میں تنگ ہے رات میں رمی کی اجازت نہ دیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہاں کی بھیڑ وہاں جمع ہو جائے گی۔ اور جب کمزوروں اور عورتوں کو اجازت ہے تو جو لوگ ان سے جڑے ہوں گے ان کو بھی اجازت ہوگی، اور ان کے لئے بھی (۱) ترک وقوف مزدلفہ (۲) اس کی وجہ سے عدم وجوب دم اور (۳) رات میں رمی درست ہوگی۔ کیونکہ ایک شوہر کے لئے تنہا بیوی کو بھیجنا اور ایک بیٹے کے لئے تنہا اپنے بوڑھے باپ کو رمی کے لئے بھیجنا یا ان کو رمی کرا دینا اور اپنے کو وقت استحباب تک روکے رکھنا آج کے اس دور میں تقریباً ناممکن ہے، اب ہم اس سلسلے میں علامہ شامی کی آخری رائے نقل کر رہے ہیں:

مزدلفہ روانہ ہونے کی اجازت دینے کالازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ رمی کے وقت بھیڑ ہوجائے گی ،لہذا اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر رات میں جائے تا کہ لوگوں کے کوچ کرنے اور ان کے ہجوم سے پہلے (رات ہی میں) رمی کرے تو اس کی اجازت ہوگی، نیز وقوف مزدلفہ چھوٹ جانے کی وجہ سے اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور اس سلسلے میں مرد وعورت سب برابر ہیں۔ اور آج کے دور میں یہی حکم ان سے جڑے ہوئے لوگوں کا ہوگا کیونکہ بغیر کسی تندرست کے کمزوروں اور عورتوں کو جانا ممکن نہ ہوگا (شامی ۳؍۵۲۹)۔

مذکورہ بالا دلائل سے چار چیزیں معلوم ہوئیں:

(۱) رات میں روانہ ہونے سے ترک وقوف مزدلفہ، (۲) عدم وجوب دم، (۳) رات ہی میں رمی کرنے کی اجازت، (۴) کمزوروں اور عورتوں کے ساتھ ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے بھی رخصت ۔لہذا معذورین، خواتین نیز ان سے جڑے لوگوں کے لئے دس ذی الحجہ کو نصف شب سے رمی کرنا جائز ہوگا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بعد نصف لیل قبل طلوع فجر قادر اور معذور دونوں کے لئے رمی جائز ہے ۔اگر احناف کے یہاں اس کی گنجائش نہ بھی ہو تو مسئلہ مفقود الخبر کی طرح یہاں بھی ایسے نازک مرحلہ میں امام شافعیؒ کے مذہب کو اپنانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے ۔امام نووی شافعیؒ نے بڑی تفصیل سے اس کی وضاحت کی ہے کہ احادیث صحیحہ دونوں طرف ہیں اور تطبیق کی شکل یہی ہے، بعد طلوع الفجر والی روایتوں کو بیان استحباب پر محمول کیا جائے، اس سلسلے میں جو روایتیں ہیں وہ یہ ہیں:

امام شافعی اور اصحاب السنہ فرماتے ہیں کہ ضعفاء کا (خواہ مرد ہوں یا عورت) آدھی رات کے بعد طلوع فجر سے پہلے منیٰ آنا تا کہ وہ لوگوں کے ہجوم سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرلیں، یہ عمل حضرت عائشہؓ کی حدیث کی وجہ سے جائز ہوگا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت سودہؓ نے مزدلفہ کی رات میں اس بات کی اجازت چاہی تھی کہ وہ آپ علیہ السلام سے پہلے منیٰ چلی جائیں اور

لوگوں کے ہجوم سے پہلے رمی کرلیں اور وہ ضعیف تھیں تو آپ علیہ السلام نے ان کو اجازت دیدی، اس کو روایت کیا ہے بخاری اور مسلم نے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ کی رات پہلے روانہ کردیا تھا۔ پھر کچھ لوگ تو منیٰ میں فجر کی نماز کے لئے رک گئے، اور کچھ لوگ آگے روانہ ہوگئے اور جو پہلے آگئے انہوں نے جمرہ کی رمی کی۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کو رخصت دی تھی (بخاری و مسلم، بحوالہ کتاب المجموع للنووی ۸/۱۵۶)۔

حضرت عبداللہ جو حضرت اسماء کے غلام ہیں ان سے مروی ہے کہ حضرت اسماءؓ مزدلفہ میں اتریں اور نماز پڑھنا شروع کردیں، تھوڑی دیر نماز پڑھ کر پوچھا کہ اے بیٹے کیا چاند غائب ہوگیا؟ میں نے کہا: نہیں، پھر نماز شروع کردی تھوڑی دیر بعد پھر پوچھا: بیٹے کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا: جی ہاں، تو فرمایا کہ چلو کوچ کرو، چنانچہ ہم لوگ روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر انہوں نے رمی کی پھر واپس ہوئیں اور صبح کی نماز اپنے مقام پر پڑھی، میں نے ان سے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگ رات ہی میں چل پڑے تھے، تو فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ضعفاء کے لیے اس کی اجازت دی ہے (حوالہ سابق)۔

اور جب آپ منیٰ تشریف لائے تو جمرہ عقبہ کی رمی کی اور یہ واجبات حج میں سے ہے جیسا کہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے رمی کی اور فرمایا کہ حج کے مسائل مجھ سے سیکھ لو، مستحب یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی طلوع شمس کے بعد کرے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل میں سے ضعفاء کو روانہ کیا اور فرمایا کہ طلوع شمس سے پہلے رمی مت کرنا۔ لیکن اگر طلوع فجر سے پہلے نصف لیل کے بعد رمی کرے تو یہ اس کے لئے کافی ہوگا حضرت عائشہؓ کی روایت کی وجہ سے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے یوم النحر کو حضرت ام سلمہ کو روانہ کیا، چنانچہ انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی (کتاب المجموع ۸/۱۶۴)۔

اس کے بعد امام نووی ائمہ کے مذاہب اور روایتوں میں تطبیق بیان فرماتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی آدھی رات کے بعد جائز ہے، اور افضل یہ ہے کہ سورج نکلنے کے بعد رمی کی جائے، اور یہی قول حضرت عطاء اور احمد کا ہے، اور اسماء بنت ابی بکر، ابن ابی ملیکہ اور عکرمہ بن خالد کا یہی مذہب ہے۔

امام مالک، امام ابوحنیفہ اور اسحاق فرماتے ہیں کہ طلوع شمس کے بعد ہی رمی درست ہوگی۔ ان حضرات کا مستدل حضرت ابن عباس کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ طلوع شمس کے بعد رمی کرنا، اور یہ حدیث صحیح ہے، اور حضرت شوافع کی دلیل حضرت ام سلمہ وغیرہا کی احادیث ہیں، یہ حدیثیں بھی صحیح ہیں، نیز مزدلفہ سے منیٰ آنے میں تعجیل اور رات میں رمی کرنے کے سلسلے میں بے غبار ہیں، اور جملہ احادیث کے درمیان تطبیق اسی وقت ممکن ہوگی جبکہ حضرت ابن عباس والی حدیث کو بیان استحباب پر محمول کیا جائے، ورنہ بیان استحباب پر محمول نہ کرنے کی صورت میں رات والی احادیث متروک ہوجائیں گی (کتاب المجموع ۸/۱۷۷)۔

دوسری عبادتوں کے ماسوا صرف حج میں آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ " خذوا عني مناسككم "اور "افعل ولا حرج "اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا منشاء حج کے مسائل میں زیادہ سے زیادہ امت پر آسانی پیدا کرنا تھا۔

بہرکیف مذکورہ بالا دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دسویں شب کے نصف سے ضعفاء اور ان سے جڑے لوگوں کے لئے اس کی اجازت ہونی چاہئے۔

رمی جمار کے وقت میں توسیع سے متعلق مزید دلائل:

فقہی قواعد اس کے مؤید ہیں: "المشقة تجلب التيسير"، "إذا ضاق الأمر اتسع"، "لاضرر ولا ضرار"، "الضرورات تبيح المحظورات" وغیرہ۔

نمازوں کے اوقات کے سلسلے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کو اول وقت اور آخر وقت کی تعلیم فرمائی، لیکن حج آپ علیہ السلام نے صرف ایک ہی کیا ہے، لہذا یہ رمی

وقت افضل پر ہوگی، اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ ۱۱/ ۱۲رذی الحجہ کوقبل زوال رمی درست نہ ہو۔

یہاں ضرورت متحقق ہوچکی ہے اور ضرورتیں پانچ ہیں: دین، نفس، عقل، نسل، اور مال، لہٰذا جان بچانے کے لئے گنجائش ہونی چاہئے، اور یہ بات مشاہدہ میں آچکی ہے کہ عدم توسیع کی صورت میں ہر سال سیکڑوں جانیں جاتی ہیں یا حجاج سخت مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں، لوگ ایک دوسرے کوپیروں تلے روندتے ہیں جس سے توہین انسانیت ہوتی ہے اور اغیار کو ہنسنے اور اعتراض کرنے کاموقع بھی ہاتھ آتا ہے۔

پوری دنیا سے جتنے حجاج آتے ہیں ان کا وقت محدود میں رمی کرنا عقلاً بھی بے پناہ مشکل ہے۔ ڈاکٹر صلاح الدین سلطان نے اپنی کتاب ''رمی جمار کے وقت میں توسیع'' ص ۵۹، میں حجاج کی تعداد کو رمی جمار کے وقت اور مکان میں تقسیم کرکے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ وقت انتخاب میں اتنے حاجیوں کا رمی کرنا تقریباً ناممکن ہے، وہ اس طرح کہ حاجیوں کی تعداد، مکان کی تنگی اور ایک حاجی جتنی دیر رمی میں صرف کرتا ہے اور جمرات کے پاس ٹھہرتا ہے ان چیزوں کو آپس میں جوڑنے سے جونتیجہ نکلتا ہے وہ اس طرح ہے:

''حساب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی گذرنے والے دن میں چالیس ہزار سے زیادہ حجاج کی رمی دومنزل میں ہر منٹ میں محال ہے، ورنہ تو یہ متوقع ہے کہ کچھ لوگوں کی موت واقع ہو'' (ص/ ۵۹)۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''پس جبکہ ابھی بیس لاکھ افراد حج کرتے ہیں تو رمی کو زوال سے غروب تک یعنی صرف چھ گھنٹوں تک محدود رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر منٹ میں چالیس ہزار یا اس سے زائد افراد رمی کریں، اور یہ عقلی طور پر بھی محال ہے'' (ص ۹۴)۔

آپ نے افضل وقت میں رمی فرمائی لیکن عورتوں، کمزوروں، چرواہوں کو رات میں اور دس ذی الحجہ کوقبل طلوع اجازت دی یہ بیان جواز کے لئے تھا۔ یہ تو اس زمانے کی بات تھی جب ہجوم بہت کم تھا، اور اب اس سے سوگنا زیادہ بھیڑ بڑھ گئی ہے تو کیا اس کی اجازت نہ ہوگی؟ کیا یہ

ممکن ہے کہ آپ علیہ السلام امت کے چرواہوں کو اپنے اونٹوں کی حفاظت کی خاطر رات میں رمی کرنے کی اجازت دیں اور مسلمانوں کی خاطر جس میں کمزور لوگ، عورتیں اور بچے ہوں انہیں فجر سے لے کر دوسرے دن فجر تک رمی کی اجازت نہ دیں۔

چوتھے دن کا فجر اس شخص کی رمی کا وقت ہے جو زوال سے قبل منیٰ سے کوچ کرنا چاہے (الموسوط ۴؍ ۶۸-۶۹)۔

دس ذی الحجہ کو جب اس کی اجازت ہے کہ طلوع فجر سے لے کر پورا دن اور پوری رات رمی کرسکتا ہے جبکہ مجمع بٹا ہوا ہوتا ہے، کچھ مزدلفہ میں کچھ جمرات کے پاس، کچھ طواف کے لئے مکہ چلے جاتے ہیں اور اس دن صرف ایک جمرہ یعنی جمرہ عقبہ کی رمی ہوتی ہے تو یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ۱۱؍ ۱۲؍ ذی الحجہ کو بھی قبل زوال اجازت ہو، کیونکہ ۱۱؍ ۱۲؍ ذی الحجہ کا اصل عمل یہی ہے، اور مجمع بھی جمرات کے پاس کثیر ہوتا ہے مزید یہ کہ ان دنوں تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے۔

حج کے دوسرے ارکان اور رمی جمرات میں فرق ہے، طواف، سعی، اور وقوف عرفہ جو حج کے ارکان ہیں ان کی جگہیں کشادہ ہیں اور ان کے اوقات میں بھی وسعت ہے، لیکن رمی جمار کا وقت اور اس کی جگہ ان کے مقابلہ بہت تنگ ہے اور چھوٹ جانے پر دم واجب ہوتا ہے، اور کنکری حوض خاص میں گرنا چاہئے۔

۱۱؍ ۱۲؍ ذی الحجہ کی رمی قبل زوال سے متعلق احسن الفتاویٰ ۴؍ ۵۳۳ میں ایک سوال وجواب ہے جس میں سائل نے یہ سوال کیا ہے کہ ۱۱؍ ۱۲؍ کو قبل زوال ضعفاء رمی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جمہور کے قول کے مطابق مشہور مذہب تو یہی ہے کہ ان دنوں رمی زوال کے بعد کرنی چاہئے لیکن بعض اکابر علماء جن میں حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ یہ لوگ زحمت اور ہجوم سے بچنے کے لئے ۱۱؍ ۱۲؍ کی رمی اگر قبل زوال کرلیں تو کوئی حرج نہیں...... بعض لوگ کہتے ہیں ان حضرات نے اپنے قول سے رجوع فرمالیا تھا۔“

اس پر مفتی رشید احمد صاحب جواب تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”ان دنوں قبل زوال رمی کسی کے لیے بھی درست نہیں ہے، اور مفتی شفیع صاحب نے رجوع فرمالیا تھا، اور ممکن ہے کہ حضرت مفتی مہدی حسن صاحب کی طرف نسبت خود ساختہ ہو“ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۵۳۳)۔

لیکن مفتی رشید احمد صاحب کا یہ فتویٰ ۱۲/ ذی قعدہ ۹۲ھ کا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ فتویٰ کو کم از کم ۳۵/ سال گذر گئے۔ ۳۵/ سال قبل لوگ پانی کے جہاز سے حج کے لیے جاتے تھے اور منیٰ ومزدلفہ میں مجمع آج کی بنسبت عشر عشیر بھی نہ تھا، حادثات کا تناسب بھی تقریباً صفر تھا، اس کے باوجود ان حضرات اکابر نے اس کی ضرورت محسوس کی اور امام صاحب کے قول غیر مشہور پر فتویٰ دیا، اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حضرت مفتی شفیع صاحب نے رجوع فرمالیا (جبکہ دوسرے علماء سے رجوع کی صراحت نہیں ہے) تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت مفتی صاحب نے اور دوسرے علماء نے ضرورت محسوس کی اور اسی وجہ سے اس طرح کا فتویٰ دیا تھا، تو آج جبکہ سیکڑوں جانیں ہر سال بالیقین جاتی ہیں کیا اس کی گنجائش نہ ہوگی کہ امام صاحب کے قول غیر مشہور پر فتویٰ دیا جائے۔ کبھی کبھار رونما ہونے والے واقعات ”زوجہ مفقود الخبر“ میں ایک عورت پر ترس کھا کر امام مالکؒ کے مذہب کو اپنایا گیا تو ہر سال بالیقین سیکڑوں جانوں پر ترس کھاتے ہوئے کیا اپنے ہی مذہب کے امام، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کو (گوکہ وہ غیر مشہور ہے) اپنانا درست نہ ہوگا۔ کتب فقہ میں اس طرح کے مسائل بکثرت دیکھنے میں آئے ہیں کہ تغیر زمانہ کی وجہ سے صاحبین نے امام صاحب سے مخالفت کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ:

۱- دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل معذورین اور ان سے بڑے لوگوں کے لئے جائز ہوگی۔

۲- مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی

گنجائش ہوگی۔خصوصاً جب کہ امام ابوحنیفہ کا بھی ایک قول اسی کے یعنی قبل زوال کے مطابق ہے۔

۳- ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنے میں موجودہ صورت حال کے اعتبار سے کراہت نہ ہوگی۔

۴- اگر ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد منیٰ میں ٹھہر جائے تو ۱۳/ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی، البتہ اس کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ علی الصباح رمی کر کے مکہ روانہ ہو۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگ ۱۰/ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کی نصف سے کر سکتے ہیں۔

۱-حاجی کے لئے قیام منیٰ کی حیثیت:

"مکث بها إلى يوم عرفة أفاد طلب المبيت بها فإنه سنة كما في المحيط" (شامی ۳/ ۵۱۸)۔

"فيبيت بها للرمي اى ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شيئ" (شامی ۳/ ۵۴۰)۔

علماء احناف کے نزدیک مبیت منیٰ سنت ہے جبکہ شوافع کے نزدیک مبیت منیٰ واجب ہے۔ لہذا بلا کسی عذر مبیت منیٰ ترک کرنا مکروہ ہوگا، اور عذر کے ساتھ انشاء اللہ کراہت نہ رہے گی، لیکن یہاں خود ساختہ اور خود ایجاد کردہ اعذار کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ وہ اعذار مراد ہوں گے جن میں اس کا کوئی بس نہ چلے، لہذا اگر کسی شخص کا خیمہ ہی مزدلفہ میں واقع ہے تو اب اس کے لئے مناسب نہ ہوگا کہ اپنا خیمہ چھوڑ کر منیٰ میں مقیم ہو ورنہ اس طرح حکومت کی طرف سے کیا گیا سارا انظام درہم برہم ہو جائے گا، اور اس کے لئے اس سنت پر عمل کا لالچ دوسری ممنوعات کے ارتکاب کا ذریعہ بنے گا۔لہذا وہ قیام وہیں کرے جہاں حکومت کی طرف سے اس کو جگہ دی گئی ہے، اور اس شکل

میں اس کو قیام منیٰ کی سنت کا پورا اجر ملے گا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے حجر اسود کا بوسہ نہ دے کر دور سے استلام کر لینا، کیوں کہ بوسہ دینے میں خود کو یا دوسروں کو اذیت میں ڈالنا ہے جو جائز نہیں۔

۲- قیام منیٰ کے زمانے میں حدود منیٰ میں رہنا اور اس کی حیثیت:

جن دنوں قیام منیٰ سنت ہے ان دنوں منیٰ کے علاوہ بغیر کسی عذر کہیں اور رات گذارنا خواہ وہ حدود مکہ میں ہو تصریح فقہاء کے مطابق خلاف سنت ہوگا، البتہ اگر اس کا خیمہ منیٰ کے علاوہ کہیں اور ہو تو ایسی صورت میں اسے اپنے خیمے میں قیام کرنا لازم ہوگا۔

لہذا بلا عذر سنت کی خلاف ورزی یا حکومت کے قانون کی خلاف ورزی سے حج کے ثواب میں فرق پڑے گا۔

۳- قیام منیٰ کی مدت میں منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام اور اس کی شرعی حیثیت:

احادیث کی روشنی میں فقہاء نے یہ حدود متعین کی ہیں کہ کہاں کب وقوف واجب ہے اور کہاں کب قیام سنت ہے۔ اس لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون سی جگہ حدود حرم میں داخل ہے اور کون سی جگہ حدود حرم سے خارج ہے۔ لہذا بلا کسی عذر کے قیام منیٰ کے زمانے میں منیٰ کے علاوہ کہیں اور قیام کرنا فقہاء کی تصریح کے مطابق خلاف سنت ہوگا (البدائع ۲/ ۳۶۳)۔

"فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شيء لباب" (شامی ۳/ ۵۴۰)۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ منیٰ کو مکہ کی میونسپلٹی میں داخل کر لیا گیا لہذا اب قیام کے لیے دونوں کا حکم ایک ہوگا، چاہے وہ مکہ میں رات گذارے یا منیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اور یہ شبہ اس لیے نہ ہونا چاہئے کہ منیٰ، عرفات، مزدلفہ ان سب کی حدود متعین ہیں اور یہ سب توقیفی ہیں، ان میں کمی زیادتی اور تداخل نہیں ہوسکتا، اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مکہ کی میونسپلٹی نے منیٰ کو مکہ میں داخل کر لیا ہے لہذا منیٰ ومکہ دونوں کے مسائل حج کے باب یکساں ہوں گے۔

یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ وہ احکام جو کسی جگہ کے ساتھ مقید نہیں ہیں جیسے مدت سفر میں نمازوں کا قصر کرنا، اس طرح کے مسائل میں آبادی کے ربط وفصل سے احکام تبدیل ہو سکتے ہیں، لیکن حج کے وہ مخصوص مسائل جو مخصوص امکنہ کے ساتھ خاص ہیں وہاں اس طرح کوئی ترمیم حج کے مخصوص مسائل پر اثر انداز نہ ہوگی۔

لہٰذا بلا عذر منیٰ کے علاوہ کہیں اور ٹھہرنے سے قیام منیٰ کی سنت حاصل نہ ہوگی اور خلاف سنت ہونے کی وجہ سے اس کا یہ عمل مکروہ ہوگا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام حدیث وفقہ کی روشنی میں

مولانا محمد ابوبکر قاسمی ☆

دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

ائمہ اربعہ کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کی رمی کا افضل واولیٰ اور مستحب وقت طلوع آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے، رہا طلوع آفتاب سے قبل مگر صبح صادق کے بعد رمی کرنا تو سوائے امام شافعی کے ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد) کے نزدیک صحیح وتندرست اور کمزور وضعیف سب کے لیے مکروہ ہے، اور دوسری روایت کے اعتبار سے کمزور کے لیے بلاکراہت جائز ہے، اور تندرست کے لیے کراہت کے ساتھ مگر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہوگا، البتہ امام شافعی، عطاء، شعبی، طاؤس، سوید بن جبیر وغیرہ کے نزدیک ضعفاء کے لیے بلاکراہت جائز ہے، دلائل کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ یوم النحر کو رمی جمار کے سلسلہ میں کتب حدیث میں کئی حدیثیں مروی ہیں، ایک حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس سے امام ترمذی وغیرہ نے نقل کی ہے:

۱- "عن ابن عباس أن النبي ﷺ قدم ضعفة أهله وقال: لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس، أخرجه الترمذي وقال حديث حسن صحيح"

(ترمذی، باب ماجاء فی تقدیم الضعفۃ جلد اول)۔

(حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے گھر کے

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ ضلع دربھنگہ بہار۔

کمزور لوگوں کو (منیٰ) پہلے ہی بھیج دیا، ساتھ ہی یہ ہدایت فرمادی کہ جمرہ کی رمی نہ کرو گے یہاں تک کہ سورج نکل آئے، امام ترمذی کے بقول یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

۲- دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمر کی سند سے امام بخاریؒ نے نقل کی ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے گھر والوں میں سے کمزور لوگوں کو (عورتوں اور بچوں کو) پہلے ہی منیٰ روانہ کردیتے تھے وہ رات کو مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرتے پھر جب تک ان کے دل میں آتا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے پھر لوٹ جاتے امام کے ٹھہرنے اور اور لوٹنے سے پہلے، پھر ان میں سے بعض تو منیٰ میں صبح کی نماز کے وقت پہنچ جاتے، اور بعضے ان کے بعد، جب منیٰ میں پہنچتے تو کنکریاں مارتے، اور عبداللہ بن عمر کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے واسطے یہ اجازت دی ہے (بخاری، باب من قدم ضعفة اہلہ ۱/ ۲۲۷)۔

۳- تیسری روایت حضرت اسماءؓ کی ہے جسے مختلف محدثین نے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر مزدلفہ میں رات کو اتریں اور کھڑی ہوکر ایک گھڑی تک نماز پڑھتی رہیں، پھر کہنے لگیں: بیٹا کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا کہ نہیں، تب تھوڑی دیر اور نماز پڑھتی رہیں، پھر کہنے لگیں: کیا چاند ڈوب گیا؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: تو کوچ کرو، ہم نے کوچ کیا اور چلے، منیٰ میں پہنچ کر انہوں نے کنکریاں ماریں اور لوٹ کر صبح کی نماز اپنے ٹھکانے میں پڑھی، میں نے ان سے کہا: بی بی جی! ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے تاریکی میں (وقت سے پہلے) کنکریاں ماریں، انہوں نے کہا: بیٹا! آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے (حوالہ سابق)۔

پہلی روایت کو حضرات فقہاء نے رمی کے مستحب وقت پر محمول کیا ہے، دوسری روایت کو ائمہ ثلاثہ نے ابتدائے وقت پر، اور تیسری روایت سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے، امام شافعی کا صریح مستدل ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''إنا رمينا الجمرة بليل

وغلسنا" لیکن ابو داؤد کی روایت میں ایک راوی مجہول ہے، اس لیے محدثین کے اصول کے مطابق وہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ علامہ ماردینی نے الجوہر النقی میں حضرت اسماء کی حدیث سے سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

حضرت اسماءؓ کی مذکورہ حدیث میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی ہے، کیونکہ فجر کے بعد والے وقت کو بھی غلس کہا جاتا ہے لہٰذا اس روایت کو فجر کے وقت رمی ہی پر محمول کیا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا کہ حضرت اسماء نے اسی وقت رمی کی اور نماز کو قدرے مؤخر کیا اور اپنی قیامگاہ پر پہنچ کر نماز ادا کی، اور اگر اس حدیث میں فجر سے پہلے رمی کی صراحت بھی وارد ہو تب بھی آدھی رات کے بعد رمی کے جواز پر اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا (الجوہر النقی ۱/۵/۳۳۴ بحوالہ اعلاء السنن ۱۰/۱۴۵)۔

اور حضرت ابن عباس والی پہلی حدیث کے وقت مستحب پر محمول ہونے کی دلیل خود حضرت ابن عباس کی دوسری روایت ہے جسے امام طحاوی علیہ الرحمہ نے خود انہیں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"بعثني النبي ﷺ مع أهله و أمرني أن أرمي مع الفجر اھ (رواہ الطحاوي۱/ ر۔

(حضور پاک ﷺ نے مجھے اپنی اہلیہ کے ساتھ بھیجا اور مجھے نماز فجر کے ساتھ رمی کرنے کی تاکید فرمائی)۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر والی حدیث کے ذیل میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے اعلاء السنن میں لکھا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سورج نکلنے سے پہلے کمزور وضعیف لوگوں کا رمی کر لینا جائز ہے اور جب طلوع شمس سے قبل کمزور لوگوں کے لیے رمی کر لینا جائز ہے تو تندرست لوگوں کے لیے بھی سورج نکلنے سے پہلے رمی کر لینا درست ہے اگر چہ کراہت کے ساتھ ہو، کیونکہ وقت سے پہلے کسی کام کو کر لینا شرعاً کمزور لوگوں کے لیے بھی جائز نہیں ہے، ہاں سورج نکلنے سے قبل کمزور لوگوں کے رمی کر لینے میں شرعاً کوئی کراہت نہیں ہے (اعلاء السنن ۱۰/۱۴۵)۔

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد کمزور لوگوں کا رمی کر لینا تو بلا کراہت جائز ہے کیونکہ کمزور لوگوں کے لیے صراحت کے ساتھ صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے رمی کر لینے کی حدیث نبوی کی رو سے اجازت ہے، البتہ تندرست لوگوں کے حق میں طلوع شمس سے قبل رمی کر لینے کی شرعاً کراہت باقی رہے گی، واللہ اعلم۔

رات میں جمرۂ عقبہ کی رمی کا شرعی حکم:

صبح صادق سے قبل رات میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، سفیان ثوری کے نزدیک نہ صحیح وتندرست آدمی کے لیے جائز ہے اور نہ ہی کمزور وضعیف شخص کے لیے جائز ہے، اگر کسی نے کرلیا تو سورج نکلنے کے بعد اس کا اعادہ کرنا لازم ہوگا، اور اگر اعادہ نہیں کیا تو جرمانہ میں قربانی واجب ہوگی، البتہ امام شافعی، عطاء، طاؤس، امام شعبی وغیرہ کے نزدیک معذورین کے لیے طلوع فجر سے قبل رات میں بھی رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے (انوار مناسک از مفتی شبیر احمد ۱/ ۴۷۴)۔

اعلاء السنن میں ہے:

اگر کسی نے طلوع فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے رمی کیا تو جائز ہے، اور اگر طلوع فجر سے پہلے رمی کیا تو اس کا اعادہ کرے۔ امام احمد، امام اسحاق اور جمہور علماء اسی کے قائل ہیں، اور امام شافعی، عطاء، طاؤس، شعبی طلوع فجر سے قبل رمی کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔

امام شافعیؒ کی مستدل حدیث حضرت اسماء والی روایت پر کلام اور جمہور کی طرف سے اس کا جواب اوپر گذر چکا ہے۔

جمرۂ عقبہ کی رمی میں تاخیر کا حکم:

دسویں ذی الحجہ کو زوال سے قبل ہی جمرۂ عقبہ کی رمی افضل ومستحب ہے اور زوال کے

بعد غروب سے پہلے پہلے تک تاخیر کی جائے تب بھی بلا کراہت جائز ہے، البتہ بلاعذر زوال تک تاخیر خلاف سنت ہے، اور غروب ہوجانے کے بعد تاخیر کرنا تمام ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے، مگر جرمانہ میں دم کب واجب ہوگا اس میں علماء کے تین مذاہب ہیں:

۱-حضرت امام مالک، امام سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک اگر غروب شمس تک تاخیر کی ہے اور غروب کے بعد رمی کی ہے تو تاخیر کی وجہ سے کراہت کے ساتھ ساتھ جرمانہ میں ایک قربانی بھی واجب ہوگی۔

۲-حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک سورج غروب ہوجانے کے بعد رمی کرنا مکروہ تو ہے لیکن اگر گیارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے پہلے رمی کرلیتا ہے تو دم واجب نہیں ہے، اور اگر صبح صادق ہوجانے کے بعد رمی کرتا ہے تو کراہت کے ساتھ ساتھ ایک دم بھی واجب ہوگا، اور یہ سلسلہ یوم ثالث کے غروب تک رہے گا، اس کے بعد رمی جائز نہ ہوگی بلکہ صرف دم دینا لازم ہوگا۔

۳-حضرت امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، امام طحاوی وغیرہ کے نزدیک گیارہویں کی صبح صادق کے بعد رمی کرنا مکروہ تو ہے مگر کوئی دم یا جرمانہ واجب نہیں ہے، اور عدم وجوب دم کا سلسلہ تیرہویں ذی الحجہ کے غروب تک رہے گا، اور تیرہویں کے غروب شمس کے بعد رمی کی قضا جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ محل رمی اب بالکل ختم ہوگیا ہے، اور فوت رمی یعنی فوات واجب کی وجہ سے صرف ایک قربانی جرمانہ میں واجب ہوگی، لیکن حنفی مسلک کا مفتیٰ بہ قول وعمل امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے فرمان کے مطابق ہے کہ گیارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک تاخیر کرنے سے قضا اور دم دونوں لازم ہوں گے (مستفاد از معلم الحجاج / ۱۸۲، بحوالہ انوار مناسک / ۲۷۶ و ۲۷۷)۔

غنیۃ میں ہے: ''فوقت الجواز أداءً من طلوع الفجر فلا یصح قبله إلی طلوع الفجر من غد فإذا طلع فات وقت الأداء ولزمه الدم والقضاء'' (غنیۃ / ۹۱)۔

(رمی کی ادائیگی کا جائز وقت طلوع فجر سے ہے لہذا اس سے قبل رمی جائز نہیں ہے دوسرے دن کے طلوع فجر تک، اور جب گیارہویں ذی الحجہ کو طلوع فجر ہوگیا تو رمی کی ادائیگی کا وقت فوت ہوگیا، اور اب رمی کی قضا اور دم دونوں واجب ہوگا)۔

دسویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت جواز:

دسویں تاریخ کی رمی کے ابتدائی وقت اور آخری وقت کے سلسلہ میں اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں یہ بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت چوبیس گھنٹہ تک رہتا ہے، یعنی اس دن کی رمی یوم النحر یعنی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے لے کر پورے دن پھر غروب کے بعد سے پوری رات گیارہویں کی صبح صادق سے قبل تک کرنی جائز ہے (غنیۃ المناسک /۱۸۱)۔

لہذا چوبیس گھنٹے کے درمیان ہر طرح کے اور ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی سہولت کے پیش نظر نہایت ہی آرام سے کر سکتے ہیں، اور کمزور ضعیف لوگوں کو بھیڑ میں جا کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور ہر سال کا مشاہدہ ہے کہ دسویں کو غروب شمس تک جمرہ عقبہ پر کوئی بھیڑ نہیں رہتی، اور عشاء کے بعد تک تو تقریباً رمی کی جگہ بالکل خالی ہوجاتی ہے، اس کے باوجود اس دن کی رمی کے وقت میں مزید وسعت کی بات کرنا نہایت ہی غیر موزوں اور غیر مناسب ہے۔

گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

گیارہویں اور بارہویں تاریخوں میں تینوں جمرات کی رمی واجب ہے اور ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوکر دوسرے دن کی صبح تک رہتا ہے، مگر زوال شمس سے غروب شمس تک رمی کا مسنون وقت ہے، اور غروب شمس سے صبح صادق تک مکروہ وقت ہے، اور بارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے طلوع کے بعد سے گیارہویں تاریخ کی رمی کے لیے وقت

قضاشروع ہوجاتا ہے۔

لہذا اگر گیارہویں کی رمی کوبارہویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد تک مؤخر کردیا تو قضا اور دم دونوں لازم ہوجائیں گے، اسی طرح بارہویں ذی الحجہ کی رمی کو اگر اتنا مؤخر کردیا کہ تیرہویں کی صبح صادق ہوگئی، تو قضا اور کفارہ دونوں الگ الگ واجب ہوں گے، اور رمی کی قضا کا وقت تیرہویں تاریخ کے غروب تک رہتا ہے اس کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے، لہذا مؤخر کرنے کی صورت میں قضا جائز نہ ہوگی صرف دم دینا لازم ہوگا (غنیۃ الناسک /۹۷)۔

یہاں یہ یاد رہے کہ تیرہویں کی رمی اس وقت واجب ہوتی ہے جب تیرہویں تاریخ کومنیٰ ہی میں رک جائے ورنہ نہیں، اور تیرہویں کی رمی سے زوال آفتاب کے بعد سے غروب شمس کے درمیان تک فارغ ہوجانا لازم ہے۔

گیارہویں اور بارہویں تاریخ کوزوال شمس کے بعد رمی کرنے کاحکم:

گیارہویں اور بارہویں تاریخ کواگر زوال شمس سے قبل رمی کرے گا تو قول راجح کے مطابق وہ رمی صحیح نہیں ہوگی، لہذا اس رمی کا اعادہ لازم و واجب ہوگا، اسی طرح اگر تیرہویں تاریخ کورک گیا تو اس کی رمی بھی زوال شمس سے قبل جائز نہ ہوگی، اگر زوال شمس سے قبل کرے گا تو اس رمی کا اعادہ لازم ہوگا (مستفاد از فتاویٰ تاتارخانیہ ۲/ ۴۶۰)۔

دن طلوع ہونے سے پہلے رات میں رمی کرنا:

حج کرنے والے لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارہویں ذی الحجہ کی رمی گیارہویں تاریخ کے دن کے آنے سے پہلے رات ہی میں کرلیتے ہیں، اسی طرح بارہویں کی رمی بھی دن کے طلوع ہونے سے پہلے رات ہی میں کرلیتے ہیں لیکن ایسا کرنے والے شخص کے ذمہ رمی باقی رہ جاتی ہے، لہذا دن طلوع ہوجانے کے بعد دوبارہ رمی کرنا ان پر واجب ہے ورنہ ترک

رمی اور ترک واجب کا دم دینا ان پر لازم ہوگا، اس لیے کہ مسائل حج اور احکام حج میں رات اپنے بعد والے دن کے تابع نہیں ہوتی ہے بلکہ پہلے دن کے تابع ہوتی ہے، غنیۃ الناسک میں ہے:

''لأن الليالي في الحج في حكم الأيام الماضية'' (ص ۱۸۲) حج کے باب میں رات گذشتہ دنوں کے حکم میں اور اس کے تابع ہوتی ہے۔

گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت جواز:

گیارہویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت جواز زوال شمس سے لے کر بارہویں کی صبح صادق تک ہے، گویا تقریباً سترہ اٹھارہ گھنٹے کے درمیان کسی بھی وقت رمی کرنا جائز ہے، اور ضعیف وکمزور لوگوں کو رات میں رمی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، جب پوری رات رمی کرنا جائز ہے تو زوال شمس سے پہلے رمی کے جواز کے لیے سہولت تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔

نیز بارہویں ذی الحجہ کو غروب شمس کے بعد منیٰ سے روانہ ہونا اس وقت مکروہ ہے جب کہ غروب شمس سے قبل چین وسکون اور سہولت کے ساتھ رمی کر کے منیٰ سے نکلنے پر قادر ہو پھر بھی اس نے غروب شمس سے قبل رمی کر کے کوچ نہ کیا بلکہ سستی وکاہلی اور غفلت کے سبب رمی میں تاخیر کی اور غروب شمس کے بعد منیٰ سے کوچ کیا تو یہ صورت کراہت کی ہے، لیکن اگر لوگوں کی بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے رمی میں تاخیر کیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا پھر سورج ڈوبنے کے بعد رمی کر کے رات میں منیٰ سے کوچ کیا تو بلاشبہ یہ صورت جائز ہے۔ اور جہاں کراہت کی بات کہی گئی ہے وہاں پر بھیڑ نہ ہونے کی صورت مراد ہے، یہی وجہ ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے عورتوں اور کمزوروں کے لئے رات کو رمی کرنے کو حضرات فقہاء نے افضل لکھا ہے (دیکھئے غنیۃ الناسک / ۱۸۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بھیڑ کے عذر کی وجہ سے رمی میں تاخیر کرنا شرعاً جائز ہے، ہاں بلاعذر وقت مستحب سے تاخیر مکروہ ہے، نیز غنیۃ الناسک میں یہ مسئلہ بھی مذکور ہے کہ:

"ولو نفر من الليل قبيل طلوعه لاشي عليه في الظاهر عند الإمام" (غنیہ / ۱۸۴)۔

(اگر کوئی شخص بارہویں ذی الحجہ کو طلوع فجر سے پہلے رات کو منیٰ سے کوچ کرے تو امام ابوحنیفہ کی ظاہر روایت کے مطابق اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے)۔

تیرہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

اگر کسی نے تیرہویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک کراہت تنزیہی کے ساتھ رمی کرنا صحیح ہے، اور یہی قول حضرت عکرمہ، طاؤس اور اسحاق بن راہویہ کا ہے، اور یہ بر بنائے استحسان ہے کیونکہ جب تیرہویں کی رمی کا بالکل ترک کردینا (پہلے کوچ کرکے) جائز ہے اور اس سلسلہ میں شریعت نے تخفیف کا لحاظ کیا ہے، تو اس تخفیف کا تقاضا ہے کہ تیرہویں تاریخ کو رمی میں عام دنوں کے مقابلہ میں تقدیم بھی جائز ہو (غنیہ / ۱۸۴)۔

اور حضرت صاحبین کے نزدیک تیرہویں کی رمی کا وقت صرف زوال کے بعد سے لے کر غروب شمس تک ہے، لہٰذا تیرہویں تاریخ کو رمی کا جائز وقت زوال کے بعد تو تمام ائمہ کے نزدیک ہے اور زوال سے قبل میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ زوال سے قبل رمی کو کراہت تنزیہی کے ساتھ جائز کہتے ہیں، اور صاحبین اور جمہور علماء بالکل جائز نہیں کہتے، وقالا لايصح اعتباراً بسائر الأيام وعليه الجمهور (غنیہ ۱۸۴)۔

چونکہ تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ میں بہت کم لوگ ہوتے ہیں، اس دن بھیڑ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اس لیے وقت مستحب میں رمی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے، دوسرے اگر کوئی شخص حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے زوال سے پہلے رمی کرلیتا ہے تو شرعاً اس کی بھی گنجائش ہے۔

مندرجہ تفصیلات کی روشنی میں فقہ اکیڈمی دہلی کے مرسلہ سوالات بابت رمی جمار کے اوقات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

۱- دسویں ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے بھی رمی کرنا جائز ہے، البتہ معذور و کمزور لوگوں کے لیے بلا کراہت اور تندرست لوگوں کے لیے کراہت کے ساتھ۔

۲- ذی الحجہ کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو زوال شمس کے بعد رمی کا وقت شروع ہوتا ہے، لہذا اس سے قبل طلوع صبح صادق ہی سے اگر کوئی شخص رمی کرنا شروع کر دے تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس کا اعادہ لازم ہے۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے: **وأما في اليوم الثاني والثالث وقت الرمي مابعد الزوال ولورمى قبل الزوال لايجزيه** (فتاویٰ تاتارخانیہ ۲/۴۶۱)۔

(گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوال کے بعد ہے، اگر کسی نے زوال سے پہلے رمی کیا تو جائز نہیں ہے)۔

۳- گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو غروب شمس کے بعد اگر کسی نے عذر کی وجہ سے رمی کیا تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر بلا عذر غروب شمس کے بعد رمی کیا تو شرعاً مکروہ ہے (مستفاد از غنیہ / ۱۸۸)۔

۴- بارہویں کی رمی کے لیے اگر کوئی شخص غروب شمس کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا تو اس سے تیرہویں ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی، ہاں اگر تیرہویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے طلوع تک منیٰ میں ٹھہرا رہا تو تیرہویں کی رمی لازم ہوگی، چنانچہ غنیہ میں ہے: "**فإن لم ينفر حتى طلع الفجر من اليوم الرابع وجب عليه الرمي في يومه ذلک فيرمي الجمار الثلاث بعد الزوال**" (غنیہ ۱۸۴)۔

(اگر کوئی شخص بارہویں کی رمی کے بعد منیٰ سے کوچ نہیں کیا بلکہ وہیں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ تیرہویں کو صبح صادق طلوع ہوگیا تو اس پر تیرہویں کی رمی لازم ہے، زوال کے بعد تینوں

جمروں کی رمی کرے)۔

۵- بوڑھے، بیمار، خواتین، اسی طرح معذور حضرات نیز خواتین کے ساتھ حج میں آئے ہوئے اشخاص کے لیے دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل طلوع صبح صادق کے بعد سے رمی کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک گنجائش ہے اس سے پہلے نہیں،صرف سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ اور امام شعبی وطاؤس وغیرہ بعض فقہاء کے نزدیک طلوع فجر سے قبل نصف شب ہی سے معذورں کے لیے رمی کرنا بلاکراہت جائز ہے،لیکن دلائل کی رو سے امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک کمزور ہے، ان کے دلائل میں اضطراب وضعف پایا جاتا ہے چونکہ شریعت میں عبادات کے اندر احتیاط پر عمل کیا جاتا ہے، اس لیے جمہور ائمہ کا قول ہی مفتیٰ بہ اور لائق عمل ہے،غنیۃ الناسک میں ہے:

''ویکره من الغروب إلی الفجر وكذا قبل طلوع الشمس وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمی الضعفة قبل طلوع الشمس'' (غنیۃ الناسک ۱۷۰)۔

(غروب شمس سے لے کر طلوع فجر تک رمی کرنا مکروہ ہے، اسی طرح طلوع شمس سے پہلے بھی جبکہ کوئی عذر نہ ہو،لہٰذا معذور وضعیف حضرات کے لیے طلوع شمس سے پہلے بلاکراہت رمی کرنا جائز ہے)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام کا حکم:

۱- آٹھویں ذی الحجہ کے بعد والی رات، پھر دسویں اور گیارہویں ذی الحجہ کے بعد والی دو راتیں لیالی منیٰ کہلاتی ہیں، ان راتوں کو منیٰ میں گذارنا مسنون ہے، ان راتوں کو بلاعذر دوسری جگہ قیام کرنا مکروہ ہے، چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

'' ویکره أن لا یبیت بمنیٰ لیالی الرمی ولو بات فی غیره متعمدا لا یلزمه شیٔ عندنا'' (فتاویٰ تاتارخانیہ ۲/ ۴۶۶)۔

(رمی کے ایام میں راتوں کو منیٰ میں نہ ٹھہرنا مکروہ ہے،لیکن اگر کسی نے جان بوجھ کر بھی

دوسری جگہ رات گذاری تو ہمارے علماء کے نزدیک اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے)۔

البتہ اگر عذر کی وجہ سے یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے منیٰ میں قیام نہ کر سکے تو کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ ماء زمزم پلانے والوں کو اسی طرح چرواہوں کو آپ ﷺ نے مبیت منیٰ کے مسنون عمل سے مستثنیٰ قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو مسلم شریف ۱/ ۴۲۳، نسائی شریف ۲/ ۴۰)۔

۲-حدود مکہ میں رہ کر رمی کے لیے منیٰ جانے کا حکم:

اگر کوئی حاجی منیٰ میں قیام نہ کر کے بلاعذر حدود مکہ ہی میں مقیم رہا اور صرف رمی وغیرہ کے لیے منیٰ گیا تو شرعاً عذر نہ ہونے کی صورت میں یہ مکروہ عمل ہے لیکن اس سے حج پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور نہ ہی کوئی دم دینا واجب ہوگا، ہدایہ میں ہے:

’’**ويكره ألا يبيت بمنىٰ ليالي الرمي ولو بات في غيرها متعمداً لا يلزمه شيء عندنا خلافاً للشافعي**‘‘۔

(رمی کے ایام میں منیٰ میں رات نہ گذارنا مکروہ ہے، اگر جان بوجھ کر دوسری جگہ رات گذارا تو ہمارے فقہائے حنفیہ کے نزدیک کچھ واجب نہ ہوگا، امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اوجز المسالک میں لکھا ہے کہ امام مالک کے نزدیک بلاعذر منیٰ میں قیام نہ کرنے سے دم واجب ہوگا، اور امام شافعی وامام احمد کی ایک روایت میں بھی وجوب دم کا حکم ہے (اوجز المسالک ۳/ ۴۴۴)۔

۳-حدود منیٰ کے تنگ ہونے کی صورت میں حجاج کہاں قیام کریں؟

اگر کوئی عذر نہ ہو تو حدود منیٰ سے ہٹ کر مزدلفہ، یا عزیزیہ یا مکہ مکرمہ میں یا اپنی قیام گاہ میں یا حرم کے آس پاس کی جگہوں میں یا مکہ مکرمہ میں رات گذارنا مکروہ عمل ہے، البتہ عذر ہونے کی صورت میں یا حدود منیٰ کے حاجی کے لیے تنگ ہونے کی صورت میں اگر کوئی شخص منیٰ سے

ہٹ کر مذکورہ جگہوں میں رات گذار لے تو شرعاً اجازت ہے، چنانچہ بعض لوگوں کو عذر کی وجہ سے خود حضور پاک ﷺ نے قیام منی یا مبیت منیٰ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے حضور پاک ﷺ سے حاجیوں کو (زمزم کا) پانی پلانے کی غرض سے منیٰ کی راتوں میں مکہ ٹھہرنے اور وہیں رات گذارنے کے متعلق اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دیدی (مسلم ۱/ ۴۲۳)۔

اسی طرح عذر کی وجہ سے آپ نے چرواہوں کو بھی مبیت منیٰ کے حکم سے مستثنیٰ فرما دیا تھا (ملاحظہ ہو نسائی شریف ۲/ ۴۰)۔

لہٰذا دور حاضر میں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے خود سعودی حکومت جو ایام منی یا لیالی منیٰ میں قیام کے لیے حدود منیٰ سے ہٹ کر مزدلفہ کے بڑے حصہ میں کبری ملک فیصل تک خیمہ نصب کراتی ہے، اسی طرح حرم کی طرف جمرۂ عقبہ کے بعد بھی پہاڑ کے دامنوں میں خیمہ نصب کیا جاتا ہے، ان خیموں میں قیام پذیر ہونے سے اگر چہ قیام منیٰ کی سنت ادا نہ ہوگی، تاہم مجبوری کی وجہ سے ان خیموں میں قیام کرنا بھی شرعاً ناجائز نہ ہوگا۔ کیونکہ منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی صورت میں کہیں بھی قیام کر لینا شرعاً ناجائز نہیں ہے (مستفاد از انوار مناسک ۵۰۱)۔

☆☆☆

الف- رمی جمار کے اوقات

مولانا محمد ممتاز خان ندوی ☆

۱- جمہور بشمول امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک نحر کے دن رمی کا وقت طلوع شمس کے بعد سے شروع ہوتا ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۵۰، نیز بدائع الصنائع ۲/ ۳۳۲، المغنی ۳/ ۴۲۶)۔

جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک نحر کی رات ہی سے رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ بدائع میں ہے: إذا انتصف ليلة النحر دخل وقت الجمار فإذا طلعت الشمس وجب" (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۲، الأیضا الأم ۲/ ۲۱۲)۔

جمہور کے دلائل:

۱- "قال عليه السلام: لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس" (رواہ النسائی: مناسک الحج، باب النہی عن رمی جمرۃ العقبۃ قبل طلوع الشمس، احمد ۱/ ۳۳۰۱)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تم لوگ رمی جمار نہ کرو یہاں تک کہ سورج طلوع ہوجائے۔

۲- "عن جابر ؓ أن رسول الله ﷺ رمى الجمرة يوم النحر ضحىً ورمى في بقية الأيام بعد الزوال" (رواہ البخاری: کتاب الحج، باب رمی جمار)۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے رمی جمار چاشت کے وقت کی، اور بقیہ دنوں میں زوال کے بعد کی)۔

امام شافعیؒ کے دلائل:

امام شافعیؒ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱-''أذن للرعاء أن يرموا بالليل'' (رواہ الطبرانی فی الکبیر ۱۱۳۷۹)۔

(اللہ کے رسول ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کی اجازت دی)۔

۲-''أن عائشةؓ قالت: أرسل رسول الله ﷺ لأم سلمة فرمت الجمرة قبل الفجر ومضت و أفاضت'' (رواہ ابوداؤد المناسک باب التعجیل من جمع)۔

واضح ہو کہ امام شافعیؒ کی پہلی حدیث دلیل کے اعتبار سے کمزور ہے، کیونکہ طبرانی میں ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی اسحاق بن عبد اللہ ابی فروۃ ہیں، اور اسحاق بن عبد اللہ ابی فروۃ ضعیف راوی ہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ بھی ان کے متعلق فرماتے ہیں: إسحاق بن عبدالله أبي فروة وهو متروك (تقریب التہذیب/ ۱۰۲)۔

اور بزار میں ہے کہ اس کی سند میں مسلم بن خالد زنجی ہیں، وفي سنده مسلم بن خالد الزنجي (بزار/ ۱۱۳۹)۔

اور مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہیں۔ وقال البخاري :منكر الحديث (تہذیب التہذیب ۱۰/ ۱۱۶)۔

لیکن اس بابت احقر کی رائے یہ ہے کہ یوم النحر میں رمی جمار طلوع شمس کے بعد جو کہ جمہور کا مسلک ہے انجام دینے میں اگر حاجی حضرات کو دشواری اور دقت کا سامنا ہو تو ضرورۃً امام مالک کے مسلک رمی جمار قبل طلوع الشمس پر عمل کر لیا جائے تو بہتر ہے، تا کہ حاجی حضرات حرج اور دقت سے محفوظ رہ سکیں، حرج اور دشواری کے وقت دوسرے مسلک کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۲- جمہور جن میں امام مالک، امام شافعی، صحابہ کرام میں حضرت ابن عمر، تابعین میں ثوری، اسحاق، حسن، عطاء اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ ایام تشریق میں رمی جمار زوال کے بعد ہوگی، مگر اسحاق اور احناف کے یہاں یہ تفصیل بھی ہے کہ نفر کے دن زوال سے قبل رمی جائز ہے، اور اگر نفر نہیں ہے تو زوال کے بعد رمی ہوگی۔ امام احمد ابن حنبل کا نقطہ نظر بھی یہی ہے اور عکرمہ اور طاؤس وغیرہ بھی یہی خیال رکھتے ہیں (دیکھئے: المغنی ۳/ ۴۷۴، نیز معارف السنن ۶/ ۴۳۴)۔

جبکہ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ایام تشریق میں تیسرے دن زوال سے قبل رمی جمار جائز ہے۔

فتح القدیر میں ہے: "روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله أنه كان من قصده أن يتعجل في النفر الأول فلابأس بأن يرمي في اليوم الثالث قبل الزوال، إن بعده فهو أفضل" (فتح القدیر ۲/ ۳۹۳)۔

جمہور کے دلائل:

۱- "عن جابر رضی اللہ عنہ أنه قال: رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يرمي الجمرة ضحىً يوم النحر ورمى بعد ذلك زوال الشمس" (رواہ البخاری: کتاب الحج، باب رمی الجمار)۔

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ چاشت کے وقت رمی کر رہے ہیں، اور اس کے بعد آپ نے زوال کے بعد رمی کی)۔

۱- "عن عائشة رضی اللہ عنہا: يرمي الجمرة إذا زالت الشمس" (اعلاء السنن ۱۰/ ۱۷۸، أيضاً رواہ ابوداؤد کتاب المناسک، باب رمی الجمار)۔

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمی جمار کرتے جب سورج زائل ہوجاتا)۔

۳- "قال ابن عمر رضی اللہ عنہ كنا نتحين إذا زالت الشمس رمينا" (رواہ البخاری: کتاب الحج، باب رمی الجمار)۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل:

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضرت ابن عباسؓ کی درج ذیل روایت ہے:

۱- "عن ابن عباس ؓ إذا انتفخ النهار من يوم النفر فقد حل الرمى و الصدر" (رواہ البیہقی: باب من غربت له الشمس يوم النفر الاول بمنى أقام حتى يرمى الجمار اليوم الثالث بعد الزوال ۱۵۲/۵)۔

مگر امام صاحب کی مذکورہ دلیل کو امام بیہقیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اس حدیث کے ایک راوی طلحہ بن عمرو مکی ہیں جو کہ ضعیف ہیں (السنن الکبریٰ ۱۵۲/۵)۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ طلحہ بن عمرو مکی متروک ہیں (تقریب التہذیب ۳۸۳/)۔

واضح رہے کہ ایام تشریق میں جمہور کا مسلک دلائل کے اعتبار سے مضبوط ہے اور عام صحابہ اور تابعین کا عمل بھی جمہور کے مسلک کے مطابق ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں ایام تشریق میں بعد زوال الشمس جو کہ جمہور کا مسلک ہے اور دلائل کے اعتبار سے مضبوط ہے اس کے اختیار کرنے سے حاجی حضرات کو تنگی اور دشواری ہے اس وجہ سے ضرورۃً رمی جمار قبل زوال الشمس جو کہ ضعیف قول ہے اس کو اختیار کر لیا جائے تو بہتر ہے، تا کہ حاجی حضرات رمی کو انجام دینے میں حرج اور تنگی نہ پڑیں (تفصیل: رسائل ابن عابدین ۳۴۹/۱ میں ہے)۔

۳- گیارہ، بارہ ذی الحجہ کی رات کو بغیر عذر رمی مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔

فتح القدیر میں ہے: "والليل وقت الجواز مع الإساءة فلابد أن يكون محمل ثبوت الإساءة عدم العذر" (فتح القدیر ۴۹۳/۲)۔

بحر الرائق میں ہے: "فلو رمى ليلاً صح وكره كذا في المحيط" (بحر الرائق ۳۴۸/۲)۔

حضرت عباسؓ کی اس روایت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ رات میں عذر کی وجہ سے رمی کرسکتے ہیں: "أذن للرعاء أن يرموا بالليل" (نصب الرایہ ۳/۸۶)۔

(اللہ کے رسول ﷺ نے چرواہوں کو رات میں عذر کی وجہ سے رمی کرنے کی اجازت دی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی عذر کی وجہ سے اگر کوئی حاجی رات میں رمی کرتا ہے تو اس کے لیے مکروہ بھی نہیں ہے، اور اگر بغیر عذر کے رمی کرتا ہے تو مکروہ ہے۔

۴- جمہور علماء جن میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابن عمر، جابر بن زید، عطاء، طاؤس، مجاہد، ابان بن عثمان، اسحاق، ابن منذر وغیرہ شامل ہیں، ان حضرات کے نزدیک اگر حاجی بارہ ذی الحجہ کے غروب تک منیٰ میں ٹھہرتا ہے تو پھر تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب ہوگی (المغنی ۳/۴۰۷، نیز فتح القدیر ۲/۴۹۳)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر حاجی بارہ ذی الحجہ کے دن رمی کے بعد منیٰ میں طلوع فجر کے بعد تک ٹھہرا رہتا ہے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب ہوگی، اور اگر وہ طلوع فجر سے قبل مکہ مکرمہ چلا جاتا ہے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب نہیں ہوگی (المغنی ۳/۴۸۷، نیز بدائع الصنائع ۲/۱۶۳)۔

جمہور کے دلائل:

جمہور علماء کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

" فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه " (سورۂ بقرہ ۲۰۳)۔

(تو جس نے دونوں دنوں میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں)۔

دوسری دلیل حضرت عمرؓ کی روایت ہے: "عن عمرؓ قال: من أدركه المساء في اليوم الثاني فليتم إلى الغد" (اعلاء السنن ۱۰/۱۸۱)۔

(حضرت عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: جس نے دوسرے دن میں شام کو پالیا تو وہ اگلے دن تک ٹھہرا رہے)۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل:

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ: لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس (رواه أبوداؤد، کتاب الحج، باب ماجاء فی تقدیم الضعفة من جمع)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم لوگ رمی جمار نہ کرو یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے)۔

"قال رسول الله ﷺ: لا ترموا جمرة العقبة حتى تكونوا مصبحين" (نصب الرایہ ۳/۸۶)۔

(اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جمرۂ عقبہ نہ کرو یہاں تک کہ تم لوگ صبح کرلو)۔

زیر بحث مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اگر کوئی حاجی بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد منیٰ میں ٹھہر ارہتا ہے بشرطیکہ طلوع فجر سے قبل مکہ مکرمہ چلا جائے، اور جمہور کے نزدیک جن میں امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہم شامل ہیں، حاجی اگر منیٰ میں ٹھہرا رہتا ہے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب ہوگی۔

۵- بوڑھے، معذور، نیز خواتین کے لیے دسویں ذی الحجہ کی نصف شب سے رمی کرنا جائز ہے، صاحب فقہ السنۃ علامہ سید سابقؒ نے مذکورہ لوگوں کے لیے یوم النحر کی دسویں شب کے نصف سے رمی کرنے کی اجازت دی ہے۔

"ولا يجوز لأحد أن يرمي قبل نصف الليل الأخير بالاجماع ويرخص للنساء والصبيان وذوى الأعذار ورعاة الابل أن يرمو العقبة من نصف ليلة النحر" (فقہ السنۃ ۱/۴۷۶)۔

اور اللہ کے رسول ﷺ نے چرواہوں کو عذر کی وجہ سے رات میں رمی کرنے کی

اجازت دی (نصب الرایہ ۳/۸۶)۔

مذکورہ حضرات کو بھی عذر کی وجہ سے دسویں ذی الحجہ کی نصف شب سے رمی کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

ب- منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام:

۱- بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے منیٰ میں قیام فرمایا، حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

"أفاض رسول الله ﷺ من آخر يومه حين صلى الظهر ثم رجع إلى منىٰ فمكث بها ليالي أيام التشريق" (رواہ ابوداؤد، کتاب المناسک، باب رمی الجمار)۔

(اللہ کے رسول ﷺ نے طواف افاضہ فرمایا اپنے آخری دن میں جبکہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ منیٰ واپس ہوئے تو وہاں آپ نے ایام تشریق کی راتیں گذاریں)۔

قیام منیٰ کے حکم میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ، عمر بن خطاب، عروہ، ابراہیم، مجاہد، عطاء، وغیرہم منیٰ میں وجوب قیام کے قائل ہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ منیٰ میں وجوب قیام کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ان کے نزدیک منیٰ میں قیام سنت ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

ائمہ ثلاثہ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: حاجی میں سے کوئی بھی منیٰ کے علاوہ کہیں رات نہ گذارے (نصب الرایہ ۳/۸۸)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے منیٰ میں قیام فرمایا، اور آپ نے مناسک حج کے تعلق سے فرمایا: "لتأخذوا عني مناسككم فإني لاأدري لعلي أحج بعد

حجتي هذه'' (رواہ أبو داؤد، کتاب المناسک، باب رمی الجمار، أیضاً اعلاء السنن: ۱۰/۱۸۶)۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل:

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی درج ذیل روایت ہے:

''عن ابن عمرؓ رخص النبي ﷺ للعباس بن عبد المطلب أن يبيت بمكة ليالي منىٰ من أجل سقايته'' (رواہ البخاری، باب ہل یبیت أصحاب السقایۃ أو غیرہم بمکۃ لیالی منی)۔

(حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو رخصت دی کہ وہ منیٰ کی راتیں سقایہ کی وجہ سے مکہ میں گذاریں)۔

دوسری دلیل حضرت ابن عباسؓ کی درج ذیل روایت ہے:

''روی ابن عباسؓ إذا رميت الجمرة فبت حيث شئت'' (المغنی ۳/۴۷۹)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب تم رمی جمار کرلو تو تم جہاں چاہو رات گذارو)۔

حاجی حضرات کی تعداد ماشاء اللہ پچیس لاکھ سے زائد تک پہنچ جاتی ہے، اگر اتنی بڑی تعداد کا قیام صرف منیٰ میں ہو تو دشواری اور دقت کا سامنا ہوگا اور مناسک حج کی ادائیگی میں دشواری بھی پیش آئے گی، اس وجہ سے حاجی حضرات کو حرج اور تنگی سے بچانے کے لیے مسلک حنفی کو اختیار کرلیا جائے تو بہتر ہے، اور عذر ہی کی وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح پچیس لاکھ سے زائد حاجیوں کا منیٰ میں قیام ایک عذر ہے، اس وجہ سے یہاں بھی عذر کی وجہ سے منیٰ میں قیام واجب نہیں ہونا چاہئے۔

شوافع کے یہاں بھی عذر کی وجہ سے منیٰ میں قیام واجب نہیں:

واضح رہے کہ شوافع کے یہاں بھی عذر کی وجہ سے منیٰ میں وجوب قیام ضروری نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اتنے بڑے مجمع کا منیٰ میں قیام دشوار ہے اس وجہ سے ایسے عذر کی صورت میں

شوافع کے یہاں بھی حاجیوں کے لیے منیٰ کا قیام واجب نہیں ہونا چاہئے (فتح الباری ۳/۵۷۹)۔

۲-احناف کے یہاں حدود مکہ میں قیام:

احناف کے یہاں حدود مکہ میں قیام کراہیت کے ساتھ درست ہے۔

فتح القدیر میں ہے: "قال ویکرہ أن یقدم الرجل ثقله إلی مکة ویقیم حتی یرمی" (فتح القدیر ۲/۳۹۵)۔

حدود مکہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک:

ائمہ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل کے نزدیک حدود مکہ میں قیام درست نہیں ہے، فقہ السنہ میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی صراحت اس طرح ہے: البیات بمنیٰ واجب في اللیالي الثلاثة أو لیلتی الحادي عشر والثاني عشر عند الأئمة الثلاثة" (فقہ السنہ ۱/۶۶۳)۔

احناف کے دلائل:

احناف کے دلائل درج ذیل ہیں:

"عن ابن عمرؓ أنه کرہ أن ینام أیام منیٰ بمکة" (فتح القدیر ۲/۳۹۶)۔

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ مکروہ ہے کہ کوئی حاجی منیٰ کے ایام میں مکہ مکرمہ میں رات گذارے)۔

"روی أن عمرؓ کان یمنع منه ویؤدب علیه" (حوالہ بالا)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل:

ائمہ ثلاثہ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

"عن ابن عمرؓ قال لایبیتن أحد من الحاج إلا بمنیٰ" (نصب الرایہ ۳/۸۸)۔

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی حاجی منیٰ کے علاوہ کہیں رات نہ گزارے)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے منیٰ میں قیام فرمایا اور آپ ﷺ نے فرمایا: "**خذوا عني مناسككم فإني لا أدري لعلي أحج بعد حجتي هذه**" (رواہ ابوداؤد، کتاب المناسک، باب فی رمی الجمار)۔

واضح رہے کہ حاجیوں کے اتنے بڑے مجمع کو اگر حدود مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی تو کثرت ازدحام کی وجہ سے حاجی حضرات کو بڑی دقت اور دشواری کا سامنا کرنا ہوگا جبکہ حدود مکہ میں قیام سے حاجی حضرات کو بڑی سہولت ہوگی اور مناسک حج کی ادائیگی بڑی آسانی سے کرسکتے ہیں، اس وجہ سے مسلک حنفی پر اگر عمل کرلیا جائے تو اس میں حاجی حضرات کے لیے عافیت اور سکون ہے۔

۳- احناف کے یہاں چونکہ منیٰ میں قیام واجب نہیں ہے اس وجہ سے حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام کیا جاسکتا ہے، اور مزدلفہ بھی چونکہ حدود حرم میں ہے اس وجہ سے مزدلفہ میں بھی قیام کیا جاسکتا ہے، جبکہ شوافع کے یہاں منیٰ میں قیام واجب ہے اس وجہ سے حدود حرم میں قیام درست نہیں ہوگا (بدائع الصنائع ۲/۱۳۳، ۳)۔

☆☆☆

رمی جمار اور قیام منیٰ سے متعلق چند مسائل

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی ☆

آج کل حج کے موقعہ پر غیر معمولی ہجوم کی وجہ سے ہر سال کچھ نہ کچھ حادثات واقع ہوجاتے ہیں، زیادہ تر حادثات رمی جمار کے موقعہ پر اور منیٰ میں قیام کے دوران پیش آتے ہیں، اس لیے ان دو موضوعات سے متعلق اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے سولہویں فقہی سمینار کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

(الف) رمی جمار کے اوقات

۱-دسویں ذی الحجہ کی رمی:

دسویں ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، شوافع اور حنابلہ کے یہاں تو آدھی رات سے رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۹۴)، اور حنفیہ کے نزدیک بھی صبح صادق سے رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے، البتہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا مستحب ہے، ملک العلماء علاؤ الدین کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) نے وضاحت کی ہے:

''بہر حال دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے بعد سے شروع ہوتا ہے، صبح صادق سے پہلے رمی جائز نہیں ہے، اور رمی کا مستحب وقت طلوع آفتاب کے

☆ رفیق المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

بعد سے زوال آفتاب تک ہے، یہ ہمارے نزدیک ہے، امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ دسویں ذی الحجہ کی آدھی رات سے رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے..... سفیان ثوری کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے رمی جائز نہیں ہے، اور صحیح ہمارا قول ہے، کیونکہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے مزدلفہ کی رات اپنے خاندان کے ضعیف افراد کو پہلے (منیٰ) بھیج دیا، اور فرمایا "جب تک صبح نہ ہوجائے جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرنا"۔ آپ ﷺ نے صبح سے قبل رمی سے منع فرمادیا... اگر کہا جائے: آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تک سورج طلوع نہ ہوجائے جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرو"، یہ سفیان ثوریؒ کی دلیل ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بیان مستحب وقت پر محمول ہے، تاکہ بقدر امکان دونوں روایات میں تطبیق پیدا ہوجائے، اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷)۔

۲- گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی:

اس سلسلہ میں علماء کا اتفاق ہے کہ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی زوال آفتاب کے بعد کی جائے گی، زوال آفتاب سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۹۵، فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۴)، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیرہویں ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے بھی جائز ہے (حوالۂ سابق)۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت میں زوال سے قبل رمی کی اجازت ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن کی رمی زوال کے بعد کرنا افضل ہے، اگر زوال سے پہلے کی جائے تو جائز ہے، اس روایت کی دلیل یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ (قربانی کے دن) کو زوال سے پہلے رمی کا وقت ہے، اسی طرح گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو بھی ہو، کیونکہ یہ سب قربانی کے ایام ہیں" (بدائع الصنائع ۳/ ۱۳۷-۱۳۸)۔

البتہ علامہ ابن الہمامؒ نے زوال سے پہلے رمی کو مکروہ قرار دیا ہے (فتح القدیر ۲/ ۴۹۹)۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ زوال سے پہلے رمی کرنے کی حدیث میں ممانعت نہیں کی گئی ہے، جیسا کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے پہلے رمی کی ممانعت کی گئی ہے۔

لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس (مسند احمد ۱/ ۲۳۴)۔

جمہور علماء نے رسول اللہ ﷺ کے عمل "**رمی رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ضحىً وأما بعد ذلك فإذا زالت الشمس**" (رواہ مسلم حدیث نمبر ۳۱۴) سے استدلال کرتے ہوئے زوال سے پہلے رمی کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو افضل وقت پر محمول کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ نے گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کو دسویں ذی الحجہ کی رمی پر قیاس کیا ہے (دیکھئے بدائع الصنائع ۳/ ۱۳۷-۱۳۸)، نیز تیرہویں ذی الحجہ کی رمی سے متعلق سیدنا ابن عباسؓ کے قول پر بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

"إذا افتتح النهار من آخر أيام التشريق جاز الرمي"

(ایام تشریق کے آخری دن جب دن شروع ہو جائے تو رمی جائز ہے) (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۹۵، بدائع الصنائع ۳/ ۱۳۸)۔

لیکن سید سابق نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے (فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۴)۔

لہٰذا حج کے موقع پر غیر معمولی بھیڑ اور حادثات سے حفاظت کے پیش نظر زوال سے پہلے رمی کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

۳- غروب آفتاب کی بعد رمی:

گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب سے لے کر دوسرے دن کی صبح صادق سے قبل تک کرنا بلا عذر مکروہ ہے، چنانچہ سید سابق لکھتے ہیں:

"جب دن میں رمی کرنے میں کوئی عذر ہو تو رات تک تاخیر کرنا جائز ہے، کیونکہ امام مالک نے نافع سے نقل کیا ہے کہ سیدنا ابن عمرؓ کی بیوی صفیہؓ کی بیٹی کو مزدلفہ میں نفاس آ گیا، وہ اور

صفیہ پیچھے رہ گئیں، یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد منیٰ پہنچیں، اسی وقت ابن عمرؓ نے ان کو رمی کرنے کا حکم دیا، اوران پر کوئی چیز لازم نہیں سمجھا'' (فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۰، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۲/ ۵۰۱)۔

لیکن آج کل غیر معمولی ازدحام بجائے خود ایک عذر ہے، لہذا گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد سے لے کر دوسرے دن کی صبح صادق سے پہلے تک رمی کرنا مکروہ بھی نہیں ہوگا، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے عدم کراہت ذکر کیا ہے:

''وقال الحنفية إن أخر الرمي إلى الليل، ورمى قبل طلوع الفجر جاز، ولا شئ عليه، لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي''۔

''حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر رات تک رمی کو مؤخر کیا جائے اور طلوع فجر سے پہلے رمی کی جائے تو جائز ہے، اور اس پر کچھ لازم نہیں ہوگی، کیوں کہ رمی کے دنوں میں رات بھی رمی کا وقت ہے'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۹۵)۔

اور علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے:

اگر رمی نہیں کی، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، تو دوسرے دن کی صبح صادق سے پہلے رمی کرلی تو یہ کافی ہوجائے گا، اور ہمارے اصحاب کے قول کے مطابق اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا.........اور صحیح ہمارا قول ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کو عذر کی بناپر اجازت دی، ہم کہتے ہیں کہ ان کو عذر نہیں تھا، کیونکہ ان کے لیے ممکن تھا کہ وہ باری باری آکر دن میں رمی کرلیتے، تو یہ ثابت ہوگیا کہ اجازت کسی دوسری مجبوری کی بناپر تھی، جو مطلق جواز کی دلیل ہے'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۸)۔

۴- ۱۲/ ذی الحجہ کے بعد منیٰ میں ٹھہرنا:

اگر ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو ۱۳/ ذی الحجہ

کی رمی لازم نہیں ہوگی، لیکن اگر ۱۳؍ ذی الحجہ کو صبح صادق تک منیٰ میں ٹھہر ا رہے تو تیرہویں ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی، علامہ کاسانیؒ کا بیان ہے:

’’و إنما يجوز له النفر في اليوم الثاني والثالث مالم يطلع الفجر من اليوم الثالث، فإذا طلع الفجر لم يجز النفر‘‘ (بدائع الصنائع ۳؍ ۱۳۸)۔

’’بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ واپس ہونا جائز ہے، جب تک کہ تیرہویں ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع نہیں ہوئی ہو، جب فجر طلوع ہو جائے تو (بغیر رمی کئے) واپس ہونا جائز نہیں ہے‘‘۔

اور سید سابق لکھتے ہیں:

’’احناف کے نزدیک جب تک تیرہویں ذی الحجہ کی فجر طلوع نہیں ہوئی ہو، مکہ واپس ہونا جائز ہے، لیکن خلاف سنت ہونے کی وجہ سے غروب آفتاب کے بعد واپس ہونا مکروہ ہے، اور اس بنا پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی‘‘ (فقہ السنۃ ۱؍ ۶۶۴)۔

۵-ضعیف افراد کا حکم:

بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین وغیرہ کے لیے دسویں ذی الحجہ کی رمی دسویں ذی الحجہ کی نصف شب سے کی جاسکتی ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک تو تمام افراد کے لیے نصف شب سے رمی کا وقت شروع ہو جاتا ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳؍ ۱۹۴، بدائع الصنائع ۳؍ ۱۳۷)۔ علامہ سید سابق احادیث کی روشنی میں ذکر کرتے ہیں:

’’لايجوز لأحد أن يرمي قبل نصف الليل الأخير بالإجماع. ويرخص للنساء، والصبيان، والضعفة، وذوي الأعذار، ورعاة الإبل أن يرموا جمرة العقبة من نصف ليلة النحر‘‘ (فقہ السنۃ ۱؍ ۶۶۰)۔

(کسی کے لیے نصف آخر شب سے پہلے رمی کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے، البتہ عورتوں، بچوں، کم زور افراد، معذورین اور اونٹ چرانے والوں کے لیے رخصت ہے کہ وہ

عیدالاضحیٰ کی نصف شب کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی کریں)۔

اس بارے میں مذکورہ احادیث سے استدلال کیا گیا ہے:

۱- ''عن عائشةؓ أن النبي ﷺ أرسل أم سلمة ليلة النحر فرمت قبل الفجر ثم أفاضت''۔

''سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عید الاضحیٰ کی رات حضرت ام سلمہؓ کو بھیجا، انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی، پھر طواف افاضہ کیا'' (رواہ ابوداؤد والبیہقی وقال اسنادہ صحیح لاغبار علیہ، فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۱)۔

۲-''وعن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ رخص لرعاة الأبل أن يرموا ...... بالليل''۔

''سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ چرانے والوں کے لیے رات میں رمی کرنے کی اجازت دی'' (رواہ البزار وفیہ مسلم بن خالد الزنجی وھو ضعیف، فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۱)۔

۳-''وعن عطاء قال أخبرني مخبر عن أسماء أنها رمت الجمرة، قلت: إنا رمينا الجمرة بليل، قالت: إنا كنا نصنع هذا على عهد رسول الله ﷺ''۔

''عطاءؒ کہتے ہیں کہ مجھے سیدہ اسماءؓ کے بارے میں کسی نے خبر دی کہ انہوں نے جمرہ کی رمی کی، میں نے کہا ہم نے رات میں جمرہ کی رمی کی، تو حضرت اسماءؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم ایسا ہی کیا کرتے تھے'' (رواہ ابوداؤد بحوالہ فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۱)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱-منیٰ میں قیام کی حیثیت:

نویں ذی الحجہ کی رات منیٰ میں قیام کرنا بالاتفاق سنت ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۲۰۴)، اور ایام تشریق کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، سید سابق لکھتے ہیں:

''البيات بمنىٰ واجب في الليالي الثلاثة، أو ليلتي الحادي عشر والثاني عشر عند الأئمة الثلاثة. ويرى الأحناف أن البيات سنة''(فقہ السنہ ۱/ ۶۶۴)۔

''ایام تشریق کی تین راتوں میں یا گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی دو راتوں میں منیٰ میں شب گزاری کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے، احناف کی رائے ہے کہ شب گزاری سنت ہے''۔

۲-منیٰ سے باہر قیام:

ایام تشریق کی راتوں میں بلاعذر منیٰ سے باہر قیام کرنا مناسب نہیں ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

''فإن أقام بمنىٰ لأجل الرمي فعل الأفضل، وإن تركه لا شئ عليه، ويكون مسيئاً''(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۲۰۴)۔

''رمی کی خاطر منیٰ میں قیام کرنا افضل ہے، اگر کسی نے چھوڑ دیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، لیکن وہ گنہ گار ہوگا''۔

البتہ عذر کی بنا پر منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام کرنے کی اجازت ہوگی، سید سابق لکھتے ہیں:

''واتفقوا على أنه يسقط عن ذوي الأعذار، كالسقاة ورعاة الإبل، فلا يلزمهم بتركه شئ''(فقہ السنہ ۱/ ۶۶۴)۔

''تمام ائمہ متفق ہیں کہ منیٰ میں قیام معذورین سے ساقط ہوجاتا ہے جیسے پانی پلانے والے اور اونٹ چرانے والے، ترک قیام سے ان پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی''۔

خود رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں رخصت منقول ہے:

''عن عاصم بن عدي أنه ﷺ رخص للرعاة أن يتركه المبيت

بمنیٰ" (رواہ اصحاب السنن وصححہ الترمذی،فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۴)۔

"سیدنا عاصم بن عدیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے چرواہوں کو منیٰ میں قیام ترک کرنے کی رخصت دی"۔

۳- مکہ اور مزدلفہ میں قیام:

عذر کی بنا پر شہر مکہ مکرمہ، اس کے مضافات اور مزدلفہ میں قیام کرنا جائز ہوگا، چنانچہ اس بارے میں کئی احادیث وآثار موجود ہیں:

۱- "استأذن العباس النبي ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منىٰ من أجل سقايته، فأذن له" (بخاری ومسلم،مشکوۃ ۱/ ۲۳۴)۔

"سیدنا عباسؓ نے نبی ﷺ سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رات گزارنے کی اجازت مانگی،تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی"۔

۲- "وقال ابن عباسؓ إذا رميت الجمار فبت حيث شئت" (رواہ ابن ابی شیبہ،فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۴)۔

"سیدنا ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب تم نے جمرات کی رمی کرلی تو جہاں چاہو رات گزارو"۔

۳- "وعن مجاهد لابأس بأن يكون أول الليل بمكة وآخره بمنىٰ، أو أول الليل بمنىٰ وآخره بمكة" (فقہ السنۃ ۱/ ۶۶۴)۔

"مجاہدؒ سے مروی ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ شروع رات مکہ میں رہو اور آخر رات منیٰ میں، یا شروع رات منیٰ میں اور آخر رات مکہ میں رہو"۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور خارج منیٰ قیام کرنے کی شرعی حیثیت

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری ☆

۱- "عن جابر قال: رمى رسول الله ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى ورمى بعد يوم النحر إذا زالت الشمس" (نسائی ۴۹/۲، کتاب المناسک، باب وقت رمی جمرۃ العقبۃ یوم النحر، ابوداؤد ۲۷۱/۱، کتاب المناسک، باب فی رمی الجمار)۔

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمرۂ عقبہ کی دسویں ذی الحجہ کو آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد رمی جمار کیا اور بعد میں گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ کو آفتاب ڈھلنے کے بعد رمی جمار کیا)۔

۲- "عن ابن عباس بعثنا رسول الله ﷺ أغيلمة بني عبد المطلب على جمرات يلطخ أفخاذنا ويقول: ابيني لاترموا جمرة العقبة حتى تطلع الشمس" (نسائی ۴۹/۲، کتاب المناسک، باب النہی عن رمی الجمرۃ الخ، ابوداؤد ۲۶۸/۱، کتاب المناسک، باب التعجیل من جمع)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عبدالمطلب کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ (گدھوں پر سوار کرکے) روانہ کیا اور اپنے دست مبارک سے

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھرواڑہ ضلع دربھنگہ بہار۔

ہمارے رانوں کو تھپتھپاتے تھے اور کہتے تھے: اے میرے بیٹو! جمرۂ عقبہ کی رمی اس وقت کروگے جب آفتاب طلوع ہوجائے۔

۳- "عن ابن عباس أن النبيﷺ قدم أهله وأمرهم أن لايرموا الجمرة حتى تطلع الشمس" (حوالہ بالا)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے گھر کے لوگوں کو آگے بھیج دیا اور ان لوگوں کو یہ حکم دیا کہ جمرۂ عقبہ کی رمی اس وقت کریں جب آفتاب طلوع ہوجائے۔

یہ احادیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کی مؤید ہیں۔

چاروں اماموں کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب کے بعد کرنا افضل اور اولیٰ ہے، طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد کرنا حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک صحیح وتندرست اور کمزور وضعیف سب کے لیے مکروہ ہے مگر کوئی جرمانہ لازم نہیں ہے (ایضاح الطحاوی ۳/ ۵۲۴، عمدۃ القاری ۱۰/ ۱۸، المغنی ۳/ ۴۴۹)۔

لیکن غنیۃ الناسک میں حضرات حنفیہ کا ایک دوسرا قول بھی منقول ہے کہ آفتاب طلوع ہونے سے قبل صبح صادق کے بعد یوم النحر میں رمی کرنا غیر معذور، صحیح، تندرست کے لیے مکروہ ہے، اور معذورین کے لیے مکروہ نہیں ہے بلکہ بلاکراہت جائز ہے (اعلاء السنن ۱۰/ ۱۶۳، بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۰۶، عمدۃ القاری ۷/ ۲۷۸)۔

حضرت امام شافعیؒ، حضرت عطاء، حضرت عامر شعبیؒ، حضرت طاؤس بن کیسانی، سعید بن جبیرؒ وغیرہم کے نزدیک ضعفاء کے لیے بلاکراہت جائز ہے (ردالمحتار ۲/ ۱۹۶، مکتبہ قادریہ کوئٹہ، انوار مناسک / ۴۷۴)۔

صبح صادق سے قبل رات میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرنا حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ کے نزدیک صحیح وتندرست اور کمزور وضعیف کسی کے

لیے بھی جائز نہیں ہے، اگر کریں گے تو سورج طلوع ہونے کے بعد اعادہ کرنا واجب ہوگا، اور اگر اعادہ نہیں کریں گے تو جرمانہ میں ایک قربانی واجب ہوجائے گی (اعلاء السنن ۱۰/ ۱۹۳، ایضاح الطحاوی ۳/ ۵۲۴، بحوالہ انوار مناسک/ ۴۷۳-۴۷۴)۔

ائمہ اربعہ، جمہور فقہاء عظام، صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین عظام کے اقوال ومسالک کی روشنی میں میری ذاتی رائے یہی ہے کہ عذر اور اضطراری حالت میں ہی دسویں ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کرنے کی شرعاً جائز گنجائش ہے (دیکھئے: المسوطا/ ۶۸)۔

۲- گیارہویں اور بارہویں کی رمی جمار کا وقت:

گیارہویں اور بارہویں میں تینوں جمرات کی رمی واجب ہے، اور ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوکر دوسرے دن صبح صادق تک رہتا ہے مگر زوال سے غروب تک وقت مسنون ہے، اور غروب سے صبح صادق تک وقت مکروہ ہے، اور صبح صادق کے بعد وقت قضا شروع ہوجاتا ہے (تاتارخانیہ ۲/ ۴۶۰)۔

لہذا گیارہویں کی رمی اگر بارہویں کی صبح صادق ہوجانے کے بعد تک مؤخر کردی ہے تو قضا اور دم دونوں لازم ہوجائیں گے۔ اسی طرح بارہویں کی رمی کو اتنا مؤخر کردیا ہے کہ تیرہویں کی صبح صادق ہوگئی تو قضا اور کفارہ دونوں الگ الگ واجب ہوجائیں گے (معلم الحجاج/ ۱۸۲)۔

اور رمی کی قضا کا وقت تیرہویں کے غروب تک رہتا ہے، اس کے بعد رمی کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔ اور مؤخر کرنے کی صورت میں قضا جائز نہ ہوگی، صرف دم دینا لازم ہوگا (غنیۃ الناسک/ ۹۷، بہ حوالہ انوار مناسک/ ۴۷۷، ایضاح المناسک/ ۱۵۳)۔

اور تیرہویں کو اگر رک جائے تو اس کی رمی بھی واجب ہوجاتی ہے، اور زوال کے بعد سے غروب کے درمیان کرنا واجب ہے۔

گیارہویں اور بارہویں کی رمی زوال سے پہلے کرنا جائز نہیں ہے بلکہ زوال کے بعد کرنا واجب ہے، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام

ابو یوسف، حضرت امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک متفقہ طور پر زوال سے پہلے جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں۔ ایک قول ضعیف ہے، اس کے مطابق جائز ہے، اور اس قول پر آج تک کسی نے فتویٰ نہیں دیا۔ دوسرا قول مشہور اور ظاہر الروایہ ہے، اور یہی راجح اور مفتیٰ بہ قول ہے، جو جمہور کے موافق عدم جواز کا ہے کہ گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں زوال سے پہلے رمی کرے گا تو وقت کے اندر اندر اس کا اعادہ کرنا واجب ہے، اور اگر اس کا اعادہ نہیں کیا ہے تو ترک واجب کی وجہ سے دم دینا لازم ہو جائے گا (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/ ۱۵۷ تا ۱۵۹، انوار المناسک / ۴۸۷ تا ۴۹۴)۔

علامہ شمس الدین سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

اگر اس کا ارادہ جلد از جلد مکہ جانے کا ہو کہ اگر رمی زوال کے بعد کرے گا تو اس کو حرج ہوگا اور مکہ رات میں پہنچے گا تو ایسا آدمی ضرورت مند ہے کہ وہ رمی جمار زوال سی پہلے ہی کر لے تا کہ دن میں ہی مکہ پہنچ جائے اور اپنے قیام گاہ کی شناخت کر لے، ایسے نازک لمحہ کے لیے اس کو اس بات کی اجازت دی جائے گی (المبسوط ۴/ ۶۸)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ضعیف قول اور حضرت شمس الدین سرخسیؒ کے اس جزئیہ کے مطابق جو اوپر ذکر ہو چکا ہے گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ میری ذاتی رائے ان تمام فقہاء عظام کی آراء کی روشنی میں یہی ہے کہ جمہور کے مطابق فتویٰ دیا جائے، اگر واقعی اضطرابی حالت ہے تو گنجائش ہے۔

۳-۱۱/ اور ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنے کی گنجائش ہے:

کوئی حاجی اگر عذر شدید یا بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرے تو بلاشبہ بلا کراہت جائز ہے، بھیڑ کی وجہ سے عورتوں اور کمزوروں کے لیے رات کی رمی کو فقہاء نے افضل لکھا ہے (غنیۃ المناسک فی بغیۃ المناسک / ۱۸۸، بحوالہ انوار مناسک / ۴۸۰، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۶ تا ۱۳۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، رد المحتار ۲/ ۱۹۹، فتح

المسند ۱/ ۵۳۱، ۵۳۲)۔

"عن عائشه بنت طلحة عن خالتها عائشة أم المؤ منين أن رسول اللّٰہ ﷺ أمر إحدىٰ نسائه أن تنفر من جمع ليلة جمع فتأتي جمرة العقبة فترميها وتصبح في منزلها وكان عطاء يفعله حتى مات" (نسائی ۲/ ۴۹، کتاب المناسک، باب الرخصة في ذلک للنساء)۔

(عائشہ بنت طلحہؒ اپنی خالہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک بیوی کو حکم کیا کہ مزدلفہ سے مزدلفہ کی رات ہی میں منیٰ چلی آئے، پھر رات ہی میں جمرہ عقبہ کی رمی کرے اور اپنے گھر میں آ کر صبح کرے، اور حضرت عطاء بھی مرتے دم تک ایسا ہی عمل کرتے رہے)۔

"عن أم حبيبة قالت: كنا نغلس على عهد رسول اللّٰہ ﷺ من المزدلفة إلى منىٰ" (نسائی ۲/ ۴۶)۔

(ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مزدلفہ سے اندھیرے منہ منیٰ چلی آتی تھیں)۔

"عن عائشةؓ قالت إنما أذن النبي ﷺ لسودة في الإفاضة قبل الصبح من جمع لأنها كانت امرأةً ثبطة" (نسائی ۲/ ۴۶، کتاب المناسک، باب الرخصة للنساء في الافاضة من جمع قبل الصبح)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو مزدلفہ سے فجر سے پہلے ہی لوٹنے کی اجازت دے دی، اس لیے کہ وہ موٹی عورت تھیں۔

عذر کی بنا پر ہی آپ ﷺ نے حضرت ام المؤمنین سودہؓ کو مزدلفہ سے منیٰ آنے کی اجازت دی تا کہ آسانی کے ساتھ یہاں آ کر فجر پڑھ کر کے فوراً لوگوں کے آنے سے پہلے پہلے رمی جمار سے فارغ ہو جائیں۔

قرآن وحدیث اور فقہ وفتاویٰ کی روشنی میں بلاشبہ بلاکراہت ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنے کی گنجائش ہے۔یہی میری ذاتی رائے بھی ہے۔

۴- بارہویں ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرنے کی بناپر تیرہویں ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی، نیز بارہویں ذی الحجہ کو غروب کے بعد منیٰ سے روانہ ہونا اس وقت مکروہ ہوتا ہے جب کہ غروب سے قبل آرام وسہولت سے رمی کر کے منیٰ سے نکلنے کی سہولیات کے باوجود غروب سے قبل رمی کر کے کوچ نہ کیا ہو، پھر اپنی غفلت سے تاخیر کر کے غروب کے بعد منیٰ سے کوچ کیا جائے اور اگر بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے غروب کے بعد تک تاخیر کر کے رمی کی جائے اور پھر غروب کے بعد رات میں منیٰ سے کوچ کیا جائے تو بلاشبہ جائز ہے۔لہٰذا بارہویں کو بھیڑ کی وجہ سے دن میں رمی نہیں کی اور پھر رات میں رمی کر کے منیٰ سے نکل جائے تو بلاکراہت جائز ہوگا۔اور جہاں کراہت کی بات کہی گئی وہاں پر بھیڑ نہ ہونے کی صورت مراد ہے۔یہی علت ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے عورتوں اور کمزوروں کے لیے رات کی رمی کو فقہاء نے افضل لکھا ہے (انوار مناسک/ ۴۸۰)۔

خلاصہ یہ کہ بارہویں ذی الحجہ کی رمی جمار کرنے کی وجہ سے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو ایسے شخص پر تیرہویں ذی الحجہ کی رمی جمار کا وجوب نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص تیرہویں ذی الحجہ کو منیٰ میں رک جائے تو ایسے شخص پر اس دن کی رمی بھی واجب ہوجاتی ہے، اور زوال کے بعد سے غروب کے درمیان کرنا واجب ہے (دیکھئے: انوار مناسک/ ۴۸۰-۴۸۱)۔

۵-رات میں رمی جمار کرنا:

"عن عائشة أنها قالت: أرسل النبي ﷺ بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت وكان ذلك اليوم اليوم الذي يكون رسول الله ﷺ تعني عندها" (ابوداؤد/ ۱/ ۲۶۸، کتاب المناسک، باب التعجیل من جمع)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو دسویں ذی الحجہ کی رات میں منیٰ کی طرف روانہ کردیا، انہوں نے فجر سے پہلے ہی جمرہ عقبہ کی رمی بھی کرلیا، اور مکہ پہنچ کر طواف زیارت کرلیا کیونکہ یہ دن اتفاق سے وہ دن تھا جس دن میں رسول اللہ ﷺ ان کے یہاں قیام پذیر تھے۔

"عن أسماء أنها رمت الجمرة، قالت: إنا رمينا الجمرة بليل، قالت: إنا كنا نصنع هذا على عهد رسول الله ﷺ" (أبوداؤد ۱/۲۶۸، کتاب المناسک، باب التعجیل من جمع)۔

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رمی جمار کیا، مزید تصریح کیساتھ فرماتی ہیں کہ ہم نے رات میں ہی جمرہ عقبہ کی رمی کرلی ہے، اور مزید کہا کہ بیشک ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے۔

یہ دونوں حدیثیں حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل ہیں جو رمی جمار کو نصف شب کے بعد سے درست مانتے ہیں، اس سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک آخری آدھی رات سے رمی جمار کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

شیخ سید سابقؒ تحریر فرماتے ہیں:

جب کوئی عذر دن میں رمی کرنے سے مانع بن جائے تو بلاشبہ اس صورت میں رمی کو تاخیر کر کے رات میں کرنا جائز و درست ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے فقہ السنہ ۱/۵۳۱)۔

عورتوں کے علاوہ ضعیف، مریض اور معذور افراد کے لیے بھی بھیڑ اور مزاحمت سے بچنے کے لیے رات کو رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کمزوروں کو رمی جمار کی غرض سے مزدلفہ سے رات میں منیٰ آنے کی اجازت دی ہے (فتاویٰ امارت شرعیہ ۳/۲۴۰، نسائی ۲/۴۶، کتاب المناسک، باب تقدیم النساء والصبیان إلی منازلھم بمزدلفہ)۔

اگر دن میں زبردست ازدحام اور بھیڑ کی وجہ سے جمرات تک پہنچنا دشوار ہو جائے تو رات

میں رمی کرنا بلاکراہت جائز اور درست ہے۔ اس میں عورت اور کمزور مرد دونوں داخل ہیں، اور دسویں، گیارہویں کی رمی بھیڑ کی وجہ سے رات میں کرنا جائز ہے، اسی طرح بارہویں کی رمی بھی بھیڑ کی وجہ سے غروب کے بعد کرکے کوچ کرنا بلاکراہت جائز ہوگا، ہاں البتہ اگر بھیڑ وغیرہ کی مشقت نہ ہوتو غروب کے بعد مکروہ ہے (معلم الحجاج /۱۸۷، غنیۃ المناسک جدید /۱۸۵)۔

البتہ اگر کوئی طاقت ور مرد ازدحام میں داخل ہونے میں شدید مشقت کا شکار نہیں ہوتا ہے تو ایسے طاقت ور کے لیے رمی کو رات تک مؤخر کرنا مکروہ ہے (معلم الحجاج /۱۸۷، بحوالہ انوار مناسک /۵۰۴)۔

اور اگر اس کو بھی سخت مشقت کا خطرہ ہوتو مؤخر کرنا اس کے لیے مکروہ نہ ہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد معذورین کے لیے رمی جمار کرنا مکروہ نہیں بلکہ بلاکراہت جائز ہے، تو بلاشبہ یہاں بھی دسویں ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف آخر کے بعد بلاکراہت جائز ہوگی کیوں کہ یہاں بھی عذر ہے، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے مذہب ومسلک کے مطابق بھی بلاکراہت جائز ہے۔

منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام کی شرعی حیثیت

۱- ایامِ منیٰ میں حاجی کے لئے منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے۔ تین راتیں منیٰ میں گذارنا سنت ہے۔ (۱) آٹھویں اور نویں ذی الحجہ کی درمیانی شب، (۲) دسویں اور گیارہویں ذی الحجہ کی درمیانی شب، (۳) گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی درمیانی شب۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے (اوجز المسالک ۳/ ۶۴۵)۔

اور اس سے بھی زیادہ افضل یہ ہے کہ بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کی درمیانی شب بھی منیٰ میں گذار کر تیرہویں کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرکے منیٰ سے کوچ کیا جائے (غنیۃ المناسک/ ۱۸۴، بحوالہ انوار مناسک /۴۹۷)۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان دنوں میں حاجی کے قیام منیٰ کی سنت کی حیثیت ہے، اور ان راتوں کو بلا عذر دوسری جگہ گذارنا مکروہ ہے۔ اسی لئے ہر حاجی کے لئے ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس طرح حج کیا ہے اس کے مطابق حج کرنے کی سعی بلیغ کریں، اور اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ آپ ﷺ کی کوئی سنت حج کے درمیان نہ چھوٹے۔

عذر کی وجہ سے منیٰ کی شب گذاری ترک کردینا:

اگر کسی عذر کی وجہ سے منیٰ میں رات نہ گذار سکے تو کوئی مضائقہ نہیں مثلاً کوئی ضعیف آدمی یوم النحر میں طواف وسعی کے بعد رات تک منیٰ پہنچنے کی ہمت نہیں رکھتا تو ایسا شخص جہاں سہولت ہو وہاں رات گذار سکتا ہے، اسی طرح ازدحام اور بھیڑ میں نکل کر منیٰ پہنچتے پہنچتے صبح ہوجائے تو ایسے اعذار میں مبیت منیٰ چھوٹ جانے سے کوئی گناہ نہیں جیسا کہ حضور ﷺ نے چرواہوں کے لئے اجازت دے دی تھی کہ وہ لوگ جہاں چاہیں رات گذار سکتے ہیں (اوجز المسالک ۳/۶۴۵)۔

بلا عذر مبیت منیٰ ترک کردینا:

بلا کسی عذر کے منیٰ میں رات نہیں گذارتا ہے، مکہ مکرمہ یا کسی دوست کے یہاں رات گذار دیتا ہے، تو ترک سنت کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امر مکروہ کا مرتکب اور گنہگار ہوگا، مگر اس امر مکروہ کے ارتکاب کی وجہ سے اس پر کوئی جرمانہ لازم نہ ہوگا (ہدایہ ۱/۱۳۳، اوجز المسالک ۳/۶۴۵)۔

رات کا اکثر حصہ منیٰ میں نہ گذارنا:

مبیت منیٰ کلی طور پر ترک نہیں کیا بلکہ رات کا نصف حصہ یا اکثر حصہ دوسری جگہ بلا عذر گذار دیا ہے، مثلاً کسی دوست کے یہاں گذار دیا ہے تو یہ عمل مکروہ تنزیہی اور خلاف سنت ہے اور کوئی کفارہ لازم نہ ہوگا (اوجز المسالک ۳/۶۴۵، بحوالہ انوار المسالک ۴۹۸)۔

عذر کی بنا پر نبی اکرم ﷺ نے چرواہوں سے مبیت منیٰ ساقط فرما دیا ہے:

"عن أبي البداح بن عدی عن أبیه أن النبي ﷺ رخص للرعاء أن یرموا یوما ویدعوا یوما" (نسائی ۲/۴۹، کتاب المناسک، باب رمی الرعاء مختار اینڈ کمپنی، دیوبند)۔

(حضرت ابو البداح بن عدی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے چرواہوں کو اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ ایک دن رمی کریں اور ایک دن رمی چھوڑ دیں)۔

"عن عدی أن النبي ﷺ رخص للرعاء في البیتوتة یرمون یوم النحر والیومین اللذین بعده یجمعونهما في أحدهما" (نسائی ۲/۴۹، کتاب المناسک، باب رمی الرعاء، مختار اینڈ کمپنی دیوبند)۔

(حضرت عدی سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے چرواہوں کو رات گذارنے کے بارے میں رخصت دی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو رمی کریں اور اس کے بعد کے دونوں دنوں کی رمی ان میں سے ایک میں کریں)۔

۲- حاجی کا حدود مکہ میں ہی مقیم رہ کر وہاں سے رمی جمار کرنے کے لئے جانا:

اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی قیام کرے اور وہیں سے رمی جمار وغیرہ کے لئے جایا کرے تو اس کے حج پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا، علامہ شمس الدین سرخسی علیہ الرحمہ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

اگر کوئی حاجی منیٰ کے دنوں میں مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے ہر روز منیٰ اتر کر رمی جمار کرتا رہے تو گویا اس نے برا کام کیا، اور اس کی وجہ سے اس کے اوپر کوئی جرمانہ واجب نہ ہوگا، کیونکہ اس نے صرف سنت کو چھوڑ دیا ہے اور وہ ہے رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا، اور فی الواقع اس کو ہم نے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ واقعی حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ ایام منیٰ کی راتیں مکہ ہی میں جا کر گذاریں حاجیوں کو پانی پلانے کے

لئے، تو آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو اجازت دے دی، کہا گیا ہے کہ بیشک وہ (منیٰ میں رات گذارنا) واجب نہیں ہے (المبسوط ۴/ ۶۷ تا ۶۸، دار المعرفہ بیروت لبنان، ۱۴۱۴ء ۱۹۹۳ھ، اوجز المسالک ۳/ ۶۴۵، ہدایہ ۱/ ۲۳۳ تا ۲۴۴، رفائیہ ۱/ ۴۶۶)۔

''عن نافع عن ابن عمر قال استأذن العباس رسول اللّٰہ ﷺ أن یبیت بمکة لیالی منیٰ من أجل سقایته فأذن له'' (ابوداؤد ۱/ ۲۷۰، کتاب المناسک، باب یبیت بمکة لیالی منیٰ)۔

(حضرت نافعؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ ایام منیٰ کی راتیں مکہ ہی میں جا کر گذاریں حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے، تو آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو اجازت دے دی)۔

اگر کوئی حاجی عذر معقول کی وجہ سے مکہ ہی میں مقیم رہ کر وہاں سے منیٰ آکر رمی جمار کر لیتا ہے تو ان کے حج پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔ عذر معقول کی بنا پر قیام منیٰ اور مبیت منیٰ ترک کر دینا بلا کراہت جائز ہوگا، نہ اس کے اوپر کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی کوئی تاوان لازم ہوگا، بلکہ ایسی مجبوری کی بنا پر بھی رات گزارنا بلا کراہت جائز ہوگا اور اس کی وجہ سے ان کا حج فاسد نہیں ہوگا بلکہ اس معذور حاجی کا حج درست و جائز ہوگا۔

حج کے زمانہ میں سعودی حکومت ہر سال مزدلفہ کا بڑا حصہ کبری ملک فیصل تک حاجیوں کے لئے منیٰ میں قیام کرنے کے لئے اسی طرح تسلسل کے ساتھ خیمے نصب کر دیتی ہے جس طرح حدود منیٰ میں ہیں، اسی طرح حرم کی طرف جمرۂ عقبہ کے بعد بھی پہاڑ کے دامنوں پر خیمے نصب کر دیتی ہے ان خیموں میں قیام کرنے کی وجہ سے قیام منیٰ کی سنت ادا نہیں ہوگی، اور وہاں قیام کرنا ناجائز بھی نہ ہوگا اس لئے کہ منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی صورت میں کہیں بھی قیام کرنا جائز ہے لہذا وہاں بھی قیام کرنا جائز ہو جائے گا مگر مبیت منیٰ کی سنت حاصل نہ ہوگی (اس کی تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: ایضاح المناسک / ۱۵۵ تا ۱۵۷ ،نسائی ۲/ ۴۹، کتاب المناسک باب رمی الرعاء، ابوداؤد ۱/ ۲۷۱، کتاب المناسک باب رمی الجمار، بخاری ۱/ ۲۲۱، کتاب المناسک، باب سقایة الحاج، مسلم ج ۱/ ۴۲۳، کتاب الحج، باب

وجوب المبیت بمنٰی لیالی لایام التشریق والترخیص فی ترکہ لاجل السقایہ)۔

۳-عذر کی بنا پر حاجی حدود میقات میں جہاں چاہے قیام کرسکتا ہے:

حدود حرم: اتر میں تنعیم ہے، مکہ سے ۶ رکلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ دکھن میں اضاءۃ لبن ہے، مکہ سے ۲۳ رکلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ پورب میں جعرانہ ہے، مکہ سے ۲۴ رکلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ پچھم میں حدیبیہ ہے مکہ سے ۲۲ رکلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، اب اس کو شمیسی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اتر پورب میں وادیٔ نخلہ ہے، مکہ سے ۱۴ رکلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

آٹھ سو چالیس مربع کلومیٹر کی زمین حرم کہلاتی ہے، حدود میقات کا پورا رقبہ حدود حرم کو لے کر دو لاکھ اسی ہزار آٹھ سو انسٹھ (۲۸۰۸۵۹) مربع میٹر ہے (حدود حرم کی تفصیل کے لئے دیکھئے: مفید الانام ونور الظلام فی تحریر الاحکام لحج بیت اللہ الحرام ۲۱۷، ریاض سعودی عرب، طبع سوم ۱۹۹۲ء ۱۴۱۲ھ، فقہ السنۃ ۱/ ۵۰۲، نئی دہلی، حج اور تجلیات مکہ ومدینہ جلد اول ۵۲/ ۳۵ تا ۸۲-۳)۔

حاجی عذر کی بنا پر دو لاکھ اسی ہزار آٹھ سو انسٹھ مربع میٹر کی زمین پر جہاں چاہے قیام کرسکتا ہے خواہ مکہ شہر کے اندر یا مضافات مکہ میں عرفات، مزدلفہ، جبل قزح، حی العزیزیہ، کبری ملک فیصل، وادیٔ عرنہ، وادیٔ نخلہ، تنعیم، اضاءۃ لبن، جعرانہ، حدیبیہ وغیرہ میں بھی قیام کرسکتا ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی قباحت وشناعت نہیں ہے، مگر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جو کوئی حاجی یہ سمجھ لے کہ میں نے حدود حرم وحدود میقات میں ہی قیام کیا ہے تو مجھ کو قیام منیٰ کا ثواب ملے گا اور تدارک قیام منیٰ بھی میرے حق میں صحیح ہوجائے گا تو ایسا سمجھنا بالکل لغو اور باطل خیال ہے، کیوں کہ حدود منیٰ منصوص ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خود اس کی حدود متعین فرما دی ہیں، اور آپ کی متعین شدہ حدود میں کسی بھی شخص کو تا قیامت ترمیم وتبدیل کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا حدود منیٰ سے باہر عذر کی بنا پر رات گذارنا بلا کراہت جائز ہے، اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور نہ کوئی جرمانہ لازم ہوگا، لیکن منیٰ اور مبیت منیٰ کی سنت حاصل نہ ہوگی (مسلم ۱/ ۴۲۳، ابوداؤد ۱/ ۲۷۰، المبسوط ۴/ ۶۷ تا ۶۸)۔

حدودِ منیٰ: حدودِ منیٰ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ سے منصوص ہے، اور اس کی حدود یوں ہے کہ مزدلفہ کی طرف سے وادیٔ محسّر ہے جہاں اصحابِ فیل تباہ ہوگئے تھے، آخری حد ہے۔ اور حرم شریف کی طرف سے جمرۂ عقبہ آخری حد ہے اور دونوں طرف کے پہاڑوں کی چوٹیوں تک ہے۔ لہٰذا وادیٔ محسّر سے جمرۂ عقبہ تک دوطرفہ پہاڑوں کے درمیان کا حصہ منیٰ ہے (غنیۃ الناسک فی بغیۃ المناسک ۱۶۹/۱، بہ حوالہ انوار مناسک ۴۶۹-۴۹۹)۔

اور اس حدود کے دائرہ میں کہیں بھی قیام کرے گا تو قیام منیٰ صحیح ہوجائے گا اور اس حدود سے باہر قیام کرے گا تو قیام منیٰ صحیح نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر حدودِ منیٰ میں کہیں بھی جگہ نہ ملے تو قیام منیٰ اور مبیت منیٰ ترک کردینا بلا کراہت جائز ہوگا، نہ اس پر کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی کوئی جرمانہ لازم ہوگا۔ بلکہ ایسی تنگی کے عذر کی وجہ سے کہیں بھی رات گذارنا بلا کراہت جائز ہوجائے گا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی ☆

رمی جمار کے اوقات:

۱- دس ذی الحجہ کی رمی کے وقت کو فقہاء احناف نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:

''اس کے چار اوقات ہیں: (۱) وقت جواز (۲) وقت استحباب (۳) وقت اباحت (۴) وقت کراہت، اول کی ابتداء یوم النحر کی فجر کے طلوع سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب کہ دوسرے دن صبح صادق ہوجائے،............اور دوسرا وقت طلوع شمس سے زوال تک ہے، تیسرا وقت زوال سے غروب تک ہے، اور چوتھا غروب کے بعد سے صبح صادق سے پہلے تک ہے'' (البحر الرائق، باب الاحرام)۔

علامہ ابن نجیمؒ کی اس تصریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت استحباب، وقت اباحت اور وقت کراہت کی تفصیل کے ساتھ دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے ہی شروع ہوجاتا ہے۔

اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور کمزورلوگوں کو یوم النحر کی رات میں رمی کے لیے روانہ کردیا اور یہ تاکید کردی کہ: ''لایرمو الجمرة إلا مصبحین'' (بیہقی، باب الوقت المختار للرمی) (صبح ہونے کے بعد

ہی وہ لوگ رمی کریں)۔

اس لیے احناف، مالکیہ (بدایۃ المجتہد ۱/۲۰۷) ایک روایت کے مطابق حنابلہ (الانصاف ۳۷/۴) کے نزدیک صبح صادق سے رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس سے بھی پہلے نصف شب سے ہی شروع ہوجاتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

"أحب أن لا يرمي أحد حتى تطلع الشمس ولا بأس عليه أن يرمي قبل طلوع الشمس وقبل الفجر إذا رمى بعد نصف الليل" (الام ۲/۲۳۰)۔

"مجھے یہ پسند ہے کہ کوئی شخص جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو رمی نہ کرے، اور اگر اس نے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے، اسی طرح صبح صادق سے پہلے رمی کرلیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے بشرطیکہ اس نے نصف شب کے بعد رمی کی ہو"۔

ان اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابتدائی وقت میں اگر چہ اختلاف ہے، لیکن صبح صادق کے بعد رمی جمار کرنا سب کے نزدیک درست ہے، اس لیے اگر کوئی شخص طلوع آفتاب سے پہلے صبح صادق کے بعد دس ذی الحجہ کی رمی کرتا ہے تو اس کا یہ عمل بالاتفاق درست ہے، بلکہ موجودہ حالات کے اعتبار سے بہتر بھی ہے، اس لیے کہ وقت استحباب کی تلاش میں بسا اوقات کئی مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں، مزید یہ کہ اس سے حجاج کی زندگی خطرہ میں پڑجاتی ہے اور کئی حادثات کے پیدا ہونے کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں، حالات کے اعتبار سے بسا اوقات جائز کام بہتر ہوجاتا ہے اور وقت ادا، افضل وقت بن جاتا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص موجودہ حالات کے پس منظر میں ایسا کرتا ہے تو اس کا یہی عمل ان شاء اللہ بہتر ہوگا۔

۲- ۱۱/ اور ۱۲/ ذی الحجہ یعنی ایام تشریق کی رمی کا وقت زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، جیسا کہ مذکورہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، حضرت جابرؓ طویل روایت میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"كان النبي ﷺ يرمي يوم النحر ضحى وأما بعد ذلك فبعد زوال

الشمس" (ترمذی باب ماجاء فی رمی یوم النحر ضحی)۔

"نبی ﷺ یوم النحر کی رمی چاشت کے وقت کرتے تھے اور اس کے بعد کی رمی زوال شمس کے بعد کرتے تھے"۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

"کنا نتحین فإذا زالت الشمس رمینا" (بخاری باب رمی الجمار)۔

"ہم لوگ انتظار کرتے یہاں تک کہ جب زوال شمس ہوجاتا تو ہم رمی کرتے"۔

ان روایتوں کے پیش نظر ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہی شروع ہوتا ہے اس لیے اس سے قبل صبح صادق سے رمی کرنا درست نہیں ہے، بلکہ کسی نے اگر اس سے قبل رمی کرلی تو اس پر زوال کے بعد اعادہ لازم ہے، صاحب بدائع تحریر فرماتے ہیں:

"بہر حال ایام تشریق کے پہلے اور دوسرے دن رمی کا وقت اور وہ رمی کا دوسرا اور تیسرا دن ہے تو وہ زوال کے بعد ہے اس لیے ان دونوں دنوں میں زوال سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے" (بدائع ۲/ ۳۲۴)۔

اسی طرح "المجموع شرح المہذب" میں یہ تصریح ہے:

"ولا یجوز الرمي في هذه الأيام الثلاثة إلا بعد الزوال" (المجموع شرح المہذب، باب صفۃ الحج والعمرۃ)۔

"ان تین دنوں میں رمی کرنا زوال کے بعد ہی جائز ہے"۔ اسی طرح "المدونۃ الکبریٰ" میں امام مالک کا یہ قول منقول ہے:

"من رمى الجمار في الأيام الثلاثة قبل زوال الشمس فليعد الرمي ولا رمي إلا بعد الزوال في أيام التشريق كلها" (المدونۃ الکبری/ ۵۸۶)۔

"جس نے ان تین دنوں میں زوال شمس سے پہلے رمی جمار کرلیا تو اسے چاہئے کہ دوبارہ رمی کرے، اور رمی پورے ایام تشریق میں زوال کے بعد ہی ہے"۔

اسی طرح المغنی میں منقول ہے:

"ولا يرمى في أيام التشريق إلا بعد الزوال فإن رمى قبل الزوال أعاد" (المغنی لابن قدامہ ۵/ ۳۲۸)۔

"ایام تشریق میں زوال کے بعد ہی رمی کرے اور اگر زوال سے پہلے رمی کرلیا تو اعادہ کرے گا"۔

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے صبح صادق سے کرنا درست نہیں ہے، اور ایسا کرنے کی صورت میں زوال کے بعد اعادہ لازم ہے۔

لیکن ان واضح اور مشہور نصوص کے برخلاف بعض نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے بھی اگر کسی نے کرلیا تو اس کے لیے یہ رمی کافی ہوجائے گی، اس کا اعادہ اس پر لازم نہ ہوگا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ایک روایت میں اس کی گنجائش ہے، علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ دوسرے دن اور تیسرے دن رمی نہ کرے یہاں تک کہ زوال شمس ہوجائے، لیکن اگر اس سے پہلے رمی کرلی تو یہ رمی کافی ہوجائے گی، اور رسول اللہ ﷺ سے جو مروی ہے کہ آپ نے زوال کے بعد رمی کی تو اسے افضل کو اختیار کرنے پر محمول کیا جائے گا" (فتح القدیر ۳/ ۱۸۵)۔

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور حضرت عکرمہؒ وغیرہ سے بھی یہ اجازت منقول ہے (المغنی ۳/ ۴۸۴)۔

بالخصوص بارہ ذی الحجہ کی رمی کے حوالہ سے منقول روایت میں بھی اس کی اجازت ملتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

"إذا انتفخ النهار من آخر أيام التشريق جاز الرمي" (بیہقی الکبری ۵/ ۱۵۲)۔

"ایام تشریق کے دوسرے دن جب دن چڑھ جائے تو رمی جائز ہوجاتی ہے"۔

اس لیے موجودہ حالات کے پیش نظر ان حضرات کے قول کے مطابق زوال سے قبل رمی کی ''مشروط اجازت'' دینے کی بھی گنجائش ہے۔ بالخصوص ان کمزور لوگوں کے لیے جن کا زوال کے بعد کے مجمع کثیر میں اس عمل کو انجام دینا بہت دشوار اور پرخطر ہوتا ہے۔

۳- احناف وشوافع کے نزدیک گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال شمس کے بعد سے طلوع صبح صادق تک رہتا ہے، جس میں سے غروب شمس تک وقت مستحب ہے اور بعد کا وقت، وقت جواز مع الکراہۃ ہے۔ یعنی بلاعذر غروب کے بعد رمی کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً ازدحام کثیر ہو، یا کوئی ایسا عذر ہو جس سے وہ وقت مستحب میں رمی نہ کرسکتا ہو تو اس کے لیے غروب کے بعد رمی کرنے میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"والوقت المسنون فيما يمتد من الزوال إلى الغروب ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه" (ردالمحتار ۲/ ۵۴۲)۔

''مسنون وقت زوال سے غروب تک ہے، اور غروب سے طلوع صبح صادق تک وقت مکروہ ہے''۔

اس لیے اگر کوئی عذر نہ ہو تو بلاضرورت رات میں رمی کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہوگا، اور اگر کوئی عذر ہو جیسا کہ آج کل کثیر مجمع کی وجہ سے مشکلات درپیش رہتے ہیں اور جان ومال کا خطرہ رہتا ہے تو ایسی صورت میں رمی کرنا بھی بلاکراہت جائز ہوگا۔

۴- ائمہ اربعہ کے نزدیک بارہ ذی الحجہ کی رمی کرنے کے بعد غروب شمس سے پہلے منیٰ سے واپس ہوجانا جائز ہے، اس لیے کہ ۱۳؍ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

"فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه" (سورۂ بقرہ/ ۲۰۳)۔

(جو جلدی کرکے دو دن میں چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو رہ جائے تو اس پر کوئی

گناہ نہیں)۔

بارہ ذی الحجہ کی رمی سے فراغت کے بعد گرچہ واپسی جائز ہے لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی کرنے کے بعد ہی واپسی ہو۔صاحب بدائع لکھتے ہیں:

"الأفضل أن لا يتعجل بل يتأخر إلى آخر أيام التشريق وهو اليوم الثالث منها فيستوفي الرمي كلها ثم ينفر" (بدائع ۲/۳۲۵)۔

"بہتر یہ ہے کہ جلدی نہ کرے بلکہ اپنی روانگی کو ایام تشریق کے آخری دن تک مؤخر کرے اور وہ ایام تشریق کا تیسرا دن ہے، اور مکمل رمی کرلے پھر واپس ہو"۔

لیکن اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کی رمی کے بعد واپس ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ غروب شمس سے قبل واپس ہوجائے، اگر وہ وہاں سے واپس نہ ہوا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو اس کے لیے اب ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی سے قبل واپسی مکروہ ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

"فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له أن ينفر حتىٰ يرمي الرابع ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشئ عليه وقد أساء" (ردالمحتار ۳/۵۴۳)۔

"اگر وہ نہ لوٹا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو اس کے لیے چوتھے دن کی رمی سے قبل نکلنا مکروہ ہے، اور اگر چوتھے دن کی صبح صادق سے پہلے رات ہی میں واپس ہوگیا تو اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، البتہ اس نے برا کیا"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غروب شمس کے بعد واپسی اگرچہ مکروہ ہے مگر طلوع فجر سے قبل واپسی کی گنجائش ہے، لیکن اگر واپسی میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ صبح صادق ہوگئی تو اب رمی کئے بغیر واپسی جائز نہیں ہے اور اس صورت میں واپسی پر دم لازم ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"ولو نفر بعد طلوع الفجر قبل الرمي لزمه الدم اتفاقا" (ردالمحتار ۳/۵۴۳)۔

"اور اگر صبح صادق کے بعد رمی سے پہلے واپس ہوگیا تو اس پر بالاتفاق دم لازم ہے"۔

اس لیے اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہرنے کی ضرورت درپیش ہوجائے تو بہتر یہ ہے کہ ۱۳ رذی الحجہ کی رمی کرکے ہی واپس ہو، لیکن طلوع فجر سے قبل یہ رمی لازم نہیں ہوگی، ہاں اگر ۱۳ رذی الحجہ کی طلوع فجر تک منیٰ میں قیام رہا تو پھر یہ رمی لازم ہوگی۔

۵- یوم النحر کی رمی کے سلسلے میں مروی روایات میں اختلاف ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور کمزور لوگوں کو طلوع فجر سے قبل رات ہی میں رمی کی اجازت دی، جیسا کہ حضرت عائشہ سے مروی ہے فرماتی ہیں:

"أرسل النبي ﷺ بأم سلمة يوم النحر فرمت الجمرة قبل الفجر" (سنن أبی داؤد، باب التعجیل من جمع)۔

"نبی ﷺ نے ام سلمہ کو یوم النحر کو بھیجا تو انہوں نے صبح صادق سے پہلے رمی کی"۔

چنانچہ اس روایت کی بنیاد پر امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ نے نصف شب کے بعد رمی کی اجازت دی ہے۔ اس کے برخلاف عبداللہ بن عباسؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے طلوع فجر سے قبل رمی کی اجازت نہیں دی، بلکہ آپ نے تاکید کی کہ: **لا يرموا الجمرة إلا مصبحين** (بیہقی الکبریٰ، باب الوقت المختار لرمی جمرۃ العقبۃ)۔

"جب تک صبح نہ ہوجائے وہ لوگ رمی نہ کریں"۔

چنانچہ اسی روایت کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام احمدؒ بن حنبل طلوع فجر سے قبل رمی کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ رمی کا مستحب وقت تمام حضرات کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور کمزور لوگوں کو ازدحام کے پیش نظر اس وقت مستحب سے پہلے روانہ کردیا اور رمی کرنے کا حکم دیا، اس پس منظر میں آج کے حالات کے اعتبار سے امام شافعیؒ اور امام احمد کے اجتہاد سے استفادہ کرتے ہوئے کمزور لوگوں اور عورتوں کو اور ان

کی خدمت اور نگرانی میں مصروف لوگوں کو نصف شب کے بعد رمی کی اجازت دینا درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حالات کے اعتبار سے کئی مسائل میں علماء نے دوسری رائے کو ترجیح دی ہے۔موجودہ حالات میں رمی کی دشواریاں اور بالخصوص عورتوں کے لیے اس عمل کو انجام دینے میں جتنی مشکلیں ہیں، وہ سب اسی کا تقاضہ کرتی ہیں۔

منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام:

۱-۸/ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا تمام فقہاء کے نزدیک سنت ہے واجب نہیں ہے، اور اسے بلاضرورت ترک کرنا نامناسب ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

''مستحب ہے کہ وہ محرم بن کر مکہ سے یوم الترویہ کو نکلے اور منیٰ میں ظہر پڑھے، پھر وہیں مقیم ہوجائے یہاں تک کہ پانچوں نمازیں وہیں پڑھے اور وہیں رات گزارے، یہی سفیان ثوری، مالک، شافعی اور اصحاب الرائی کا قول ہے، اس مسئلہ میں ہم کسی مخالف کو نہیں جانتے، اور یہ ان تمام کے نزدیک واجب نہیں ہے'' (المغنی ۳/ ۴۳۲، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۳۳۴، ردالمحتار ۳/ ۵۱۸)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ۸/ذی الحجہ کی شب میں منیٰ میں قیام کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ سنت ہے، اس لیے جگہ کی قلت یا کسی عذر کی وجہ سے دوسری جگہ قیام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

البتہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی ایک قول کے مطابق سنت ہی ہے۔

ایام تشریق میں منیٰ میں ٹھہرنا جمہور فقہاء کے نزدیک واجب ہے.....اور حنفیہ اور ایک قول کے مطابق شافعیہ کے نزدیک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق ایام تشریق میں منیٰ میں ٹھہرنا سنت ہے واجب نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیہ: ایام التشریق)۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

"فيبيت بها للرمي ليالي أيام الرمي وهو السنة فلو بات بغيرها يكره ولا يلزمه شيء" (ردالمحتار ۳/۵۴۰)۔

"رمی کے لیے ایام رمی میں منیٰ میں مقیم رہے اور یہ سنت ہے، پس اگر اس کے علاوہ کسی اور جگہ رات گذاری تو یہ مکروہ ہے اور اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہے"۔

سنت کہنے والوں کی تائید حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

"إستاذن العباس بن عبد المطلب رسول اللّٰه أن يبيت بمكة ليالي منىٰ من أجل سقايته فأذن له" (بخاری باب سقایۃ الحاج)۔

"عباس بن عبدالمطلبؓ نے اپنے سقایہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے منیٰ کی راتوں میں مکہ میں رات گزارنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی"۔

یعنی اگر ایام تشریق میں منیٰ میں قیام کرنا واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان کو ان دنوں مکہ میں قیام کی اجازت نہ دیتے، نیز ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی اگرچہ منیٰ میں قیام واجب ہے، لیکن یہ حضرات بھی دم کو اس صورت ہی میں واجب قرار دیتے ہیں جب کہ کوئی شخص بلاعذر ان ایام میں منیٰ میں قیام نہ کرے، لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے ان دنوں منیٰ میں قیام نہ کر سکے تو اس پر دم واجب نہیں ہے۔

بہر حال ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مبیت واجب ہے اور اس کو چھوڑنا موجب دم ہے، لیکن عذر کی حالت میں مبیت نہ کرنے پر دم واجب نہیں ہوتا، اور احناف کے نزدیک سنت ہے، جسے بلاعذر چھوڑنا مکروہ ہے، لیکن عذر کی حالت میں کراہیت بھی باقی نہیں رہتی۔

۲-موجودہ حالات میں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے درپیش مسائل یقیناً قابل غور عذر ہیں، کیونکہ ان حالات میں جگہ کی تنگی بھی رہتی ہے اور ایک مقام پر اتنی تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے سے کئی خطرات کا امکان پیدا ہوجاتا ہے اور حاجی کی جان ومال خطرہ میں پڑ جاتی ہے، اس

لیے ان اعذار کی وجہ سے حدودِحرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے، چاہے مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، اس طرح منیٰ کے بجائے مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے، کیونکہ مزدلفہ بھی آبادی کی وسعت کی وجہ سے حدودِحرم میں داخل ہے۔ اور منیٰ کے علاوہ کسی بھی جگہ قیام کرنا بالاتفاق جائز بلاکراہت ہوگا، اور اس پر دم بھی واجب نہیں ہوگا، کیونکہ عذر کی حالت میں احناف کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے، جب کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عذر کی حالت میں قیام منیٰ ساقط ہوجاتا ہے۔

۳- ان حالات میں اگر کوئی حاجی حدودِمکہ میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو اس درپیش مجبوری کی بناپر ملی رخصت کی وجہ سے اس کے حج پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا، یعنی اس کا حج بالکل درست ہوگا اور دم وغیرہ بھی واجب نہ ہوگا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

اے ایم عبد القادر (کیرالہ)

رمی کے اوقات کی بابت جن اندیشوں کا اظہار کیا گیا ہے وہ بجا ہیں۔ آئے سال جس طرح وہاں لوگوں کی بھیڑ زیادہ ہوتی جارہی ہے اس سے بہت سارے نت نئے مسائل پیدا ہورہے ہیں۔ لیکن شریعت اسلامیہ جس جامعیت کی حامل ہے اس سے یہ ضرور توقع کی جاسکتی ہے کہ ان مسائل کا بھی حل موجود ہے۔

قبل اس کے کہ سوالنامے میں درج سوالات پر گفتگو کی جائے ایک سرسری نظر رمی کے اوقات مستحبہ پر ڈالی جائے۔

(الف) جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک **لیلۃ النحر** (دسویں کی رات) ہی سے داخل ہوجاتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ رمی بعد طلوع شمس ہو۔

ان کی **دلیل** یہ حدیث شریف ہے: **"أن النبي ﷺ أمر أم سلمة ليلة النحر، فرمت جمرة العقبة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت"** (رواہ ابوداؤد)۔

احناف اور مالکیہ کے نزدیک اس رمی کا وقت روز عید کے طلوع شمس کے بعد سے ہے۔

دلیل حضور ﷺ کا یہ **قول** ہے: **''لاترموا حتی تطلع الشمس''** (رواہ أصحاب السنن لأ ربعۃ)۔

(ب) ایام تشریق میں تینوں جمرات کی رمی کا وقت بالاتفاق ہر دن زوال شمس کے بعد (بعد ظہر) شروع ہوتا ہے، اس لیے کہ حضرت عبد اللہؓ نے روایت کیا:

"رمي رسول الله ﷺ الجمار حين زالت الشمس" (رواه أحمد وابن ماجة والترمذي) (نیل الأوطار ۵/۷۹)۔

تو رمی قبل زوال جائز نہیں اور اس کا وقت غروب تک رہتا ہے۔

اگر رات تک رمی کو مؤخر کیا تو مالکیہ کے نزدیک قضا ہوجائے گی، اب تاخیر کے لیے دم ضروری ہوگا۔ احناف نے فرمایا کہ اگر رات تک مؤخر کیا اور طلوع فجر سے پہلے پہلے رمی کر لی تو جائز ہے اور اس پر کچھ نہیں ہے۔ ایام تشریق کے تیسرے دن قبل زوال بھی جائز ہے۔ حنابلہ کے نزدیک صرف دن میں وہ بھی زوال کے بعد ضروری ہے۔ ہاں ساقیوں اور چرواہوں (جن کے پاس عذر معقول ہو) کے لیے رخصت ہے کہ دن رات جب بھی وقت ملے رمی کر لیں۔ شافعی حضرات کے یہاں ان تین دنوں کی رمی کا وقت زوال شمس سے غروب آفتاب تک ہے۔ اگر کسی وجہ سے کسی دن رمی نہیں کرسکا تو باقی ایام میں اس کی بھی رمی کریگا۔ اور ادا ہی ہوگی قضا نہیں، چرواہوں اور ساقیوں کے لیے وقت مختار سے تاخیر کی ہمیشہ گنجائش ہے۔

ایام تشریق کے دوسرے دن بعد زوال رمی کرنے کے بعد اگر کوئی منیٰ سے مکہ لوٹنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔ نفر اول اسی کو کہتے ہیں، جواز کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: "فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه" ہے، آیت کا ماحصل یہ ہے کہ تیسرے دن رمی ترک کر کے اگر کوئی عجلت سے کام لینا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جلدی نہ کرے اور ایام تشریق کے آخر تک تاخیر کرے۔ پھر اس دن کی رمی پوری کرے اور لوٹے۔ "ومن تأخر فلا إثم عليه" سے اس کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: "فمن تعجل في يومين غفر له ومن تأخر غفر له"، اسی طرح ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔

جمہور کے نزدیک ایام تشریق کے دوسرے دن تعجیل قبل غروب شمس ہے اس کے بعد تعجیل صحیح نہیں، کیونکہ آیت میں یوم کا لفظ آیا ہے اور یوم نہار کو کہتے ہیں۔

احناف کے یہاں چوتھے دن کے فجر طلوع ہونے سے پہلے پہلے تک واپس ہوسکتا ہے، اگر فجر کا وقت ہوگیا تو بغیر رمی کے نفر جائز نہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ شریعت اسلامیہ میں بہت زیادہ وسعت ہے، مختلف مسائل میں ائمہ کرام کا اختلاف بظاہر غیر مناسب لگتا ہے لیکن یہی اختلافات بہ وقت ضرورت بہ شکل رحمت ظہور پذیر ہوتے ہیں اس میں کوئی دورائے نہیں۔ بہ وقت ضرورت فقہاء نے بھی دوسرے امام کی تقلید جائز قرار دی ہے۔ مس مرأة سے مذہب شافعی اور حنبلی کے مطابق وضو ختم ہوجاتا ہے لیکن آج کل بہ وقت طواف بلا استثناء مذہب ہر کوئی مذہب حنفی پر عمل کرتا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اس وقت اگر مس مرأة کو ناقض وضو مانا جائے تو حرج عظیم لازم آئے گا، دوسرے مسائل میں بھی اگر بہ وقت ضرورت ایسا کرلیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ رمی جمار کے مسائل میں بھی جہاں جہاں ضرورت کا تحقق ہوگا اپنے مذہب کو چھوڑ کر دیگر مذہب کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور انشاء اللہ اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی۔

اب ہم تمام سوالات پر قدرے تفصیلی نظر ڈالتے ہیں:

۱- ۱۰ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل بغیر عذر مکروہ ہے، اگر کسی طرح کا کوئی عذر ہو تو کوئی کراہت نہیں۔ حادثات اور ناگہانیوں سے بچنے کی کوشش یقیناً عذر معقول ہے لہٰذا فجر کے وقت ہی سے رمی کرسکتا ہے، اس کے بارے میں دونوں طرح کی حدیثیں مروی ہیں:

ا- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے: "**كان رسول الله ﷺ يقدم ضعفة أهله بغلس ويأمرهم أن لا يرموا الجمرة حتىٰ تطلع الشمس**" (رواہ أصحاب السنن الأربعۃ) بزاز نے فضیل بن عباس سے اسی معنیٰ میں روایت کیا ہے۔

ب- قبل طلوع شمس رمی کا ثبوت بھی ابن عباسؓ سے مروی ہے جو امام طحاوی نے روایت کیا ہے: "**أن رسول الله ﷺ كان يأمر نسائه وثقله صبيحة جمع أن يفيضوا مع أول الفجر بسواد ولا يرموا الجمرة إلا مصبحين**"۔ اس معنیٰ میں ایک اور حدیث ان

ہی سے مروی ہے: "أن رسول الله ﷺ بعثه في الثقل وقال لاترموا الجمار حتى تصبحوا"۔

صاحب فتح القدیر ان احادیث کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فاثبتنا الجواز بهذين والفضيلة بما قبله" (فتح القدیر ۲/۵۰۰)۔

مگر قبل طلوع شمس بعد فجر اساءت اسی وقت ہے جب کہ کوئی عذر نہ ہو، عذر کے تحقیق پر اساءت بھی نہیں ہے (فتح القدیر ۲/۵۰۱)۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک، جیسا کہ مذکور ہو چکا دسویں کے رات ہی سے وقت شروع ہو جاتا ہے، تو عام حالات میں بھی طلوع شمس سے پہلے مکروہ نہیں۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، اور یہ وقت صبح تک ممتد ہے۔ مگر آفتاب غروب ہونے کے بعد مکروہ ہے۔ ظاہر الروایۃ کے مطابق صبح صادق سے اس رمی کے انجام دینے کی گنجائش نہیں ہے (دیکھئے: فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۳۳)۔

صدر الشریعہ علامہ امجد علی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: گیارہویں اور بارہویں کی رمی دوپہر سے پہلے اصلاً صحیح نہیں (بہار شریعت ۶/۱۱۱)۔ البتہ خلاف ظاہر الروایہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ ۱۱/ اور ۱۲/ کی رمی صبح صادق سے کی جائے۔ شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ نے بنایہ میں حاکم سے روایت کیا:

"أنه كان أبو حنيفة يقول: الأفضل أن يرمى في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمى قبل الزوال جاز" (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۲۰۸، نیز الفتاویٰ الرضویہ ۴/۶۶۸)۔

ان ساری عبارتوں میں اگر چہ صراحۃً موجود نہیں ہے کہ صبح صادق سے رمی کی جاسکتی ہے یا نہیں، لیکن مطلقاً قبل زوال کہا گیا ہے اور مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھتے ہوئے اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

۳- ۱۱/اور ۱۲/ کی رمی کا وقت جیسا کہ ذکر کر چکے آفتاب ڈھلنے سے صبح تک ہے مگر رات میں بھی غروب آفتاب کے بعد مکروہ ہے۔ یہ کراہت بھی اس وقت ہے جب کہ عذر نہ ہو۔ اگر عذر معقول ہو (مثلاً حادثات وغیرہ) تو کراہت بھی نہیں (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۰۸، ردالمحتار ۲/ ۵۲۱)۔

مولانا امجد علی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: پہلی تین تاریخوں (۱۰/ ۱۱/ ۱۲) کی رمی دن میں نہ کی ہو تو رات میں کرے۔ پھر اگر بغیر عذر ہے تو کراہت ہے ورنہ کچھ نہیں (بہارشریعت ۶/ ۱۱۰)۔

تمہید میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ شافعیہ کے یہاں غروب آفتاب کے بعد رمی میں کوئی خرابی نہیں۔ ہاں مالکیہ کے نزدیک قضا ہو جائے گی اور حنابلہ کے نزدیک صرف دن میں، وہ بھی زوال کے بعد ضروری ہے۔

۴- بارہویں کی رمی کر کے غروب آفتاب سے پہلے پہلے مکہ معظمہ روانہ ہو جانے کا اختیار ہے مگر بعد غروب معیوب ہے، اب ایک دن اور ٹھہرنا اور تیرہویں کو بدستور دوپہر ڈھلے رمی کر کے مکہ جانا ہوگا۔ یہی افضل ہے۔ اور اگر تیرہویں کی صبح ہوگئی تو اب بغیر رمی جانا جائز نہیں ہوگا۔ جائے گا تو دم واجب ہوگا۔ ”فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه و من تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى“ سے اشارہ اسی طرف ہے۔

غروب آفتاب کے بعد صبح صادق سے پہلے پہلے روانہ ہوگیا تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۲۰۹، ردالمحتار ۲/ ۵۲۲)۔

غروب آفتاب کے بعد نفر پر دم لازم ہونے کا انکار کرتے ہوئے علامہ قاضی خاں رقم طراز ہیں: ”و إن نفر قبل طلوع الفجر من اليوم الرابع لايلزمه الدم“ (قاضی خاں علی ہامش الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۹۷)۔

۵- اصل مذہب حنفی کے مطابق بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے بھی یہ اجازت نہیں کہ وہ پریشانیوں سے بچنے کی خاطر دس ذی الحجہ کی رمی دسویں

شب کے نصف ہی سے کریں۔ ہاں بعد فجر قبل طلوع شمس اگر چاہیں تو رمی کرلیں۔(اس کو ہم پہلے ہی بیان کر چکے)۔

الفتاوی الہندیہ میں ہے: "ولو رمی قبل طلوع الفجر لم یصح اتفاقا کذا في البحر الرائق" (۲۳۳/۱، نیز بدائع الصنائع ۲/ ۲۰۷)۔

امام شافعی کے یہاں نصف لیل ہی سے وقت شروع ہو جاتا ہے، اور ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ ضرورت کے تحقق کے وقت اپنے امام کی تقلید ترک کر کے دوسرے ائمہ کی تقلید روا ہے، اور سوال میں مذکور افراد بلاشبہ ضرورت مند ہیں لہذا نصف لیل ہی سے رمی کی اجازت ہوگی۔

امام ابوداؤد کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: "أن النبي ﷺ أمر أم سلمة لیلة النحر..... الخ)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی وقوف مزدلفہ کی سنتیں شمار کراتے ہوئے آٹھویں نمبر پر تحریر کرتے ہیں:

"تقدیم الضعفة من النساء وغیر هن قبل طلوع الفجر إلی منی لیرموا جمرة العقبة قبل زحمة الناس، ویکون تقدیمهم بعد نصف اللیل وهذه هی السنة عند الشافعیة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۱۹۱، نیز الایضاح/ ۳۴۵)۔

ب-منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

آٹھویں ذی الحجہ کی رات منیٰ میں قیام کرنا بالاتفاق سنت ہے۔لیکن تشریق کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنے کے بارے میں دو رائیں ہیں۔پہلی رائے یہ ہے کہ وہ سنت ہے۔دوسری رائے یہ ہے کہ وہ واجب ہے (دیکھئے: فتح القدیر، شرح الصغیر، مغنی المحتاج، اللباب وغیرہ)۔

پہلی رائے احناف کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آٹھ ذی الحجہ کی رات منیٰ میں قیام سنت ہے۔ اسی طرح ۱۱/ اور ۱۲/ ذی الحجہ کی رات بھی سنت ہی ہوگا۔اگر منیٰ میں رمی کے واسطے قیام کیا تو افضل پر عمل کیا، اور اگر قیام نہیں کیا تو بھی صرف اساءت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں، اس لیے کہ

حضور ﷺ نے حضرت عباس کو پانی پلانے کے واسطے مکہ میں رات گزارنے کی اجازت دی (رواہ الشیخان)۔

دوسری رائے جمہور فقہاء کی ہے، وہ یہ کہ لیالی تشریق میں منیٰ میں قیام واجب ہے۔ اگر قیام نہ کیا تو امام مالک، امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک دم لازم ہوگا۔ ہر مذہب کی قدرے تفصیل ہے۔

امام مالک نے فرمایا: ۱۲؍ذی الحجہ کی راتوں میں منیٰ میں قیام واجب ہے، لیکن اونٹ کے چرواہوں کو رخصت ہے کہ قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد چراگاہ چلا جائے اور ان دونوں راتوں میں قیام نہ کرے، ایام نحر کے تیسرے دن آ کے پھر دونوں دن کے لیے رمی کرے، پھر اگر مرضی ہوتو ایام رمی کے تیسرے دن کی رمی کے لیے بھی ٹھہرے، اسی طرح امام مالک کے یہاں صاحب سقایہ کے لیے رات میں نہ ٹھہرنے کی اجازت ہے مگر دن میں آ کر رمی کرنا لازمی ہے۔

شافعی حضرات نے کہا: تشریق کی دونوں راتوں میں منیٰ میں قیام واجب ہے۔ کیونکہ اس میں سنت کی اتباع ہے، ساتھ ہی حدیث میں بھی آیا ہے۔ اور واجب یہ ہے کہ رات کا زیادہ حصہ منیٰ میں گزارے مزدلفہ میں رات گزارنے کے برخلاف، اس لیے کہ وہاں رات کے نصف ثانی میں ایک ساعت کا قیام کافی ہے۔ تو اگر کسی نے منیٰ میں رات نہ گزاری تو اس پر دم لازم ہوگیا۔

اور منیٰ ومزدلفہ کا قیام معذورین اور چرواہے اور اہل سقایہ سے ساقط ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے اونٹ چرانے والوں کو منیٰ میں قیام نہ کرنے کی اجازت دی۔ اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت عباس کو پانی پلانے کے لیے مکہ میں رات گزارنے کی اجازت مرحمت فرمائی (کمامر)۔

منیٰ اور مزدلفہ کا قیام ان لوگوں سے بھی ساقط ہوجاتا ہے جن کے پاس کوئی دوسرا عذر ہو جیسے کسی کے ساتھ مال ہو اور وہ خوف زدہ ہو کہ اگر قیام میں مشغول ہوگیا تو ضائع ہوجائے گا، یا اس کو خود اپنی جان پر کسی طرح کا خوف ہو، یا اس کے ساتھ کوئی مریض ہو جس کی دیکھ ریکھ کرنے والا

کوئی نہ ہو، یا خود ہی بیمار ہو جس کی وجہ سے قیام دشوار ہو۔

اور حنبلی حضرات نے کہا: سنت یہ ہے کہ جو یوم نحر میں افاضہ کرے وہ منیٰ لوٹ آئے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ نے قربانی ہی کے دن افاضہ کیا پھر آپ منیٰ واپس ہوئے اور وہیں ظہر کی نماز پڑھی (متفق علیہ)۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: "أفاض رسول الله ﷺ آخر يومه حين صلى الظهر ثم رجع إلى منىٰ فمكث بها ليالي أيام التشريق" (رواہ ابوداؤد)۔

"والمبيت بمنىٰ ليالي منىٰ واجب لكن إن ترک المبيت بمنىٰ فلاشئ عليه كما قال الحنفية لأن الشرع لم يرد فيه بشئ وروى عن أحمد أيضا في الليالي الثلاث دم لقول ابن عباس من ترک من نسكه شيئاً أو نسيه فليهرق دما"۔

"ففي الجملة فيه توسع للناس" ضرورت کے تحت منیٰ کے باہر بھی قیام کر سکتا ہے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات میں توسیع کے حدود

ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی ☆

اولاً چند احادیث مبارکہ پیش ہیں جن سے عورتوں اور بچوں کو رات میں ہی جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت کا ثبوت ہوتا ہے:

''عن عائشة أنها قالت: استأذنت سودة رسول اللّٰه ﷺ ليلة المزدلفة تدفع قبله وقبل حطمة الناس وكانت امرأة ثبطة، يقول القاسم: الثبطة الثقيلة، قال: فأذن لها فخرجت قبل دفعه وحبسنا حتى أصبحنا فدفعنا بدفعه ولأن أكون استأذنت رسول اللّٰه ﷺ كما استأذنته سودة فاكون أدفع بإذنه أحب إلي من مفروح به'' (مسلم ۱/ ۴۱۷)۔

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ مزدلفہ میں اترے، حضرت سودہ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل منیٰ روانہ ہوجائیں وہ سست رفتار عورت تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دیدی، چنانچہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل منیٰ چلی آئیں اور ہم لوگ صبح تک مزدلفہ میں مقیم رہے، اگر میں حضرت سودہؓ کی طرح رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لیتی تو مجھ کو تمام خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا)۔

''حدثني عبدالله مولىٰ أسماء بنت أبي بكر الصديقؓ أن أسماء قالت له بالمزدلفة: هل غاب القمر ؟ قلت: لا، فصلت ساعة ثم قالت: يا بني هل غاب

☆ شیخ الحدیث و پرنسپل جامعہ دار العلوم مئو۔

القمر؟ قلت: نعم، قالت: ارحل بي، فارتحلنا حتى رمت الجمرة ثم صلت في منزلها فقلت لها: يا هنتاه لقد غلسنا قالت: كلا إن رسول اللهﷺ أذن للظعن'' (المحلی لابن حزم ۷/ ۲۳۲)۔

(حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ وہ جمع بین الصلاتین کی رات مزدلفہ میں اتریں پھر نماز پڑھنے کے لئے کھڑی ہوئیں تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر اپنے غلام سے کہا: اے میرے بیٹے کیا چاند غائب ہوگیا؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے پھر تھوڑی دیر نماز پڑھی پھر دریافت کیا: کیا چاند غائب ہوگیا؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: پھر تو کوچ کرو، تو ہم لوگوں نے کوچ کیا اور چلے یہاں تک کہ انہوں نے جمرہ عقبہ کی رمی کی پھر لوٹیں اور اپنی قیام گاہ میں صبح کی نماز پڑھیں، میں نے ان سے کہا: بی بی جی! ہم سمجھتے ہیں ہم نے تاریکی میں وقت سے پہلے کنکریاں ماریں، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی تھی)۔

''إن سالم بن عبدالله أخبره أن عبد الله بن عمر كان يقدم ضعفة أهله فيقفون عند المشعر الحرام بالمزدلفة بالليل...... وكان ابن عمر يقول: أرخص في أولئک رسول اللهﷺ'' (بخاری ۱/ ۲۲۷، مسلم ۱/ ۴۱۸)۔

عبد اللہ بن عمرؓ اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو آگے ہی سے منیٰ روانہ کر دیتے تھے۔

''عبيدالله بن أبي يزيد قال سمعت أنه سمع من ابن عباس يقول: أنا ممن قدم رسول اللهﷺ ضعفة أهله'' (مسلم ۱/ ۴۱۸)۔

(حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو نبی ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں اپنے گھر کے کمزور لوگوں کے ساتھ آگے منیٰ بھیج دیا تھا)۔

''عن ابن عباس قال كان النبيﷺ يسئل يوم النحر بمنى فيقول: لاحرج فسأله رجل فقال: حلقت قبل أن أذبح، فقال: اذبح ولاحرج، قال: رميت بعد ما أمسيت فقال: لاحرج'' (بخاری ۱/ ۲۳۴)۔

بعض صحابۂ کرام نے رمی کو شام تک مؤخر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔

اسی طرح چرواہوں کو بھی احادیث سے رات میں رمی کرنے کی اجازت کا پتہ چلتا ہے۔

''عن أبي البداح بن عدي عن أبيه أن النبي ﷺ رخص لرعاء الابل في البيتوتة'' (ابوداؤد ۲/۲۷۱، نسائی ۲/ ۴۹، ابن ماجہ ۲۱۸، ترمذی ۱/۱۱۵) ''عن أبي البداح عن عاصم بن عدی أن النبيﷺ أرخص للرعاء أن يتعاقبوا فيرموا يوم النحر ثم يدعوا يوما و ليلة ثم يرموا الغد'' (مسند احمد ۵/ ۴۵۰)۔

اس کے بعد ائمہ کے اقوال پیش خدمت ہیں۔ امام شافعی، طاؤس، شعبی، عطاء کے نزدیک جمرۃ العقبہ کی رمی فجر سے قبل رات میں جائز ہے، مگر طلوع آفتاب کے بعد ایک نیزہ کی مقدار بلندی کے بعد افضل ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھی افضل وقت آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہے، لیکن وقت جواز طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل ہے، اس میں رمی کافی ہوجائے گا۔ عطاء بن ابی لیلیٰ، عکرمہ بن خالد وغیرہ کی رائے بھی یہی ہے (المغنی والشرح الکبیر ۳/ ۴۴۳)۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب رد المحتار علی الدر (۲/ ۵۱۱) میں بھی کمزور وضعفاء کے لئے وقت جواز ہی کی گنجائش ملتی ہے۔

اسی طرح اگر مرد بھی ناتوانی اور ضعف کا شکار ہے اور اسے بھی بھیڑ میں کچل جانے یا کسی گزند کا خوف ہے تو اسے بھی گنجائش ملتی ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے اس پر ایک قاعدہ کلیہ بھی بیان فرمایا ہے: ''و كذا كل واجب إذا تركه بعذر لا شيء عليه'' (رد المحتار علی الدر ۲/ ۵۱۲) (ہر وہ واجب جس کو عذر کے باعث چھوڑ دیا گیا ہو اس کے ترک پر کچھ بھی نہیں)۔

اسی طرح تینوں جمرات کی رمی کا افضل وقت تو بعد زوال ہے لیکن اس میں بھی فقہاء کی عبارتوں سے گنجائش کا ثبوت ملتا ہے (دیکھئے: رد المحتار علی الدر ۲/ ۵۲۱)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی جمہور کی طرح جمرات کی رمی کا افضل وقت زوال سے لے کر غروب تک ہے۔ رملی نے اس کا نام وقت مختار رکھا ہے...... لیکن وقت جواز ایام تشریق کے آخری دن تک ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ بھی زوال سے قبل رمی کرنے کو منع فرماتے ہیں لیکن اس کے باوجود حضرت الامام سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص منیٰ کے دنوں میں سے کسی دن شام تک کسی جمرہ کی رمی کرنا بھول جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اسے رات یا دن میں جس وقت بھی یاد آئے اس کی رمی کرلے، علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک بھی پانی پلانے والوں وچرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت ہے (المحلی لابن حزم ۷/ ۱۸۴، مسئلہ نمبر ۸۴۶)۔

مذکورہ تمام فقہاء کے اقوال اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضعفاء، عورتوں، بچوں اور کچھ مخصوص لوگوں کے لئے رمی کے وقت میں توسیع ہے جسے فقہاء امت وقت جواز یا رخصت سے تعبیر کرتے ہیں۔ رخصت کی تعریف پر امام شامی تحریر فرماتے ہیں: ”رخصت مکلف کے عذر کی وجہ سے حکم کو سختی سے آسانی کی طرف پھیرنا ہے (بحث ونظر)۔ تیسیر التحریر میں بعض احناف سے یہ تعریف موجود ہے: وہ احکام جس میں دشواری کو آسانی سے بدل دیا گیا ہو (بحث ونظر)۔

بہر حال جو توانا وتندرست ہو اور اپنے اندر قوت واستعداد رکھتا ہو کہ بھیڑ کے باوجود حتی الوسع کسی کو تکلیف پہنچائے بغیر رمی افضل وقت میں کرسکتا ہے تو اس کو افضل پر ہی عمل کرنا چاہئے، اور ان اصولوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے جسے حاجیوں کی آسانی کے لئے ماہرین نے بتلا رکھے ہیں:

۱- ان جمرات کے راستہ پر اگر کوئی بڑی جماعت ایک ساتھ آرہی ہے تو کنارے ہٹ جائیں۔

۲- اگر کسی وجہ سے جمرات کا راستہ کچھ وقت کے لئے روک دیا جائے تو دھیرے دھیرے راستہ سے اپنے آپ کو کنارے کی طرف لگانے کی کوشش کریں کیوں کہ دوبارہ راستہ

کھلنے پر پیچھے کی طرف سے لوگوں کا ہجوم اتنی تیزی سے آگے بڑھتا ہے کہ لوگ دھکے کھا کھا کر گرنے لگتے ہیں اور پھر اٹھنا مشکل ہوجاتا ہے۔

۳- کنکری مارنے کے لئے کئی منزلہ پل پر راستے کے دونوں جانب جگہ جگہ ایمرجنسی گیٹ لگے ہوئے ہیں، اگر ایک حاجی کسی خطرناک حالت سے دوچار ہوتو فوراً کنارے کی طرف بڑھ کر ان راستوں سے نیچے اتر جائے اور اپنے آپ کو پریشانی اور ہلاکت سے بچالے۔

اب جوابات بالترتیب پیش ہیں:

۱- دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح سے کی جاسکتی ہے اور رخصت پر عمل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ واقعی ان لوگوں میں شمار کیا جاتا ہو جسے شرعی رخصتیں دی گئی ہیں۔

۲- اگر غیر معذور عزیمت کو چھوڑ کر رخصت پر عمل کررہا ہے تو کراہت ہوگی ورنہ نہیں۔

۳- تیسرے سوال کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر دو میں گذرا ہے۔

۴- تیرہ ذی الحجہ کی رمی اس وقت اس پر لازم ہوگی جبکہ تیرہویں کی فجر تک منیٰ میں رہا، اگر بارہویں کے غروب کے بعد تک رہا اور تیرہویں کی فجر سے قبل منیٰ سے کوچ کرگیا تو یہ بکراہت جائز ہے اور تیرہویں کی رمی اس پر لازم نہیں (زبدۃ المناسک از حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رص ۲۱۳)۔

۵- معذورین دس ذی الحجہ کی رمی دسویں کی نصف شب سے کرسکتے ہیں۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- حاجی کا منیٰ میں قیام ان دنوں کے اندر سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔

"وبات عليه السلام بمنىٰ ولم يأمر بالمبيت بها فالمبيت بها سنة وليس فرضا" (المحلی لابن حزم ۷/ ۱۸۴)۔

۲- ایک طرف منیٰ ومکہ کے حدود منصوص ہیں، دوسری طرف حکومتی سطح پر انتظام وانصرام کے تحت ان کی تعیین ہے، اگر انتظاما بلدیہ کی طرف سے دونوں کو ایک کردیا گیا ہو تو بھی قیام منیٰ کی سنیت باقی رہنی چاہئے، صورت مسئولہ میں حجاج کی کثرت ایک اضطراری صورت ہے اس کی بنیاد پر گنجائش ملنی چاہئے، سوال میں حجاج کی کثرت کا ذکر ہے، اگر واقعی حجاج کی کثرت سے منیٰ تنگ ہوگیا ہو تب بھی گنجائش نکلے گی، اور اگر صرف بھیڑ بھاڑ سے بچنے کی غرض سے منیٰ کا قیام ترک کردیا گیا ہو تب حجاج کو یہ توسع نہیں ملنا چاہئے۔

۳- اس کا حکم بھی وہی ہے جو جواب نمبر ۲ میں گذر چکا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا رحمت اللہ ندوی☆

رمی جمرات کے اوقات:

رمی جمرات کے اوقات کے سلسلہ میں بدایۃ المجتہد کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں:

اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یوم النحر یعنی ۱۰ر ذی الحجہ کو رمی کا وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے، لیکن طلوع فجر سے قبل جمرۃ العقبہ کی رمی میں اختلاف ہے، امام مالکؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اگر قبل فجر رمی کرلی تو اعادہ کرے گا، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں اس سلسلہ میں کوئی خبر نہیں پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے کسی کو طلوع فجر سے قبل رمی کی اجازت اور رخصت دی ہے۔

اس رائے کے حامل امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور امام احمد ہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں، طلوع فجر سے قبل رمی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اگر چہ مستحب طلوع شمس کے بعد رمی کرنا ہے۔

مانعین کی دلیل ''خذوا عني مناسككم '' اور ابن عباس کی روایت ''أن رسول الله ﷺ قدم ضعفة أهله وقال لاترموا الجمرة حتى تطلع الشمس '' ہے۔

مجوزین کا مستدل حضرت ام سلمہؓ کی وہ روایت ہے جس کی تخریج امام ابوداؤد وغیرہ نے کی ہے: ''أن عائشةؓ قالت أرسل رسول الله ﷺ لأم سلمة يوم النحر، فرمت

☆ مدرسہ فلاح المسلمین، اٹلن نگر، تیندوہ، رائے بریلی۔

الجمرة قبل الفجر ومضت فأفاضت، وكان ذلك اليوم الذي يكون رسول الله ﷺ عندها" ۔اسی طرح حدیث اسماء:"أنها رمت الجمرة بليل، وقالت إنا كنا نصنعه على عهد رسول الله ﷺ" ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کا مستحب وقت طلوع شمس سے زوال تک ہے (ملاحظہ ہو: بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۵۰-۳۵۱)۔

امام مالک کے یہاں جمرہ عقبہ کی رمی طلوع شمس سے زوال تک ہے، لیکن کوئی یہ رمی بھول جائے یہاں تک کہ شام ہوجائے تو اس کے لیے ہدی مستحب ہے واجب نہیں۔

اگر کوئی یوم النحر کو جمرۂ عقبہ کی رمی بھول گیا اور یہ رمی ایام تشریق میں کی تو ایک اونٹ ذبح کرے گا، اور اگر جمرہ کی کنکری بھول جائے اور ایام رمی گذر جائے تو ایک بکری واجب ہے، اگر پورے جمرہ کی ہی رمی کرنا بھول جائے تو ایک گائے یا ایک اونٹ واجب ہے۔

ایام منیٰ میں رمی کا وقت زوال شمس سے غروب تک ہے، اگر کوئی ایام منیٰ میں سے کسی دن کی رمی بھول گیا یا رات تک مؤخر کردیا تو رات میں ہی رمی کرے گا اور اس پر کچھ واجب نہیں (کتاب الکافی فی فقہ أہل المدینۃ المالکی ۱/ ۳۵۵)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

بارہ ذی الحجہ کو اگر منیٰ میں آفتاب غروب ہوگیا تو ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) کے نزدیک تیرہویں تاریخ کا قیام اور رمی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد نکل سکتے ہیں، البتہ غروب آفتاب کے بعد نکلنا مکروہ ہے، ہاں اگر تیرہ کی صبح منیٰ میں طلوع ہوگئی تو اب تیرہ تاریخ کو بھی رمی واجب ہوجائے گی اور رمی کئے بغیر نکل جائے تو دم واجب ہوگا......

لیکن تیسرے دن (۱۲/ ذی الحجہ) کے غروب آفتاب سے پہلے ہی اسے نکل جانا چاہئے، اگر آفتاب غروب ہوگیا تو چوتھے دن (یعنی ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی سے پہلے نکلنا مکروہ ہے،

اگر چوتھے دن کی صبح سے پہلے شب میں منیٰ سے نکلا تو اس پر کچھ واجب تو نہ ہوا مگر اس نے بہتر نہیں کیا، اگر چوتھے دن طلوع صبح کے بعد اور رمی سے پہلے منیٰ سے نکل گیا تو بالاتفاق دم واجب ہوگا، اس مسئلہ میں مکی اور آفاقی کے درمیان کوئی فرق نہیں (ملاحظہ ہو: جدید فقہی مسائل ۱/ ۲۶۱-۲۶۲)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے فتح القدیر جلد دوم کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ کا ایک قول ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو زوال آفتاب سے قبل رمی کے جواز کا بھی نقل کیا ہے (ایضاً ۱/ ۲۶۳)۔

مکۃ المکرمہ سے شائع ہونے والا ہفت روزہ ''اخبار العالم الاسلامی'' میں سال گذشتہ وہاں کی فقہ اکیڈمی کا متفقہ فیصلہ قبل زوال وبعد زوال رمی کے جواز پر شائع ہو چکا ہے۔

المغنی لابن قدامہ میں مذکور ہے:

رمی جمرہ کے دو اوقات ہیں: وقت مستحب اور وقت جواز۔ مستحب وقت طلوع شمس کے بعد ہے، ابن عبد البر فرماتے ہیں: علماء مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور ﷺ نے جمرہ کی رمی اس دن چاشت کے وقت فرمائی ہے۔

وقت جواز کا ابتدائی وقت لیلۃ النحر کا نصف شب ہے، اسی کے قائل عطاء، ابن ابی لیلیٰ، عکرمہ بن خالد اور امام شافعی ہیں۔

امام احمد سے مروی ہے کہ طلوع شمس سے پہلے اور طلوع فجر کے بعد یہ رمی کافی ہوگی، یہی امام مالک، اصحاب الرائے، اسحاق اور ابن منذر کا قول ہے۔

مجاہد، ثوری اور نخعی فرماتے ہیں: طلوع شمس کے بعد ہی یہ رمی کرے گا (المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴۲۸-۴۲۹)۔

اسی کتاب میں یہ بھی مذکور ہے:

اگر رمی دن کے آخر تک کے لئے مؤخر کر دے تو جائز ہے۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں: تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو رمی جمرہ یوم النحر کو غروب سے پہلے کرے تو اس نے وقت پر رمی کی اگر چہ یہ اس کے مستحب وقت میں نہیں ہوا (حوالہ سابق)۔

درمختار مع شامی میں تحریر ہے:

''ووقته من الفجر إلى الفجر ويسن من طلوع ذكاء لزوالها ومباح لغروبها، ويكره للفجر'' (درمختار ۲/۵۱۵)۔

(رمی کا وقت طلوع فجر سے طلوع فجر تک ہے، مسنون وقت طلوع شمس سے زوال تک، اور غروب تک مباح اور فجر تک مکروہ ہے)۔

ردالمحتار میں اس کی تشریح یوں آئی ہے:

''ويكره للفجر أي من الغروب إلى الفجر وكذا يكره قبل طلوع الشمس، وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً'' (ردالمحتار باب فی الرمی ۲/۵۱۵)۔

(غروب سے فجر تک رمی کا مکروہ وقت ہے، اسی طرح طلوع شمس سے پہلے مکروہ ہے۔ اور عدم عذر کے وقت ہے، ضعفاء کے لئے طلوع شمس سے پہلے رمی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی رعاۃ کے لئے رات میں کوئی مضائقہ ہے)۔

مزدلفہ میں شب گزاری اور منیٰ میں قیام کا حکم:

مزدلفہ میں شب گزارنے کے متعلق سلف میں اختلاف ہے، ابن خزیمہ اور ابن بنت الشافعی کے نزدیک ''فاذكروا الله عند المشعر الحرام'' کی وجہ سے مبیت بالمزدلفہ رکن ہے، علقمہ نخعی، شعبی اور حسن کا کہنا ہے: ''من ترك المبيت بالمزدلفة فقد فاته الحج''۔

لیکن امام مالک وشافعی کے نزدیک یہ سنت ہے، اور امام ابوحنیفہ، امام احمد، اسحاق، ثوری، عطاء، زہری، مجاہد وغیرہم کے نزدیک مبیت بالمزدلفہ واجب ہے، بلاعذر ترک کرنے پر دم لازم ہے، ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ اگر ازدحام وغیرہ کے عذر سے چلا آیا تو دم واجب نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تنظیم الاشتات ۲/۹۰)۔

شامی میں ہے:

''هذا الوقوف واجب عندنا لاسنة والبيتوتة بمزدلفة سنة مؤكدة إلى الفجر لاواجبة خلافاً للشافعي الخ (ردالمحتار،مطلب فی الوقف بمزدلفہ ۲/ ۵۱۱)۔

(مزدلفہ میں وقوف ہمارے یہاں واجب ہے سنت نہیں، اور مزدلفہ میں شب گزارنا طلوع فجر تک سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں، برخلاف امام شافعی کے)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے لکھا ہے کہ جگہ کی تنگی کے باعث مزدلفہ وغیرہ میں قیام کیا جاسکتا ہے، منیٰ میں شب گذارنا مسنون ہے (ملاحظہ ہو: جدید فقہی مسائل ۱/ ۲۶۳)۔

''والمبيت بالمزدلفة من واجبات الحج عند الفقهاء ويرى الحنفية أنه سنة''۔

(مزدلفہ میں شب گزارنا جمہور فقہاء کے نزدیک واجبات حج میں سے ہے اور حنفیہ کی رائے میں سنت ہے)۔

''ويفيض الحجاج من عرفات ليصلوا إلى المزدلفة ليلاً والمبيت بها يستحب''۔

(حجاج عرفات سے روانہ ہوں گے تاکہ رات میں مزدلفہ پہنچ جائیں، وہاں شب گزارنا مستحب ہے)۔

المغنی میں مذکور ہے کہ مزدلفہ میں شب گزارنا واجب ہے، ترک کی صورت میں دم لازم ہے، یہی عطاء، زہری، قتادہ، ثوری، شافعی، اسحاق، ابوثور، اصحاب رائے کا قول ہے۔ علقمہ، نخعی اور شعبی کا قول ہے: ''من فاته جمع فاته الحج''۔

حنابلہ کے یہاں منجملہ واجبات حج کے ایک واجب ایام تشریق کی راتوں کو منیٰ میں گزارنا بھی ہے، لیکن اس حکم سے سقاۃ اور رعاۃ مستثنیٰ ہیں۔

مالکیہ کے یہاں طواف افاضہ کے بعد منیٰ میں رات گزارنے کے لئے واپس آنا

واجب ہے، منیٰ میں تین راتیں واجبی طور پر گزارے گا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ایام تشریق کی اکثر راتیں منیٰ میں گزارنا واجب ہے۔

لیکن حنفیہ کے یہاں منیٰ میں شب گزارنا مسنون ہے (مستفاد از الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۶۶۶/۱ تا ۶۶۸)۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ سے ۱۰/ ۱۱ر ذی الحجہ کی درمیانی شب منیٰ کے باہر گزارنے کی بابت پوچھا گیا تو جواب دیا:

''منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے، اس لئے اس نے خلاف سنت کیا جس نے وہاں رات نہ گذاری، مگر اس کے ذمہ دم وغیرہ واجب نہیں'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱۴۲/۴)۔

اسی طرح ایک اور استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''منیٰ کی حدود سے باہر رہنے کی صورت میں منیٰ میں رات گذارنے کی سنت ادا نہیں ہوگی حج ادا ہوگیا'' (ایضا)۔

اس تمہید کے بعد سوالات کے جوابات حسب ذیل ہوں گے:

الف–رمی جمار کے اوقات:

۱– دسویں ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے بلا کراہت رمی کی جا سکتی ہے، اور اگر ضرورت ہو تو نصف شب سے بھی رمی کا عمل جائز ہوگا۔

۲– ۱۱/ ۱۲ر ذی الحجہ کو زوال سے پہلے دسویں ذی الحجہ کی طرح رمی کرنے کی گنجائش ہے۔

۳– ۱۱/ ۱۲ر ذی الحجہ کو رمی غروب آفتاب سے پہلے کرنے کی کوشش کی جائے، بہتر تو یہی ہے، لیکن اگر غروب آفتاب کے بعد رمی کی جائے تو کوئی کراہت نہ ہوگی۔

۴– ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب سے پہلے کر لینا چاہئے، اگر اس رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر جائے تو ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، البتہ بلا عذر غروب

آفتاب کے بعد منیٰ سے نکلنا بہتر نہیں ہے۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے کی اجازت ہے۔

(ب) خارج منیٰ میں قیام:

۱- ایام تشریق میں منیٰ میں قیام مسنون ہے۔

۲- اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو اس سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۳- حاجی کو انتظامیہ حج کمیٹی نے جہاں ٹھہرا دیا ہے خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، حدود منیٰ میں ہو یا مزدلفہ میں، اس پر اس نظم کو باقی رکھنا لازم ہے، البتہ اپنی کوشش حدود منیٰ میں ٹھہرنے کی ہونی چاہئے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منی کے باہر قیام کی نوعیت

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

اعمال حج میں رمی جمار واجب ہے، جس کا کرنا ضروری ہوتا ہے، اور نہ کرنے کی صورت میں حاجی پر دم واجب ہوتا ہے، رمی جمار کے چار ایام ہیں، یوم نحر اور اس کے تین یوم، ان میں اس کے لیے مقررہ اوقات ہیں جن کے اندر اس کی دائیگی ضروری ہوتی ہے، اس سے پہلے یا بعد میں کرنے کی صورت میں ایک واجب کی ادائیگی باقی رہ جاتی ہے۔

آج کثرت ازدحام سے رمی کرنے میں بیحد دشواریاں پیش آتی ہیں اور بعض دفعہ صورت اس درجہ سنگین ہوجاتی ہے کہ اس موقع سے بہت سی معصوم جانیں ضائع ہوجاتی ہیں، اس لیے ازحد ضروری ہے کہ حج کے مبارک سفر کو جانے والے تمام حضرات اس کے اوقات سے پورے طور پر واقف ہوں تاکہ رمی کرنے میں سہولت ہو اور امکانی حد تک ناگہانی حادثات سے بچا جاسکے۔

۱-دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوکر گیارہ ذی الحجہ کی صبح صادق پر ختم ہوتا ہے، یہ پورا وقت، وقت جواز ہے کہ اس میں رمی کرنے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

''وقته من الفجر إلى الفجر'' (ردالمحتار ۵۳۴)۔

☆ جامعہ مظہر العلوم، بنارس۔

البتہ طلوع شمس سے زوال شمس تک مسنون و مستحب وقت ہے، زوال سے غروب تک مباح وقت ہے، اور غروب سے صبح صادق تک اور طلوع شمس سے پہلے کا وقت مکروہ ہے، جیسا کہ مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر (۱/ ۲۰۸) میں ہے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے، لہٰذا اس روز کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، جیسا کہ علامہ سرخسی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''المبسوط'' میں اس کی وضاحت فرمائی ہے:

''فإن رمی جمرة العقبة یوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأہ'' (المبسوط للسرخسی ۴/ ۶۷)۔

اسی طرح کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ میں ہے:

''عن أبي حنیفة قال: لاینبغي رمي الجمرة یوم النحر حتی تطلع الشمس ومن رمی قبل طلوع الشمس وبعد طلوع الفجر أجزأہ ذلک وقد أساء'' (کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ ۲/ ۴۲۱)۔

یہ عام حالات کی بات ہے جبکہ کوئی عذر درپیش نہ ہو، اور اگر عذر ہو تو یہ ''إساءت'' بھی ختم ہوجاتی ہے، اور اصحاب عذر کے لیے ان تمام اوقات میں رمی کرنے کی بلاکراہت اجازت ہوجاتی ہے (ردالمحتار ۳/ ۵۳۴، نیز دیکھئے: معلم الحجاج/ ۱۷۰)۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت:

گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہی عمل رہا ہے۔

''قال جابرؓ: رمی النبي ﷺ یوم النحر ضحی ورمی بعد ذلک بعد الزوال'' (صحیح البخاری مع عمدۃ القاری ۴/ ۲۶۵)۔

اسی طرح علامہ سرخسی ''المبسوط'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وإن رماها في اليوم الثاني من أيام النحر قبل الزوال لم يجز لأن وقت الرمي في هذا اليوم بعد الزوال عرف بفعل رسول اللّٰہ ﷺ فلايجزئه قبله'' (المبسوط للسرخسی ۴/ ۶۷، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴، رد المحتار ۳/ ۵۴۲)۔

البتہ ۱۲/ ذی الحجہ کو اگر منیٰ سے مکہ جانے کا ارادہ ہو تو زوال سے پہلے رمی کرنے کی اجازت ہے لیکن افضل زوال کے بعد ہی رمی کرنا ہے، اور اگر منیٰ سے مکہ جانے کا ارادہ نہ ہو تو زوال سے پہلے رمی کرنا درست نہ ہوگا (دیکھئے: المبسوط ۴/ ۶۷)۔

۳- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جاسکتی ہے:

گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا مسنون وقت زوال شمس سے غروب شمس تک ہے، اور غروب سے طلوع صبح صادق تک مکروہ وقت ہے (رد المحتار ۳/ ۵۴۲)، تاہم اگر کوئی شخص دن میں رمی نہ کر سکے تو اس کے لیے طلوع صادق سے قبل تک رمی کرنے کی اجازت ہے، بدائع الصنائع میں ہے:

''فإن آخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولاشيء عليه لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)۔

۴- بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک ٹھہرنے سے تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوتی:

اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ جانا چاہے تو رمی کرنے کے بعد جاسکتا ہے، غروب آفتاب سے پہلے چلا جائے تو بہتر ہے، اور اگر غروب آفتاب کے بعد تک ٹھہرتا ہے تو مکروہ ہے تاہم جائز ہے، اور اس کے لیے گنجائش ہے کہ تیرہ ذی الحجہ کی صبح صادق سے قبل منیٰ سے نکل جائے، ایسی صورت میں اس پر تیرہ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوگی۔

رد المحتار میں ہے:

''فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له أن ينفر حتى يرمي في الرابع ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشيء عليه وقد أساء''(ردالمحتار ۳/ ۵۴۳، نیز دیکھئے:ہدایہ ۱/ ۲/ ۲۴۳،نورالایضاح/ ۱۷۵)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک ٹھہرتا ہے تو اس پر تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، اور آج جبکہ کثرت ازدحام کے سبب غروب شمس سے پہلے رمی کرنا بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے، لہذا اس کے لیے ایسا کرنا بلا کراہت درست ہوگا۔

۵-بوڑھے، بیمار اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دس ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے درست نہیں ہے:

فقہائے احناف کے یہاں دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت طلوع صبح صادق سے گیارہ ذی الحجہ طلوع صبح صادق تک ہے، گوکہ اس میں طلوع آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب کے بعد کا وقت مکروہ ہے مگر معذورین کے لیے ان تمام اوقات میں رمی کرنے کی بلا کراہت اجازت ہے۔ یہ وقت کم نہیں ہے کہ اس میں مزید توسع کی فکر کی جائے اور بوڑھے، بیمار، اور خواتین کے لیے نصف شب سے رمی کرنے کی رخصت پیدا کی جائے، اس لیے کہ طلوع صبح صادق سے قبل وقت رمی ہی نہیں ہے کہ اس میں رخصت کی بات کی جائے۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

''قال مالك: لم يبلغنا أن رسول الله ﷺ رخص لأحد يرمي قبل أن يطلع الفجر ولا يجوز رميها قبل الفجر وإن رماها قبل الفجر أعادها''(تفسیر قرطبی ۳/ ۸)۔

پھر اگر طلوع صبح صادق سے پہلے رمی کا وقت مان لیا جائے تو رمی اور وقوف مزدلفہ ایک وقت میں جمع ہو جائیں گے جبکہ رمی کا وقت، وقت وقوف کے بعد ہے، دوسرے یہ کہ رمی اور قربانی

کا وقت ایک ہے، لہٰذا قربانی کی طرح رمی کا وقت بھی صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ہوگا جیسا کہ علامہ سرخسی نے "المبسوط" (۴/ ۲۲) میں تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔

رہی حدیث عائشہ "عن عائشة رضي الله عنها قالت: أرسل النبي صلى الله عليه وسلم بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت وكان ذلک اليوم الذي يكون رسول الله صلى الله عليه وسلم عندها" (رواہ أبوداؤد ۱/ ۲۶۸) جس کی بنیاد پر معذورین کے لیے نصف شب سے رمی کی گنجائش نکلتی ہے تو اس میں سنداً ومتناً اضطراب ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: اعلاء السنن ۱۰/ ۱۴۶)، اور بقول علامہ ابن القیم حدیث منکر ہے (زاد المعاد ۱/ ۲۴۶)، نیز روایت کے لفظ "فرمت قبل الفجر" میں نماز فجر کا بھی احتمال ہے، جس کی بنا پر طلوع صبح صادق سے پہلے رمی کرنے پر استدلال کرنا کیسے صحیح ہوگا (دیکھئے: بذل المجہود ۳/ ۱۷۰)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ طلوع صبح صادق سے پہلے رمی کرنے کی کسی بھی حالت میں اجازت نہیں ہے، لہٰذا معذورین کے لیے بھی نصف شب سے رمی کی گنجائش بنانا درست نہ ہوگا، اور یہی بہتر بھی ہے کہ شوافع وغیرہ کے ضعفاء نصف شب سے رمی شروع کردیں اور احناف وغیرہ کے معذورین طلوع صبح صادق سے، اور صحت مند وطاقتور افراد مسنون ومستحب اوقات میں رمی کرلیں، عورتیں رک کر رات میں کرالیا کریں کہ ان کے لیے رات میں رمی کرنا افضل ہے، اس طرح بھیڑ بٹ جائے گی اور ہر شخص کو سہولت رمی کرنے کا موقع مل جائے گا۔

ب- منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام کا مسئلہ

۱- ایام رمی میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت:

حجاج کے لیے ایام رمی کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا فقہائے احناف کے یہاں مسنون ہے۔ علامہ ابن الہمام نے "فتح القدیر" (۲/ ۳۹۵) میں اس کی تفصیل بیان کی ہے، (نیز دیکھئے: المبسوط ۴/ ۶۷، رد المحتار ۳/ ۵۴۰، مجمع الانہر ۱/ ۲۸۲، البحر الرائق ۲/ ۳۴۵)۔

اسی طرح ایک قول میں امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد بھی ان ایام میں مبیت منیٰ کو مسنون قرار دیتے ہیں۔ فتح الباری میں ہے:

"وفي قول للشافعي ورواية عن أحمد وهو مذهب الحنفية أنه سنة" (فتح الباری ۳/۷۰۶)۔

۲- حاجی کا حدود مکہ میں قیام کرتے ہوئے رمی کے لئے جانے سے حج پر اس کا اثر:

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ان ایام میں مبیت منیٰ مسنون ہے، تو سنت پر عمل کرتے ہوئے حاج کو ان ایام میں منیٰ ہی میں قیام کرنا چاہئے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

"فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي وهو سنة" (ردالمحتار ۱/ ۲۸۲)۔

اسی طرح اوجز المسالک میں ہے:

" وفي شرح اللباب: ولا يبيت بمكة ولا في الطريق لأن البيتوتة ليا ليها سنة عندنا" (اوجز المسالک ۸/۲۹۶)۔

اور اگر کوئی شخص بلاعذر منیٰ کے باہر قیام کرتا ہے تو مکروہ ہے، عالمگیری میں ہے:

"ويكره أن يبيت في غير منىٰ في أيام منىٰ كذا في شرح الطحاوي" (عالمگیری ۱/ ۲۳۲، نیز ہدایہ ۱/ ۲۳۳)۔

تاہم اگر کوئی شخص ان ایام میں منیٰ کے باہر قیام کرتا ہے اور رمی کے لئے آجاتا ہے تو اس کا حج ہوجائے گا، البتہ ترک سنت کے سبب ایسا کرنا بہتر نہ ہوگا (المبسوط ۴/ ۶۷)۔

یہ اس وقت ہے جبکہ کوئی عذر نہ ہو، اور اگر کسی عذر کی بناپر ترک مبیت ہو تو ایسا کرنا بلاکراہت درست ہوگا، اور آج جبکہ کثرت ازدحام کے سبب قیام منیٰ میں بہت ساری مشکلات پیش آرہی ہیں، تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا، اور نہ اس کی وجہ سے کراہت کا مسئلہ پیدا ہوگا۔

۳- حاجی ان ایام میں حدود حرم میں کہیں بھی قیام کرسکتا ہے:

اگر حاجی کو ان ایام میں کسی عذر کی بناپر منیٰ کے باہر قیام کرنا پڑے تو وہ حدود حرم کے

اندر کسی بھی جگہ قیام کر سکتا ہے، چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عباسؓ کو ان ایام میں سقایہ کے سبب مکہ میں رات گذارنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ صحیح بخاری ہے:

''عن ابن عمرؓ أن العباسؓ استأذن النبي ﷺ ليبيت بمكة ليالي منىٰ من أجل سقاية فأذن له'' (صحیح البخاری مع الفتح ۳/۵۰۷)۔

ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اپنی کتاب ''مرقاۃ المفاتیح'' میں تحریر فرمایا ہے:

''قال بعض علمائنا يجوز لمن هو مشغول بالاستقاء من سقاية العباس لأجل الناس أن يترك المبيت بمنىٰ ليالي منىٰ و يبيت بمكة ولمن له عذر شديد أيضا اھ فأشار إلى أنه لا يجوز ترك السنة إلا لعذر و مع العذر ترتفع عنه الإساءة'' (مرقاۃ المفاتیح ۵/ ۳۶۸)۔

امام شافعی کو کہ اپنے اصح قول میں منیٰ میں اکثر لیل گذارنے کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن انہوں نے بھی عذر کی بنا پر ان ایام میں ترک مبیت کی اجازت دی ہے۔ فتح الباری میں ہے:

'' وجزم الشافعية بالحاق من له مال يخاف ضياعه أو أمر يخاف فوته أو مريض يتعاهده بأهل السقاية'' (فتح الباری ۳/۵۰۶)۔

اسی طرح مالکیہ نے بھی ان ایام میں ترک مبیت پر دم اسوقت واجب کیا ہے جبکہ بغیر عذر کے ہو۔ فتح الباری میں ہے:

''قالوا من ترك المبيت بغير عذر وجب عليه دم عن كل ليلة'' (فتح الباری ۳/۵۰۶)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کثرت ازدحام کے سبب منیٰ کے قیام میں دشواریاں پیدا ہو رہی ہوں تو حاجی حدودِ حرم میں کہیں بھی قیام کر سکتا ہے اور عذر کی بنا پر ترک مبیت کی وجہ سے مرتکب اساءۃ بھی نہیں ہوگا۔

رمی جمار کے اوقات اور اس سے متعلق شرعی احکام

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی ☆

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے اور گیارہ اور بارہ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے۔

"أما يوم النحر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الفجر الثاني فلا يجوز قبل طلوعه" (البدائع ۳/۱۱۲۰)۔

(۱۰/ ذی الحجہ کو رمی کا وقت طلوع فجر ثانی سے شروع ہوتا ہے اس لیے اس سے قبل رمی کرنا جائز نہیں ہوگا)۔

رد المحتار میں ہے:

"وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله في المشهور"۔

(قربانی کے دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمار کی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اس لیے اس کے قبل مشہور روایت کے مطابق جائز نہیں)۔

ہدایہ میں ہے:

"لايجوز له الرمي فيهما إلا بعد الزوال في المشهور من الرواية" (۱/۲۵۳)۔

(مشہور روایت کے مطابق رمی جائز نہیں ہے مگر زوال آفتاب کے بعد)۔

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ۔

فقہاء کی ان عبارتوں سے رمی کا اول وقت تینوں دن کا متعین ہوگیا۔ اور ''لا یجوز'' کی صراحت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اول وقت میں وسعت کی گنجائش نہیں ہے، یعنی پہلے دن طلوع فجر ثانی سے قبل اور دوسرے تیسرے روز زوال آفتاب سے قبل رمی کرنا درست نہیں ہوگا، اور اگر کسی نے طلوع فجر سے قبل رمی کرلیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اور اس کا اعادہ کرنا ہوگا، یہی قول ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا ہے، صرف امام شافعی کا قول ''لا بأس بہ'' کا ہے۔ بدایۃ المجتہد میں ہے:

فقہاء کی آراء مختلف ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے طلوع فجر سے قبل جمرۂ عقبہ کی رمی کی، حضرت امام مالک نے فرمایا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کسی شخص کو طلوع فجر سے قبل رمی کرنے کی رخصت دی ہو، یہ جائز نہیں ہے، اس لیے اگر کسی نے فجر کے طلوع ہونے سے قبل رمی کرلیا تو اس کا اعادہ کرے گا، یہی قول امام ابوحنیفہؒ، سفیان اور امام احمد کا ہے، امام شافعی نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں (۲۵۶/۱)۔

اسی طرح بعد کے دنوں میں اگر کسی نے زوال سے قبل رمی کرلیا، تو جمہور علماء کے نزدیک زوال کے بعد اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔

''فقال جمهور العلماء من رماها قبل الزوال أعاد رميها بعد الزوال''
(بدایۃ المجتہد ۲۵۸/۱)۔

جمہور علماء کا قول ہے کہ جس نے زوال سے قبل رمی کیا تو وہ زوال کے بعد رمی کا اعادہ کرے۔

علماء کا اس پر بھی اجماع ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت مستحب طلوع شمس سے زوال آفتاب تک ہے، اور اگر سورج غروب ہونے سے پہلے دس ذی الحجہ کی رمی کرلی گئی تو یہ کافی ہوگا اور کوئی تاوان نہیں دینا ہوگا، البتہ امام مالک کا ایک قول یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے دم دینا مستحب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک بھی غروب شمس سے قبل رمی کرلینے سے لازمی طور پر

کوئی تاوان نہیں ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۲۰۶)۔

اب اگر کسی شخص نے رمی نہیں کی اور سورج غروب ہوگیا تو کیا اسے رات میں رمی کی اجازت ہوگی اور وقت میں توسیع ہوگی؟ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس کے لیے رات میں رمی کرنا دوسرے دن کے طلوع فجر سے قبل تک جائز ہوگا اور اسے دم نہیں دینا ہوگا۔ بدائع میں ہے:

"فإن لم یرم حتی غربت الشمس فیرمی قبل طلوع الفجر من الیوم الثاني أجزأه و لا شيء علیه في قول أصحابنا" (البدائع ۳/۱۱۲۱)۔

(اگر رمی نہیں کیا اور سورج غروب ہوگیا پھر اس نے دوسرے دن کی طلوع فجر سے قبل رمی کرلیا تو کافی ہوگا، اور احناف کے قول کے مطابق اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا)۔

ہدایہ میں ہے:

"و إن أخر إلی اللیل رماه لاشيء علیه لحدیث الرعاء" (۱/۳۵۳)۔

(اور اگر رات تک رمی کو مؤخر کیا اور پھر رمی کرلیا تو اس پر حدیث رعا کے مطابق کچھ بھی لازم نہ ہوگا)۔

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اگر رات میں رمی کیا تو اسے دم دینا ہوگا، اس کا مطلب ہے کہ وہ پہلے دن کی رمی میں وقت کو رات تک ممتد نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کسی نے رمی نہیں کیا اور دوسرے دن کا فجر طلوع ہوگیا تو دم دینا ہوگا، البتہ امام ابو یوسف، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں وقت میں اتنی وسعت ہے کہ رات میں بھی نہیں رمی کرسکا تو اگلے دن دونوں دن کی رمی کرلے اور اس تاخیر کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۶)۔

دوسرے اور تیسرے دن کی رمی کے اول وقت اور افضل وقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کی ایک غیر مشہور روایت یہ ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن اگر زوال سے قبل رمی کرلے تو یہ جائز ہے، اور اس کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ سارے ایام "ایام نحر" ہیں۔ لہٰذا جس طرح پہلے دن زوال سے قبل وقت رمی ہے اسی طرح دوسرے اور تیسرے دن بھی ہوگا۔ ظاہر ہے

کہ یہ قول ضعیف ہے اسی لیے فقہاء نے روی اور قیل کے لفظ سے ذکر کیا ہے (بدائع ۳؍۱۱۴۲)۔

جہاں تک دوسرے اور تیسرے دن میں رمی کے آخر وقت کا سوال ہے تو اس میں پہلے دن کی طرح ہی وسعت ہے، اگر رات میں طلوع فجر سے قبل کرلیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کچھ لازم ہوگا۔

"فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولاشئ عليه لأن الليل وقت الرمي أيام الرمي" (بدائع ۳؍۱۱۴۲)۔

اگر آخر کے دودنوں میں رمی کو رات تک مؤخر کردیا اور طلوع فجر سے قبل رمی کیا تو جائز ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ رات ایام رمی میں وقت رمی ہے۔

ان ساری تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ:

(الف): ۱-۱۰؍ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، کیونکہ پہلے دن رمی کا وقت طلوع فجر ثانی سے شروع ہوجاتا ہے، البتہ مستحب وقت طلوع شمس سے زوال آفتاب کے قبل تک ہے۔"أول وقته المستحب ما بعد طلوع الشمس قبل الزوال" (بدائع ۳؍۱۱۴۰)۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں ایام میں رمی کا وقت بعد زوال آفتاب شروع ہوتا ہے۔

"من رماها قبل الزوال اعاد رميها بعد الزوال" (بدایۃ المجتہد ۱؍۲۵۸)۔

۳- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

۴- رمی کے ایام میں راتیں گذشتہ دن کے حکم میں ہوتی ہیں، تاریخیں اسلامی کلنڈر کے اعتبار سے بدل جاتی ہیں، لیکن عمل رمی کے لیے وہ اگلے دن کے طلوع فجر سے قبل تک پہلے دن کے ہی حکم میں ہے، لہذا ۱۲؍ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا اور

۱۳/ ذی الحجہ کی طلوع فجر سے قبل رخت سفر باندھ لیا تو ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔ البتہ ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

"وله أن ينفر مالم يطلع الفجر من اليوم الرابع" (۱/۲۵۲) (اور اس کے لئے جائز ہے رخت سفر باندھنا جب تک چوتھے دن کا فجر طلوع نہ ہوا ہو)۔

ردالمحتار میں ہے:

"ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشئ عليه وقد أساء" (۱/۱۸۵) (اور اگر چوتھے دن کی فجر سے قبل کوچ کر گیا تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا، البتہ اس نے برا کیا)۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ۱۰/ الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنا درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ پہلے دن رمی کا وقت طلوع فجر صادق سے شروع ہوتا ہے۔

"أما يوم النحر فأول وقت الرمي منه ما بعد طلوع الفجر الثاني فلا يجوز قبل طلوعه" (البدائع/ ۱۱۳۰)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام کا حکم:

اس مسئلہ میں علماء امت کا اجماع ہے کہ منیٰ کا قیام سنت ہے اور اس کے قصداً ترک سے بھی حج کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، البتہ بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

"ويكره أن لايبيت بمنى ليالي الرمي لأن النبي ﷺ بات بها وعمر كان يؤدب على ترك المقام بها ولوبات في غيرها متعمداً لا يلزمه شئ عند نا" (ہدایہ ۱/ ۲۰۳)۔

(اور رمی کی راتیں منیٰ میں نہ گذارنا مکروہ ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے وہاں رات

گذاری ہے، اور حضرت عمر قیام منیٰ کے چھوڑنے پر تنبیہ کیا کرتے تھے، (اس کے باوجود) اگر کسی نے قصداً دوسری جگہ رات گذاری تو اس پر ہمارے نزدیک کچھ لازم نہیں ہوگا)۔

رد المختار میں ہے:

"فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلوبات بغيرها كره ولايلزمه شيئ" (۱؍۱۸۴)۔

(ایام رمی کی راتیں منیٰ میں گذارے گا، یہ سنت ہے۔ اگر دوسری جگہ گذارا تو مکروہ ہے لیکن اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا)۔

موجودہ حالات میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خیموں کا سلسلہ منیٰ سے مسلسل مزدلفہ یا حی العزیزیہ تک رہتا ہے، یہ اسی طرح کا سلسلہ ہے جس طرح کا مسجد حرام ہے کہ باہر دور تک جماعت کی نماز میں صفیں لگ جاتی ہیں، گو یہ صفیں مسجد حرام سے بہت دور محلوں تک پہنچی ہوتی ہیں مگر حکماً یہ مسجد حرام کی ہی نماز کہلاتی ہے، اسی طرح گو یہ خیمے منیٰ سے باہر دور تک لگ گئے ہیں لیکن انہیں حکماً قیام منیٰ سے ہی تعبیر کیا جائے گا جیسا کہ حکومت نے منیٰ الجدید کا نام دے کر اسے منیٰ قرار دیا ہے اور وہاں قیام بلاکراہت درست ہوگا۔ اس تفصیل کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ:

۱- ۸؍سے ۱۲؍ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام حاجیوں کے لیے سنت ہے۔

۲- بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے البتہ حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۳- حدود حرم میں کسی جگہ بھی قیام سے حج پر فرق نہیں پڑے گا لیکن حتی الامکان منیٰ میں قیام کی کوشش کرنی چاہئے، منیٰ سے متصل مزدلفہ کے جن علاقوں میں منیٰ الجدید کے نام سے خیمے لگتے ہیں، وہاں بھی قیام کرنا منیٰ میں ہی قیام کرنے کے حکم میں ہوگا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

۱- ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جا سکتی ہے، علماء وفقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ حضرت اسماءؓ کی روایت ہے:

"عن ابن جريج حدثني عبدالله مولىٰ أسماء قال: قالت لي أسماء وهي عند دار المزدلفة: هل غاب القمر، قلت لا، فصلت ساعة ثم قالت: يابني هل غاب القمر؟ قلت: نعم، قالت: ارحل بي فارتحلنا حتى رمت الجمرة ثم صلت في منزلها فقلت لها: أي هنتاه لقد غلسنا؟ قالت: كلا أي بني أن النبي ﷺ أذن للظعن" (رواہ مسلم)۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم (۳/ ۳۳۳) میں اس حدیث کی شرح تفصیل سے کی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کرنا جائز ہے۔

صاحب بحر علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

"وله أوقات أربعة: وقت الجواز ووقت الاستحباب ووقت الاباحة ووقت الكراهة، فالأول ابتدائه من طلوع الفجر يوم النحر" (البحر الرائق ۲/ ۳۴۵)۔

یعنی ۱۰/ ذی الحجہ یوم نحر میں رمی کا وقت طلوع صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے تو اس سے

☆ استاذ حدیث جامعہ مفتاح العلوم، مئو۔

معلوم ہوگیا کہ ۱۰ رذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے رمی کرنا جائز ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"وفی حاشية المدنی عن حاشية شيخه بعد عزوه ما ذكره المؤلف إلى المبسوط والمحيط الرضوی قال لكن في الهداية والزيلعي والعيني والبدائع والكافي والكرماني وغيرها إن وقته من طلوع الفجر إلى غروب الشمس وقال في مبسوط الرخس ففی ظاهر المذهب وقته إلى غروب الشمس ولكنه لو رمى بالليل لايلزمه شئ" ۔

یعنی ۱۰ رذی الحجہ میں اگر کسی نے رات میں رمی کر لی تو اس پر کچھ لازم نہ ہوگا (منحۃ الخالق ۲/۵ ۴، نیز دیکھئے: المغنی ۳/ ۴۲۸-۴۲۹)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ۱۰ رذی الحجہ یوم النحر کی رمی صبح صادق سے اور رات سے کی جاسکتی ہے، لہذا آج کل حجاج کی بڑھتی ہوئی غیر معمولی تعداد کے پیش نظر سنگین حادثات سے حفاظت کے لیے بھی حنفیہ کے نزدیک بھی قاعدہ "الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت رمی صبح صادق سے اور رات سے کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت مسنون زوال کے بعد سے غروب تک ہے، یہی رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے، اور یہی حضرات صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کا قول وعمل ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی لابن قدامہ)۔

اور کتاب الکافی میں ہے:

والرمی في هذه الأيام الثلاثة بعد الزوال في كل يوم منها ومن رمى فيها قبل الزوال أعاد الرمی (۳۷٦/۱)۔

اور کتاب الاقناع میں ہے: "يدخل رمی كل يوم من أيام التشريق بزوال الشمس ويخرج وقت اختياره بغروبها" (۵۷/۱)۔

اور جوہرہ میں ہے:

"وفي اليوم الثاني والثالث من طلوع الشمس إلى الزوال لايجوز ما بعده إلى الغروب مسنون ومن بعد الغروب إلى طلوع الفجر مكروه" (۱/۲۳۳، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲/۳۴۸)۔

اور شامی میں ہے:

" قال في اللباب وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله في المشهور وقيل يجوز، والوقت المسنون فيما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه" (۲/۲۰۱)۔

حدیث وأقوال صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام رضی اللہ عنہم کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے نا جائز ہے، البتہ علامہ شامیؒ کے ایک قول جس کو "قیل" تعبیر کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ زوال سے پہلے جائز ہے، اور اس قول ضعیف سے ۱۱/و۱۲/ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نکلتی ہے تو اس کو اختیار کرکے گنجائش نکالی جاسکتی ہے، واللہ اعلم۔

۳- ۱۱/و۱۲/ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت ہوگی، پس اگر طلوع صبح صادق سے پہلے رات میں کرلے تو جائز ہے اور اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، چنانچہ جوہرہ میں ہے:

"وفي اليوم الثاني والثالث من بعد الغروب إلى طلوع الفجر مكروه فإن رمى بالليل قبل طلوع الفجر جاز ولاشي عليه" (۱/۲۳۳-۲۳۴، نیز دیکھئے: البحر الرائق ۲/۳۴۸)۔

اور شامی میں ہے:

"ولو لم يرم يوم النحر أو الثاني أو الثالث رماه في الليلة المقبلة اى الآتية لكل من الأيام الماضية ولا شئ عليه سوى الإساءة مالم يكن بعذر" (۲۰۱/۲)۔

اور مغنی ابن قدامہ میں ہے:

إن أيام التشريق وقت للرمى فإذا أخره من أول وقته إلى آخره لم يلزمه شئ (۴۵۵/۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۱۱/و۱۲/ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو کراہت کے ساتھ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

۴- اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر اجائے تو ۱۳/ذی الحجہ کی رمی لازم ہوجائے گی، اور اگر رات کے کسی حصہ میں ۱۳/ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے پہلے لوٹ جائے تو اس پر کچھ واجب نہیں، لیکن ایسا کرنے والے نے برا کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ غروب کے بعد لوٹنا جائز نہیں، پس اگر لوٹ جائے تو اس کو دم دینا لازم ہوگا، اور اگر طلوع صبح صادق کے بعد رمی سے پہلے لوٹے تو اس کو باتفاق دم دینا لازم ہوگا (شامی ۲۰۱/۲)۔

اور البحر الرائق میں ہے: ۱۲/ذی الحجہ کو لوٹ جانے اور ٹھہرے رہنے میں ۱۳/ذی الحجہ کی رمی کے لیے اختیار ہے، اور نبی ﷺ کے فعل کی اتباع میں ٹھہرنا افضل ہے، اور ۱۳/ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق کے لیے ٹھہرنا ۱۳/ذی الحجہ کے دن میں رمی کو واجب کرنے والا ہے۔ اور اس میں مکی اور باہری کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (۳۴۹/۲)۔

اور جوہرہ میں ہے: ۱۲/ذی الحجہ میں ۱۳/ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے پہلے لوٹ جانا جائز ہے، اور جب طلوع صبح صادق ہوجائے تو اس پر ۱۳/ذی الحجہ کی رمی متعین ہوجاتی ہے (۲۳۴/۱، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۲۰۱/۲، البحر الرائق ۳۴۹/۲، الجوہرہ ۲۳۴/۱، المغنی ۴۵۴/۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرنے

سے ۱۳/ذی الحجہ کی رمی لازم ہوجاتی ہے، اور منیٰ میں ٹھہرنا ہی افضل ہے، واللہ اعلم۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے، اور ان کے لیے اس کی اجازت ہے (دیکھئے: شامی ۱۹۶/۲، المغنی ۴۸۹/۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے ۱۰/ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے کی اجازت ہے۔ واللہ اعلم

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- ۸/تا ۱۲/ذی الحجہ کے ایام میں حاجی کے قیام منیٰ کی حیثیت مسنون ہونا ہے، پس اگر منیٰ کے علاوہ قیام کرے اور رات گذارے تو یہ مکروہ ہے، اور اس کو کچھ لازم نہیں ہوگا، واللہ اعلم۔

چنانچہ شامی میں ہے:

"ثم أتى منىٰ فيبيت بها للرمي إى ليالي أيام الرمي هو السنة فلوبات بغيرها كره ولا يلزمه شئ" (۲۰۰/۲)۔

اور البحر الرائق میں ہے:

"ولم يذكر البيتوتة بمنى لأنها ليست بواجبة لأن المقصود الرمي لكن هي سنة حتى قال الاسبيجابي ولايبيت بمكة ولا بالطريق ويكره أن يبيت في غير أيام منىٰ" (۳۴۸/۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۸/تا ۱۲/ذی الحجہ کے ایام میں حاجی کا قیام منیٰ میں سنت ہے۔ واللہ اعلم

۲- اگر کوئی حاجی حدود مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو حج پر کوئی اثر نہ پڑے گا ایسا جس سے دم لازم آئے، ہاں کراہت تنزیہی ہوگی جو کہ خلاف اولی ہے، اور اس کے مرتکب ہونے سے دم کا لزوم نہیں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اور شامی میں ہے:

"فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ لباب" (۲/۲۰۰، نیز دیکھئے: الجوہرہ ۱/ ۲۳۴)۔

اور مغنی ابن قدامہ میں ہے:

"فإن ترک المبيت بمنیٰ فعن أحمد لاشئ عليه وقد أساء وهو قول أصحاب الرأى لأن الشرع لم يرد فيه شئ" (۳/۴۴۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ حاجی کے حدود مکہ ہی میں رہ کر رمی وغیرہ کے لیے جانے سے صرف کراہت تنزیہی ہوگی اور کچھ لازم نہ ہوگا اور صحت حج پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ واللہ اعلم

۳- آج کل حجاج کی کثرت کی وجہ سے منیٰ کا میدان اپنی وسعت کے باوجود ناکافی ہوجاتا ہے اور بہت سے خیمے وادیٔ محسر میں نصب کردیئے جاتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے اس وادی میں ٹھہرنے کو پسند نہیں فرمایا ،معمول مبارک تھا کہ چلتے ہوئے یہاں سے تیز گذر جاتے ، اس لیے وادیٔ محسر میں قیام کرنا مناسب نہیں، ایسا کیا جاسکتا ہے کہ مزدلفہ یا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حجاج قیام کرسکتے ہیں چاہے مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، لیکن چونکہ منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے اس لیے رات کے وقت منیٰ آجایا کریں۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ ہے کہ حجاج کی کثرت کی وجہ سے حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے چاہے مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، اور مزدلفہ میں بھی قیام کیا جاسکتا ہے، اور رات کے وقت منیٰ آجائیں کیونکہ منیٰ میں رات گذارنا مسنون ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں قیام کی شرعی حیثیت

مولانا منظم عالم قاسمی ☆

حضرات فقہاء کی صراحت کے مطابق رمی کے چار دن ہیں جن میں رمی کرنا واجب ہے، اس تفصیل کے ساتھ کہ تین دن رمی کے بعد ۱۲ رذی الحجہ کو زوال کے بعد رمی کر کے منیٰ سے مکہ مکرمہ چلا آنا بلا کراہت جائز ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ تیرہویں تاریخ کو رمی کرنے کے بعد آئے، اگر تیرہویں کی صبح صادق منیٰ میں ہوگئی تو تیرہویں کی رمی واجب ہوجائے گی، اگر بلا رمی کئے آئے گا تو دم واجب ہوگا۔

دسویں ذی الحجہ کی رمی:

نویں ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد حجاج کرام کو عرفات سے مزدلفہ آنا ہوتا ہے جہاں مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی جاتی ہے، صبح صادق تک یہاں ٹھہرنے کے بعد فجر کی نماز اول ساعتوں میں ادا کی جاتی ہے۔

اور اب رمی کے لئے منیٰ جانا ہوتا ہے جہاں طلوع شمس کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے جو شرعاً واجب ہے، حنفیہ کے یہاں اس کا وقت دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے دوسرے دن یعنی ۱۱ رذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے، البتہ مسنون وقت سورج نکلنے سے زوال تک ہے، زوال سے غروب تک وقت مباح ہے، غروب کے بعد مکروہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد۔

طلوع شمس کے بعد رمی کی ہے، اور صحتمند، غیر معذور کو اسی وقت رمی کرنے کی ترغیب بھی دی ہے، البتہ عورتوں، بوڑھوں اور کمزور لوگوں کو صبح صادق سے ہی رمی کرنے کی اجازت دے دی تھی تا کہ ازدحام کی وجہ سے رمی کے عمل میں ان لوگوں کو مشقت نہ ہو، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ضعیف اور ناتواں لوگوں کے ساتھ رات ہی میں منیٰ بھیج دیا اور فرمایا: ''لا ترموا الجمرة حتى تصبحوا'' (طحاوی ۲/۲۱۷) (صبح سے پہلے رمی مت کرنا)، اس سے جہاں کمزور لوگوں کے لئے صبح سے ہی رمی کی اجازت معلوم ہوتی ہے وہیں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ صبح صادق سے پہلے رمی درست نہیں ہے۔

اسی حدیث کو دوسری سند کے ساتھ ذرا تفصیل سے امام طحاویؒ کے ساتھ امام بیہقی نے بھی نقل کیا ہے: ''عن ابن عباس أن النبي ﷺ كان يأمر نساءه وثقله من صبيحة جمع أن يفيضوا مع أول الفجر بسواد وأن لايرموا الجمرة إلا مصبحين'' (ابحاث ہیئۃ کبار العلماء ۲/۴۹۸ طبع ریاض)۔

اسی طرح حضرت اسماء بنت ابی بکر کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے غلس (صبح صادق کے بعد) میں رمی کرلی، ان کے مولی حضرت عبد اللہ کا خیال تھا کہ رمی کا وقت سورج طلوع ہونے کے بعد ہے، اسی لیے انہوں نے اس عمل پر اعتراض کیا تو حضرت اسماءؓ نے جواب دیا کہ بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں (اسی طرح تمام ضعیف اور کمزور لوگوں) کو اس کی اجازت دی ہے (صحیح بخاری ۱/۲۲۸، باب من قدم ضعفۃ اہلہ بلیل، مسلم ۱/۴۱۸)۔

علامہ ابن القیم اس باب کی مختلف احادیث جمع کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''لاتعارض بين هذه الأحاديث فإنه أمر الصبيان ألا يرموا الجمرة حتى تطلع الشمس فإنه لا عذر لهم في تقديم الرمي أما من قدمه من النساء فرمين قبل طلوع الشمس للعذر والخوف عليهن من مزاحمة الناس وحطمهم وهذا الذي دلت عليه السنة جواز الرمي قبل طلوع الشمس للعذر بمرض أو كبر

يشق معه مزاحمة الناس لأجله وأما القادر الصحيح فلا يجوز له ذلک" (زاد المعاد ۱/۲۷۱)۔

موجودہ دور میں حاجیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے حادثات میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے جو بجائے خود ایک عذر ہے، اس لئے ان حادثات پر قابو پانے کے لئے بہتر یہ ہے کہ حجاج کرام وقت مسنون کا انتظار کئے بغیر طلوع صبح صادق سے غروب تک رمی کرتے رہیں، اگر غروب کے بعد بھی رمی کرنے کی ضرورت پڑے تو یہ بھی درست ہے، البتہ مغرب بعد کسی بھی دن رمی کو مکروہ قرار دیا ہے مگر ضعیف اور کمزور لوگوں کے لئے بلا کراہت جائز ہے۔ حجۃ الوداع میں ایک صحابی نے سوال کے انداز میں آپ ﷺ سے عرض کیا: "رميت بعد ما أمسيت" (میں نے شام کے وقت رمی کی)، آپ ﷺ نے فرمایا: "لاحرج" (کوئی حرج نہیں ہے)، یہاں مساء سے مراد مغرب کے بعد کا وقت ہے (دیکھئے: أضواء البیان ۵/۲۸۱ بحوالہ أبحاث ہیئۃ کبار العلماء ۲/۳۰۳)۔

مشہور فقیہ علامہ شامیؒ اوقات رمی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ويكره للفجر أي من الغروب إلى الفجر وكذا يكره قبل طلوع الشمس وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل طلوع الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً كما في الفتح" (شامی ۳/۵۳۴، مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند)۔

ازدحام اور پھر پے در پے حادثات کا وقوع ایک مستقل عذر ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے اور مغرب تا فجر نہ صرف عورتوں، بوڑھوں اور ضعیفوں کے لئے رمی جائز ہے بلکہ تمام صحتمند لوگوں کے لئے بلا کراہت درست ہوگی تا کہ وقت میں وسعت ہو اور حادثات پر قابو پایا جاسکے، اس لئے کہ جان ایک عظیم نعمت ہے جس کی حفاظت انسان پر بہر حال لازم ہے، اسی جان کے تحفظ کے غرض سے مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے معذورین کے لئے مغرب بعد رات میں رمی کو مستحب قرار دیا ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۱۳۱)۔

خلاصۂ بحث یہ کہ دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، اس میں معذور اور غیر معذور کا کوئی فرق نہیں، صبح صادق سے پہلے کرنے کی معذور کے لئے بھی گنجائش نہیں ہے کیونکہ دسویں کی صبح سے گیارہویں کی صبح صادق تک کافی وقت ہے، اس میں رمی اطمینان سے کی جاسکتی ہے، اس لئے بلاضرورت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک سے شوافع کے مسلک کی طرف عدول درست نہ ہوگا۔

گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی:

ان دونوں تاریخوں میں تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے، رسول اکرم ﷺ نے ان دونوں میں زوال کے بعد رمی کی ہے: "**وعن جابرؓ قال رأيت النبي ﷺ رمى الجمرة يوم النحر ضحىً و أما بعد ذلك فإذا زالت الشمس**" (صحیح مسلم ۲/ ۹۴۵)۔

"**وعن ابن عمرؓ قال كنا نتحين فإذا زالت الشمس رمينا**" (صحیح بخاری)

کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں صراحت سے معذور یا غیر معذور کے لئے قبل الزوال کی گنجائش دی گئی ہو، اسی وجہ سے ارباب فقہ وافتاء نے ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کو ناجائز کہا ہے (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/ ۱۵۸)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

"صرف دس ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے ہے، ۱۱/ ۱۲/ کی رمی زوال کے بعد ہی ہوسکتی ہے، اگر زوال سے پہلے کرلی تو وہ رمی ادا نہیں ہوگی، اس صورت میں دم واجب ہوگا، البتہ تیرہویں تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کرکے جانا جائز ہے" (آپ کے مسائل ۴/ ۱۳۴)۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں رمی زوال کے بعد افضل ہے لیکن اگر زوال سے قبل کرلی جائے تو درست ہے، یہی بعض حنابلہ کا بھی خیال ہے، خاص طور پر ۱۲/ ذی الحجہ کو جو منیٰ سے جلدی نکلنا چاہتے ہیں اور مکہ پہنچتے پہنچتے رات ہوجانے کا خوف ہوتو اس عذر کے سبب اس کے لئے زوال سے قبل رمی کی اجازت امام حسنؒ کے توسط سے

امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے (دیکھئے الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/ ۱۵۸)۔

حرج میں مبتلا ہونے کے سبب ۱۲/ ذی الحجہ کو قبل الزوال رمی درست ہے، اور ظاہر ہے کہ ازدحام اور کثرت حادثات کا وقوع رات سے بڑھ کر عذر ہے اس لئے راقم الحروف کا خیال ہے کہ ان دونوں ایام میں زوال سے قبل رمی درست ہوگی، خاص طور پر اس لئے بھی کہ جس طرح دس ذی الحجہ یوم نحر ہے اسی طرح ۱۱/ ۱۲/ بھی یوم نحر ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"إن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث لأن الكل أيام النحر" (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں حادثات کے سبب ۱۲/ ذی الحجہ کو قبل الزوال رمی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔ "والأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة لا سيما في زمننا" (۲۳/ ۱۵۸)۔

اسی کے حاشیہ میں ہے:

"قال في البحر العميق فهو قول مختار يعمل به بلاريب وعليه عمل الناس" (۲۳/ ۱۵۸)۔

۱۲/ اور ۱۱/ میں کوئی فرق نہیں ہے اس لئے دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا، یعنی قبل الزوال رمی درست ہوگی، البتہ یہ وقت زوال تک وقتِ جواز ہوگا، اس کے بعد غروب آفتاب تک وقت مسنون، پھر طلوع صبح صادق تک وقت مکروہ۔

تیرہویں ذی الحجہ کی رمی:

۱۲/ ذی الحجہ کو رمی کر کے منیٰ سے مکہ مکرمہ چلا آنا بلا کراہت جائز ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ تیرہویں کو رمی کے بعد آئے --- خیال رہے کہ بارہویں تاریخ کو مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ

ہوتو غروب سے پہلے ہی منیٰ سے نکل جائے ،غروب کے بعد تیرہویں کورمی کئے بغیر جانا مکروہ ہے، اگر چہ تیرہویں کی رمی واجب نہ ہوگی لیکن تیرہویں کی صبح صادق اگر منیٰ میں ہوگئی تو تیرہویں کی رمی بھی واجب ہوجائے گی، اگر بلارمی کئے مکہ آ گیا تو دم واجب ہوگا (معلم الحجاج ۱۸۲، نیز دیکھئے شامی ۳/ ۵۴۳)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

منیٰ میں رات گزارنا حنفیہ کے یہاں سنت ہے، واجب یا رکن نہیں، اس لئے حجاج کرام کے خیمے منیٰ میں ہی لگانے کی ضرورت نہیں ،حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ جن راتوں میں منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے ان میں انہیں سبیل زمزم کی خدمت کے لیے مکہ رہنے کی اجازت دے دی جائے ، چنانچہ آپ ﷺ انہیں اجازت دے دی (بخاری ومسلم)۔

اکثر علماء کے نزدیک قیام منیٰ واجب ہے مگر حدیث مذکور کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ نے اس کو سنت قرار دیا ہے، اور یہی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی ایک قول ہے۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اگر منیٰ میں قیام واجب ہوتا تو آپ ﷺ حضرت عباسؓ کو ان راتوں میں مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت ہرگز نہ دیتے (ارشاد الساری ۳/ ۲۵۴)۔

جب منیٰ میں قیام کے سلسلہ میں شریعت نے گنجائش دی ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور خواہ مخواہ منیٰ میں خیمے نصب کر کے حادثات کا باعث نہیں بننا چاہئے، اس لئے ان ایام میں مزدلفہ، حی العزیزیہ یا کہیں حدود حرم میں قیام کیا جاسکتا ہے، کم از کم حنفیہ اس پر عمل کریں تو تقریباً نصف سے زائد ازدحام کم ہوجائے گا اور حادثات واقع نہیں ہوں گے، چونکہ دیگر ائمہ کے یہاں واجب ہے، اس لیے ان کے لئے وہاں قیام ایک مجبوری ہے، حنفی المسلک حجاج کے لئے کوئی مجبوری نہیں، اس لئے ان کو چاہئے کہ منیٰ میں ان ایام میں قیام نہ کریں، محض ایک سنت پر

عمل کرنے کے لئے نقصان عظیم کا سبب بنتا ہے جو کسی بھی حال میں مناسب نہیں، جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالنا یا سبب بننا منع ہے "ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة" ۔اگر اس طرح کا خطرہ یقینی لگتا ہو تو افضل ومسنون کو چھوڑ کر مباح بلکہ مکروہ تک کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ یہاں تک کہ ترک واجب کی بھی گنجائش ہے۔

"لكنه لو تركه بعذر كزحمة مزدلفة لاشيء عليه" (درمختار ۲/۱۹۳)۔

☆☆☆

۱۰/ذی الحجہ کی رمی کا وقت

مولانا محمد ابرار خاں ندوی ☆

دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک ہے (دیکھئے: منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۲/ ۶۰۴)، البتہ غروب کے بعد سے دوسرے دن کے طلوع فجر تک مکروہ وقت ہے (دیکھئے: ردالمحتار ۲/ ۱۸۱)، لہٰذا اگر کوئی غروب آفتاب کے بعد رمی کرتا ہے تو کراہیت کے ساتھ گنجائش ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"ففي ظاهر المذهب وقته إلى غروب الشمس ولكنه لو رمى بالليل لايلزمه شئ" (دیکھئے: المبسوط ۴/ ۶۴، باب رمی الجمار، دارالمعرفہ بیروت)۔

ظاہر مذہب کے مطابق اس کا وقت غروب آفتاب تک ہے لیکن اگر رات میں رمی کرے تو اس پر کوئی (تاوان) لازم نہیں ہوگا۔

وقت کے سلسلہ میں اختلاف صرف افضل وغیر افضل، جائز اور مکروہ کا ہے، اس لحاظ سے دس ذی الحجہ کی رمی کے اوقات کی چار قسمیں ہوتی ہیں:

۱- وقت جواز مع الإساءۃ: دس تاریخ کو طلوع فجر سے دوسرے دن کے طلوع فجر تک۔

۲- مستحب وقت: طلوع آفتاب سے زوال شمس تک۔

۳- جائز وقت (بلا اساءت): زوال شمس سے غروب شمس تک۔

☆ استاذ جامعۃ الہدایہ، جے پور۔

۴-مکروہ وقت: طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب شمس کے بعد (دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۶۰۴-۶۰۵، نیز الموسوعۃ الفقہیہ (کویت) ۲۳/ ۱۵۶)۔

دس ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کرنے کا حکم:

دس ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے ہی رمی کرنے کی اجازت ہے، البتہ افضل وبہتر طلوع آفتاب کے بعد ہی ہے، علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"فإن رمی جمرة العقبة یوم النحر بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس أجزأہ .... والأفضل أن یرمیها بعد طلوع الشمس" (دیکھئے: المبسوط ۴/ ۶۸)۔

یوم النحر کو طلوع فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو درست ہے، البتہ افضل ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرے۔

اور فقہاء احناف میں جن حضرات نے طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنے کو مکروہ کہا ہے وہ عام حالات میں ہے، مریض، کمزور، بوڑھا، عورت، اور دیگر معذورین اس سے مستثنیٰ ہیں، ان کے لیے بلا کراہت اجازت ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

"وکذا یکرہ قبل طلوع الشمس بحر، وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمی الضعفة قبل طلوع الشمس ولا برمی الرعاة لیلا" (رد المحتار ۲/ ۱۸۱)۔

طلوع آفتاب سے پہلے رمی مکروہ ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب عذر نہ ہو، البتہ ضعیفوں کے لیے طلوع آفتاب سے پہلے اور چرواہوں کے لیے رات میں رمی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

خود اللہ کے رسول ﷺ نے ضعیفوں، کمزوروں اور عورتوں اور معذورین کو طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنے کی رخصت عطا فرمائی ہے۔

سالم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے اہل وعیال میں کمزوروں کو آگے بڑھا دیتے

تھے،تو وہ مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس رات میں قیام کرتے تھے،اور جتنا ہوسکتا اللہ کا ذکر کرتے اور امام کے وقوف کرنے اور بھیڑ جمع ہونے سے پہلے لوٹ جاتے، ان میں سے بعض نماز فجر کے لیے منیٰ آتے اور بعض اس کے بعد آتے، لیکن جب آتے جمرہ عقبہ میں رمی کرتے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو رخصت عطا کی ہے (صحیح البخاری ۲/ ۶۰۳، رقم الحدیث: ۱۵۹۲، باب من قدم ضعفۃ أہلہ بلیل)۔

گیارہ وبارہ ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کرنا:

گیارہ وبارہ ذی الحجہ کی رمی کا افضل وقت زوال شمس سے شروع ہوتا ہے اور غروب شمس تک رہتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

”**عن وبرة قال سألت ابن عمرؓ متى أرمي الجمار ؟ قال إذا رمى إمامك فارمه، فأعدت عليه المسئلة قال كنا نتحين، فإذا زالت الشمس رمينا**“ (حوالہ سابق)۔

حضرت وبرہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ میں رمی جمرات کب کروں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی رمی کرو،تو میں نے دوبارہ یہی مسئلہ دریافت کیا،تو فرمایا کہ ہم وقت کا انتظار کرتے تھے،پھر جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے۔

حجاج کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھتے ہوئے صبح صادق کی اجازت ہوگی ورنہ اہل توحید کے اس جم غفیر میں محدود وقت کے اندر رمی کرنے کی صورت میں بے شمار انسانی جانوں کی ہلاکت ہوگی، امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی ایک روایت کے مطابق اس کے قائل ہیں۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

”**وروى عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد**

الزوال، فإن رمیٰ قبله جاز"(بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷)۔

امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ دوسرے اور تیسرے دن افضل زوال کے بعد رمی ہے، اگر اس سے پہلے رمی کرلے تو بھی جائز ہے۔

بعض متاخرین احناف نے اس روایت کو قوی قرار دیا ہے۔

"والأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة لا سيما في زماننا" (الموسوعة الفقهیہ ۲۳/ ۱۵۸)۔

گیارہ وبارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنا:

گیارہ وبارہ ذی الحجہ کو بلاعذر اور بغیر کسی سبب اور دشواری کے غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا مکروہ ہے (فقہ السنۃ ۱/ ۶۷۸)۔

البتہ یہ تاخیر کسی مجبوری کے تحت ہو مثلاً بیمار ہے یا بوڑھا ہے یا بھیڑ میں جسم کو ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو یا نفس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو بلا کسی کراہت کے غروب آفتاب سے طلوع فجر کے درمیان کسی بھی وقت رمی کرسکتے ہیں۔

علامہ کاسانی رقم طراز ہیں:

"فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز، ولا شئ عليه، لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۸)۔

اگر دوسرے اور تیسرے دن رات تک رمی کو مؤخر کردے پھر طلوع فجر سے پہلے رمی کرے تو جائز ہے اور اس پر کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے کہ رمی کے دنوں میں رات رمی کا ہی وقت ہے۔

دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنا:

دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے کی بابت فقہاء کے مابین اختلاف ہے، امام احمد بن حنبل وامام شافعی مطلق جواز کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہؒ کی رائے مطلق عدم

جواز کی ہے، جبکہ بعض فقہاء نے معذورین کے لیے اجازت فرمائی ہے اور بلاعذر ممانعت کا حکم صادر فرمایا ہے (سبل السلام شرح بلوغ المرام ۲/ ۲۰۸، از محمد اسماعیل الکحلانی، دارالفکر بیروت)۔

لیکن فقہاء کی آراء، اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کے معمولات پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ عام حالات میں تو نہیں البتہ معذورین، بیماروں، ضعیفوں، دل کے امراض میں مبتلا اشخاص اور عورتوں کے لیے نصف رات کے بعد رمی کرنے کی اجازت ہے، خود اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ام سلمہ کو دسویں شب کو رمی کے لیے بھیجا ہے اور انہوں نے طلوع فجر سے پہلے رمی کی ہے، اور جن احادیث سے طلوع فجر کے بعد رمی کا پتہ چلتا ہے وہ حکم عام حالات کا ہے۔

امام محمد اسماعیل الکحلانی نقل فرماتے ہیں:

"عن عائشةؓ قالت أرسل النبي ﷺ بأم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت، رواه أبوداؤد وإسناده على شرط مسلم" (دیکھئے: سبل السلام شرح بلوغ المرام ۲/ ۲۰۸، دارالفکر بیروت)۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو دسویں شب کو بھیجا تو انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ عقبہ میں رمی کی پھر چلی گئیں اور پھر اس کے بعد طواف افاضہ کیا۔

مزید آگے لکھتے ہیں:

"الحديث دليل على جواز الرمي قبل الفجر" (حوالہ سابق)۔

یعنی یہ حدیث فجر سے قبل رمی کے جواز کی (واضح) دلیل ہے۔

نیز حضرت اسماء کا رات میں رمی کرنا ثابت ہے، اس سلسلہ میں سید سابق نے مفصل ومدلل گفتگو فرمائی ہے:

بالاتفاق یہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ نصف اخیر رات سے پہلے رمی کرے، البتہ

خواتین، بچوں، ضعیفوں، معذورین اور اونٹ چرانے والوں (اونٹوں کی نگہبانی کرنے والوں) کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ لیلۃ النحر (یعنی دسویں شب) کے نصف کے بعد سے جمرہ عقبہ کی رمی کرسکتے ہیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کی رات یعنی دسویں شب کو حضرت ام سلمہؓ کو بھیجا، تو انہوں نے فجر سے قبل رمی کی پھر طواف افاضہ کیا......... اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹوں کی نگہبانی کرنے والوں (چرواہوں) کو رات میں رمی کرنے کی رخصت فرمائی ہے...... حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے حضرت اسماء کے بارے میں بیان کیا کہ انہوں نے جمرہ عقبہ میں رمی کی تو میں نے (یعنی اس مخبر نے حضرت اسماء سے) کہا کہ ہم نے جمرہ عقبہ میں رات کی رمی کی، تو حضرت اسماءؓ نے کہا کہ ہم تو اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

سید سابق یہ تفصیل تحریر کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

”والذي دل عليه الحديث أن من كان ذا عذر جاز أن يتقدم ليلاً ويرمي ليلاً“ (فقہ السنۃ ۱/ ۷۴۴ بعنوان الترخیص للضعفۃ وذوی الأعذار بالرمی بعد منتصف لیلۃ النحر)۔

شریعت میں اعذار کی رعایت کی گئی ہے، اور حج میں رمی کے دوران بھیڑ کی وجہ سے انسانی جانوں کی ہلاکت، ایذاء مسلم، یہ ایک عذر قوی ہے، پس اس بنیاد پر طلوع فجر سے قبل رمی کی اجازت بلا کراہت دینا عقل وشرع اور انسانی تقاضہ ہے، البتہ صحت مند وتوانا اور قوی افراد جو آسانی بلا کسی اندیشہ کے افضل وقت میں رمی کرسکتے ہیں وہ افضل وقت میں ہی رمی کریں، ہاں اگر بھیڑ میں ان کو بھی اپنی جان کے ضیاع کا ڈر ہو تو یہ رعایت ان کو بھی حاصل ہوگی۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات میں توسیع کے حدود

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

اس میں شک نہیں کہ آبادی کی کثرت کی وجہ سے حجاج کرام کی زیادتی کے ساتھ طبائع کی عجلت پسندی اور فکری و مسلکی آزادی نے بہت سے مسائل کھڑے کردئے ہیں۔حضرات علماء کرام وارباب افتاء کو ہر دور کے پیدا شدہ نئے مسائل وحالات کا سنجیدگی سے جائزہ لے کر قرآن وحدیث واقوال فقہاء وتعامل سلف کی روشنی میں حل تلاش کرنا ہوگا۔

لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ کسی بھی مسئلہ کے حل کے لیے جو حدود متعین کئے گئے ہیں اس میں وسعت اتنی پیدا کی جاسکتی ہے جو منشاء شارع اور روح شریعت کے خلاف نہ ہو۔اگر روح نکل گئی تو پھر صرف قالب کا کوئی فائدہ نہیں۔

آج کل جمرات پر رونما ہونے والے حوادث کا تعلق ازدحام سے زیادہ طبائع کی عجلت پسندی، جذباتیت، لاشعوری، کم فہمی، فکری آزادی سے ہے۔اگر لوگ صبر وتحمل کے ساتھ نظم ونسق کو برقرار رکھیں تو اس طرح کے حوادث کی نوبت ہی نہ آئے لیکن بارہا کا مشاہدہ ہے کہ جذبات سے بھرپور حجاج کا ریلا نظم کی رسیوں کو اس طرح توڑتا ہوا آگے بڑھتا ہے کہ منتظمین کو اپنی جان بچانی مشکل ہوتی ہے۔

اس طرح کی صورت حال پر کنٹرول توسیع وقت سے ممکن نہیں بلکہ حجاج کرام کو صبر وتحمل اور نظم ونسق کا پابند بنانے سے ہی ممکن ہے، اور اس کے لیے ہر ملک کے علماء اور دینی قائدین کو

☆ بانی ومہتمم دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔

اپنے اپنے مقام پر محنت کرنی ہوگی۔

بہر حال اس مختصر سی تمہید کے بعد سوالات کے جوابات سپر دِ قلم کئے جا رہے ہیں۔

رمی جمار کے اوقات کی توسیع میں گنجائش سے متعلق کچھ کہنے سے پہلے اس پر غور کر لینا ضروری ہے کہ ازدحام مطلقاً عذر ہے یا کسی مخصوص طبقہ کے لیے عذر ہے، تو اس سلسلہ میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

۱-ازدحام صرف عورتوں کے لیے عذر ہے۔

۲-بعض فقہاء نے اس کو عام رکھتے ہوئے فرمایا کہ ازدحام عورت اور مرد دونوں کے لیے عذر ہے۔

۳-اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ بیمار، مریض، کمزور اور ناتواں لوگوں کے لیے ازدحام عذر ہے۔

ان تینوں آراء کی وضاحت شامی کی اس عبارت سے ہوتی ہے جہاں انہوں نے مزدلفہ سے منیٰ کے لیے کوچ کرنے کے بارے میں تقدیم وتاخیر، وقوف اور عدم وقوف پر بحث کی ہے، اور جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ازدحام حضرات فقہاء کے یہاں عذر ہے (شامی ۱۷۸/۴)۔

(الف) رمی جمار کے اوقات:

۱- دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوکر اگلی صبح صادق تک ختم ہوتا ہے، البتہ زوال سے غروب شمس تک وقت مباح اور مسنون ہے اور غروب سے اگلی صبح صادق تک وقت مکروہ ہے (شامی ۱۸۱/۴، مطلب فی رمی جمرۃ العقبہ)۔

۲- گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوکر ۱۳ر کی صبح صادق سے پہلے تک ہے۔ وقت مسنون زوال شمس سے غروب تک ہے، اور غروب سے طلوع صبح تک وقت مکروہ ہے (شامی ۱۸۵/۴، مطلب فی رمی جمرات الثلاث)۔

۱- دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے "کما في الشامي : وقت جوازه أداء من الفجر" (۱۸۱/۲)۔

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور فقہاء نے تمام احادیث پر عمل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ طلوع فجر کے بعد رمی کرنا جائز ہے (۴۶۰/۲)۔

۲- ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ اس کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔

"كما روى في الرواية المشهورة عن جابر رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ رمى الجمرة يوم النحر ضحى ورمى في بقية الأيام بعد الزوال" (الحدیث)۔

اسی حدیث کو مستدل بنا کر صاحب بدائع الصنائع نے لکھا ہے کہ ان دونوں دنوں کی رمی زوال سے پہلے جائز نہیں ہے۔

"وأما وقت الرمي من اليوم الأول والثاني من أيام التشريق وهو اليوم الثاني والثالث من ايام الرمى فبعد الزوال حتى لا يجوز الرمى فيهما قبل الزوال في الرواية المشهورة عن أبي حنيفة" (بدائع ۱۳۷/۲ کراچی)۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ ازدحام کو عذر بنا کر دخول وقت سے قبل رمی کی اجازت نہیں دی جاسکتی بلکہ خود اس کے وقت کے اندر اخیر رات تک کی گنجائش ہے، اگر عذر (ازدحام) کی وجہ سے وقت مسنون میں رمی نہ کرسکتا ہو تو رات میں رمی کر لے۔

علامہ شامی نے بھی زوال سے پہلے رمی کو ناجائز لکھا ہے۔

"قال في اللباب وقت رمى الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله في المشهور" (شامی ۱۸۵/۲)۔

۳- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔

''کما فی البدائع فإن امر الرمی فیھما الی اللیل فرمی قبل طلوع الفجر جاز ولا شئ علیہ لان اللیل وقت الرمی فی ایام الرمی'' (بدائع ۲/ ۱۳۷)۔

البتہ علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ جائز ہے لیکن ترک سنت کی وجہ سے مکروہ ہے (شامی ۲/ ۱۸۵)، لیکن بغیۃ المناسک اور معلم الحجاج میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ازدحام عذر ہے، لہذا اس کی وجہ سے اوقات مکروہ میں رمی کرنے میں کوئی کراہت نہیں (بغیۃ المناسک، ص ۱۰۰)۔

معلم الحجاج میں یہ لکھا ہے کہ اگر عورت دسویں تاریخ کو سورج نکلنے سے پہلے اور گیارہویں اور بارہویں کو سورج غروب ہونے کے بعد رات میں ہجوم کے خوف سے رمی کرے تو مکروہ نہیں ہے اسی طرح ضعیف اور کمزور کا حکم ہے، ان کے علاوہ کے لیے مکروہ ہے (ص/ ۱۸۶-۱۸۷)۔

۴- اگر ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر جائے تو ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی بشرطیکہ ۱۳/ ذی الحجہ کو فجر سے پہلے وہاں چلا جائے، اور اگر ۱۳/ کی طلوع فجر تک ٹھہرا رہے یہاں تک کہ صبح صادق ہوجائے تو پھر ۱۳/ کی رمی لازم ہوجائے گی (نورالایضاح/ ۱۷۸)۔

صاحب ہدایہ نے بھی یہی بات کہی ہے کہ چوتھے دن یعنی ۱۳ کی فجر سے پہلے حاجی منیٰ سے چلا جائے، اگر طلوع فجر تک نہیں گیا تو پھر بغیر رمی کئے ہوئے جانے کی اجازت نہیں کیونکہ اب ۱۳/ کی رمی کا وقت داخل ہو چکا ہے (ہدایہ اول/ ۲۵۴)۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین کے لیے ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا وقت شارع نے جو بتلایا ہے وہ صبح صادق کے بعد کا ہے۔

صاحب بدائع الصنائع نے حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان کے ضعیفوں کو مزدلفہ کی شب میں ہی منیٰ کے لیے روانہ کردیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ تم لوگ پہلے

جاتور ہے ہولیکن جمرۃ العقبہ کی رمی صبح ہونے سے پہلے مت کرنا (بدائع ۲/ ۱۳۷)۔

صاحب ہدایہ نے بھی نہی کی علت اس حدیث کو قرار دیا ہے، نیز چونکہ ۱۰/ ذی الحجہ کی شب وقوف مزدلفہ کی رات ہے رمی کی رات نہیں، وقوف کا وقت ختم ہونے کے بعد رمی کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ رمی رات میں نہ ہو بلکہ صبح صادق سے ہو (ہدایہ ۱/ ۲۵۳)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- ایام حج میں منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے اور ایسا صرف اس لیے ہے کہ جمعیت قلب کے ساتھ رمی کے ساتھ عبادت میں مصروف ہو سکے، بصورت بُعد مکانی آمد ورفت کی وجہ سے قلبی انتشار ہوگا جس کی وجہ سے جمعیت قلب مفقود ہو جائے گی۔

شامی میں ہے: "**ثم الی منی فیبیت بها للرمی، أي لیالی أیام الرمي هو السنة فلو بات بغیر ها کره و لا یلزمه شئ**" (شامی ۲/ ۱۸۴ کراچی)۔

۲- اگر کوئی حاجی حدود مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی کے لیے جایا کرے تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، حج ہو جائے گا۔

صاحب فتاویٰ عالمگیری نے مختلف کتابوں کی عبارت نقل کی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص منیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ جان بوجھ کر بھی قیام کر لے تب بھی حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے کیونکہ مطلوب منیٰ میں قیام ہے، لیکن اگر عذر ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۲۳۲)۔

۳- حاجی حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام کر سکتا ہے خواہ مکہ شہر ہو یا مضافات، البتہ وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ نہ چھوڑے، اور ان کے وقوف میں جن جگہوں کے استثناء کے ساتھ منع کیا گیا ہے اس سے بچے اور منیٰ کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کیا جا سکتا ہے۔ منیٰ میں قیام کرنے کو اس لیے کہا گیا ہے تا کہ رمی جمار میں سہولت ہو، منیٰ میں قیام صرف سنت ہے، ازدحام کے پیش نظر منیٰ

کے علاوہ مزدلفہ میں خیمے لگا کر قیام کیا جا سکتا ہے (دیکھئے: ہدایہ اول، ۲۵۳)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ رمی کے اوقات جو ذکر کیے گئے ہیں انہی اوقات میں رمی کی اجازت ہوگی، ازدحام کو عذر بنا کر وقت شروع ہونے سے پہلے رمی کرنا درست نہیں، وقت شروع ہونے کے بعد وقت مکروہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ اس میں تمام حجاج بسہولت رمی سے فارغ ہو سکتے ہیں، البتہ جو لوگ مسنون اوقات میں رمی پر قادر ہوں ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ سنت کو ترک نہ کریں اور بلاوجہ ازدحام کو اپنے لیے عذر بنا کر اوقات مکروہہ میں رمی کرنے سے گریز کریں۔
اسی طرح وہ حضرات جو ان مذکورہ جگہوں کے وقوف میں ازدحام کے باوجود مسنون طریقہ پر وقوف اور مبیت کر سکتے ہوں تو وہ ان مسنون جگہوں میں وقوف کو چھوڑ کر دیگر جگہوں پر قیام کرنے سے گریز کریں۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مفتی محمد عبد الرحیم قاسمی ☆

۱- حنفیہ اس پر متفق ہیں کہ یوم النحر کو صبح صادق سے پہلے رمی کرلی تو بالاتفاق صحیح نہیں ہوگی۔ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ اول وقت کی ابتدا یوم النحر کے طلوع فجر سے ہے اور اس کی انتہاء دوسرے دن کی طلوع فجر تک ہے، اگر رمی کو مؤخر کردیا یہاں تک کہ دوسرے دن کی فجر طلوع ہوگئی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم لازم ہوگا برخلاف صاحبین کے، اور اگر یوم النحر کے طلوع فجر سے پہلے رمی کرلی تو بالاتفاق صحیح نہ ہوگی (البحر الرائق ۲/ ۶۰۴)۔

علامہ کاسانی نے لکھا ہے کہ یوم النحر کی رمی کا اول وقت یوم النحر کی فجر ثانی کے طلوع سے شروع ہے تو اس کے طلوع سے پہلے جائز نہیں، اور اس کا اول مستحب وقت طلوع شمس کے بعد سے زوال سے پہلے تک ہے، یہ ہمارے نزدیک ہے۔ امام شافعی نے کہا: نحر کی رات جب آدھی ہوجائے تو رمی جمار کا وقت داخل ہوجائے گا، اور ہمارا قول صحیح ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے مزدلفہ کی رات اپنے اہل خاندان کے کمزوروں کو پہلے روانہ فرمادیا اور حکم فرمایا کہ جمرۂ عقبہ کی رمی نہ کرنا یہاں تک کہ صبح ہوجائے، صبح ہونے سے پہلے رمی کرنے سے منع فرمادیا (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے: ''ووقته أي وقت جوازه أداءً من الفجر أي فجر

☆ ناظم جامعہ خیر العلوم، نورمحل روڈ، بھوپال۔

النحر إلى فجر اليوم الثاني" (اس کا وقت جواز یوم النحر کی فجر سے دوسرے دن کی فجر تک ہے)(شامی ۲/ ۱۸۱)۔

معارف السنن شرح ترمذی میں ہے:

"ولایجوز للضعفة قبل طلوع الفجر عند أبي حنیفة ویجوز عند بعض الأئمة مطلقاً"۔

(کمزوروں کے لیے امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلوع فجر سے پہلے رمی جائز نہیں، اور بعض ائمہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے (معارف السنن ۶/ ۳۳۴)۔

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔

۲- اوجز میں ہے: کہا گیا کہ ان دونوں دنوں میں زوال سے پہلے رمی جائز ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ افضل یہ ہے کہ ان دونوں دنوں میں زوال کے بعد رمی کرے، اگر اس سے پہلے رمی کرلی تو جائز ہے، حضور اکرم ﷺ کے رمی کرنے کی روایت کو اختیار افضل پر محمول کیا ہے جیسا کہ صاحب منتقی اور صاحب بدائع وغیرہما نے ذکر کیا ہے (أوجز المسالک ۳/ ۶۶۲)۔

اور علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

"روی عن أبي حنیفۃ أن الأفضل أن یرمی في الیوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمی قبله جاز، ووجه هذه الروایة أن قبل الزوال وقت الرمي في یوم النحر فکذا في الیوم الثاني والثالث لأن الکل أیام النحر" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷)۔

(امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ دوسرے تیسرے دن زوال کے بعد رمی کرنا افضل ہے، اگر اس سے پہلے رمی کرلی تب بھی جائز ہے، اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ زوال سے پہلے یوم النحر میں بھی رمی کا وقت ہے لہذا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے پہلے کرنے کی

گنجائش ہے)(بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷)۔

۳- علامہ سرخسی نے فرمایا: ''ألا إنه إذا رمى بالليل لم يغرم شيئاً لأن رسول اللّٰہ ﷺ رخص للرعاة أن يرموا ليلاً ولأن اليوم لما كان وقتاً للرمي فالليل يتبعه في ذلک''۔

(مگر یہ کہ جب رات میں رمی کرلی تو تاوان نہیں لگایا جائے گا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دی ہے، اور اس وجہ سے کہ جب دن رمی کا وقت ہے تو رات بھی اس کے تابع ہے)(المبسوط للسرخسی ۴/ ۶۴)۔

ہدایہ میں ہے:

''وإن أخر إلى الليل رماه ولاشئ عليه لحديث الرعاء'' (اگر رات تک رمی کو مؤخر کردیا تو رمی کرلے، اس پر کچھ تاوان نہیں چرواہوں کو رات میں رمی کرنے کی اجازت دینے والی حدیث کی وجہ سے)(ہدایہ ۲/ ۲۵۳)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ رات میں رمی کرنا جائز ہے۔

۴- ''فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له أن ينفر حتى رمىٰ في الرابع ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشئ عليه وقد أساء'' (اگر منیٰ سے روانہ نہیں ہوا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا تو اس کے لیے اب روانہ ہونا مکروہ ہے یہاں تک کہ چوتھے دن رمی کرلے، اور اگر چوتھے دن کی فجر سے پہلے روانہ ہوگیا تو اس پر کچھ نہیں البتہ برا کیا)(شامی ۲/ ۱۸۵)۔

زبدۃ المناسک میں ہے: بارہویں کا آفتاب غروب ہونے کے بعد تیرہویں کی فجر ہونے کے پہلے منیٰ سے مکہ کو چلا جائے تو بکراہت جائز ہے، اس پر تیرہ ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوئی مگر جو تیرہویں کی فجر منیٰ میں ہوگئی تو تیرہویں کی رمی واجب ہوگئی (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک/ ۲۱۳)۔

۵- صاحب درمختار نے لکھا ہے: "لوترکه بعذر کزحمة لاشی علیه" (اگر بھیڑ جیسے عذر کی بنا پر وقوف مزدلفہ کو چھوڑ دے تو اس پر کچھ نہیں)۔ اس کے ذیل میں علامہ شامی نے لکھا ہے: "وقد يجاب بأن الزحام لنحو عجز ومرض إنما جعلوه عذرا هنا لحديث أنه ﷺ قدم ضعفة أهله بليل ولم يجعل عذراً في عرفات لما فيه من اظهار مخالفة المشركين فإنهم كانوا يدفعون قبل الغروب" (عاجزی اور بیماری جیسی چیزوں کی وجہ سے بھیڑ کے خوف کو وقوف مزدلفہ چھوڑنے کا عذر مان لیا گیا حدیث کی بنا پر کہ حضور ﷺ نے اپنے خاندان کے کمزوروں کو رات میں مزدلفہ سے روانہ فرمادیا، اور عرفات سے جلدی روانہ ہونے کے لیے اس کو عذر نہیں مانا گیا کیونکہ کفار عرفات سے غروب سے پہلے روانہ ہوجاتے تھے، تو وہاں کافروں کی مخالفت کا اظہار مقصود ہے (شامی ۱۷۹/۲)۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سودہؓ حضور ﷺ سے اجازت لے کر مزدلفہ سے رات میں روانہ ہوگئیں، "فأذن لها فخرجت قبل دفعه" (صحیح مسلم ۴۱۷/۱)، حضرت ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہم مزدلفہ سے رات میں ہی روانہ ہوجاتے تھے۔ "عن أم حبيبة قالت كنا نفعله على عهد النبي ﷺ نغلس من مزدلفة" (صحیح مسلم ۴۱۸/۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں میں تھا جن کو حضرت رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات میں اپنے گھروں کے کمزوروں کے ساتھ آگے منیٰ بھیج دیا تھا، "عن ابن عباس قال بعثني رسول الله ﷺ في الثقل أو قال في الضعفة من جمع بليل" (صحیح مسلم ۴۱۸/۱)۔

قیام منیٰ:

۱- درمختار میں ہے: "ثم أتى منىً فيبيت بها للرمي قال الشامي أي ليالي أيام

الرمی هو السنة فلو بات بغیر ها کره ولایلزمه شئ" (شامی ۲/ ۱۸۴)۔

(پھر منیٰ آئے اور اسی میں رات گذاری، شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: ایام رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے، اگر اس کے علاوہ دوسری جگہ کسی نے رات گذاری تو مکروہ ہے اور کچھ لازم نہیں) (شامی ۲/ ۱۸۴)۔

۲- "ولا يبيت بمكة ولا في الطريق هو السنة، لأن النبي ﷺ هكذا فعل ويكره أن يبيت في غير منىٰ في أيام منىٰ فإن فعل لاشئ عليه ويكون مسيئاً لأن البيتوتة بها ليست بواجبة بل هي السنة" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۵۹)۔

(مکہ میں رات گذارے اور راستہ میں بھی رات نہ گذارے، یہی سنت ہے، کیونکہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اسی طرح کیا ہے، اور منیٰ کے دنوں میں منیٰ کے علاوہ دوسری جگہ رات گذارنا مکروہ ہے، اگر ایسا کیا تو اس پر کچھ نہیں، بس بُرا کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ منیٰ میں رات گذارنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے)۔

اسی طرح سرخسی فرماتے ہیں:

اگر کوئی حاجی منیٰ کے دنوں میں حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے آکر رمی جمار کرے تو اس نے بُرا کیا اور اس پر کچھ نہیں، کیونکہ اس نے صرف سنت کو ہی چھوڑا ہے، اور وہ رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گذارنا ہے، اور ہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے سقایہ کی وجہ سے مکہ میں مقیم رہنے کی اجازت لی تھی تو حضور ﷺ نے ان کو اجازت دیدی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ منیٰ میں رات گذارنا واجب نہیں (مبسوط ۴/ ۶۷-۶۸)۔

۳- چرواہوں کے علاوہ عذر والوں جیسے بیمار اور جس کو اپنے مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو اور ان جیسے دوسروں پر تنبیہ کرنے کے لیے حضرت نبی اکرم ﷺ نے رخصت دی ہے، یا ہم کہیں گے کہ ایسے معنی کی وجہ سے ان پر نص فرمائی ہے جو دوسروں میں بھی پائے جارہے ہیں تو اس حکم کو ان کے ساتھ ملانا واجب ہے (اوجز المسالک ۳/ ۶۶۴)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے لکھا ہے:

"قد عرفت فيما سبق أن المبيت بمنىٰ سنة عندنا ولوبات أكثر ليلها في غير منىٰ كره تنزيهاً فضلاً للعذر"۔

(منیٰ میں رات گذارنا ہمارے نزدیک سنت ہے، اگر اکثر راتیں منیٰ کے علاوہ دوسری جگہ گذاریں تو مکروہ تنزیہی ہے، چہ جائیکہ عذر کی وجہ سے ہو یعنی عذر کی وجہ سے کراہت بھی نہیں ہوگی) (اوجز المسالک ۳؍ ۲۶۴)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا نعیم اختر قاسمی ☆

رمی جمار کے اوقات کے سلسلہ میں فقہاء اور ائمہ مجتہدین کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۰/ ذی الحجہ: طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب کے بعد پوری رات تک۔

اس پورے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱-مسنون و مستحب طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک۔

۲-مباح زوال آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک۔

۳-مکروہ (الف) طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک۔

(ب) غروب آفتاب سے طلوع فجر تک پوری رات۔

"ووقته من الفجر إلى الفجر وليس من طلوع ذكاء لزوالها ويباح لغروبها ويكره للفجر، أي من الغروب إلى الفجر وكذا يكره قبل طلوع الشمس" (درمختار مع رد المحتار ۲/ ۱۹۶)۔

(رمی کا وقت ۱۰/ ذی الحجہ کی فجر سے اگلی فجر تک ہے۔ البتہ طلوع آفتاب سے زوال تک مسنون، غروب تک مباح، اور فجر تک مکروہ ہے۔ نیز طلوع آفتاب سے قبل بھی مکروہ ہے)۔

۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک مسنون، اور غروب سے پوری رات تک مکروہ ہے۔

☆ مدرسہ عربیہ امداد العلوم کوپا گنج، مئو۔

''والوقت المسنون فيهما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (درمختار مع ردالمحتار ۲/۲۰۱)۔

(ان دونوں دنوں میں وقت مسنون زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے اور غروب آفتاب سے طلوع فجر تک مکروہ وقت ہے)۔

کسی عذر کی بناپر مکروہ اوقات کی کراہت بھی ختم ہوجاتی ہے۔

''ولولم يرم يوم النحر أو الثاني أو الثالث رماه في الليلة المقبلة أي الآتية لكل يوم من الأيام الماضية ولا شئ عليه سوى الإساء ة مالم يكن بعذر'' (حوالہ سابق)۔

(اگر کسی روز دن کے وقت میں رمی نہ کرسکے تو آنے والی رات میں رمی کرلے، مگر بلاعذر ایسا کرنا بُرا ہے)۔

امام ابوحنیفہؒ کی ایک غیر مشہور روایت کے مطابق زوال سے پہلے بھی رمی کی جاسکتی ہے۔

''وفي رواية غير مشهورة عن أبي حنيفةؒ قال: أحب إلي أن لا يرمى في اليوم الثاني والثالث حتى تزول الشمس فإن رمى قبل ذلك أجزأه'' (مرقاۃ المفاتیح ۵/۵۱۳)۔

(ایک غیر مشہور روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ گیارہ اور بارہ کی رمی زوال کے بعد ہی کی جائے لیکن اگر اس سے پہلے کرلیا تو بھی کافی ہے)۔

شافعیہ:

۱۰/ذی الحجہ کو رمی کا (الف) وقت مسنون طلوع شمس سے زوال تک ہے۔

(ب) وقت جواز نصف لیل سے پورے دن اور پھر پوری رات تک ہے۔

''قال الشافعي أحب أن لا يرمى أحد حتى تطلع الشمس ولا بأس عليه أن يرمى قبل طلوع الشمس وقبل الفجر إذا رمى بعد نصف الليل'' (کتاب الام ۲/۱۸۰)۔

(امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بہتر تو یہی ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے کوئی رمی نہ کرے لیکن اگر آفتاب طلوع ہونے سے پہلے بلکہ طلوع فجر سے پہلے بھی رمی کرلی تو حرج نہیں بشرطیکہ نصف لیل گزرچکی ہو)۔

۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو رمی کا (الف) وقت مسنون زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے۔

(ب) وقت جواز پوری رات تک ہے۔

''ولایرمی الجمار في شيئ من أیام منیٰ غیر یوم النحر إلا بعد الزوال ومن رماها قبل الزوال أعاد'' (حوالہ سابق)۔

(۱۰/ ذی الحجہ کو چھوڑ کر بقیہ دنوں میں رمی زوال کے بعد ہی کرے گا۔ زوال سے پہلے کسی نے رمی کی تو اس کا اعادہ کرے گا)۔

''واختلفوا فیمن لم یرمها حتی غابت الشمس فرماها من اللیل أو من الغد .... قال أبویوسف ومحمد والشافعي لاشيئ علیه إن أخرها إلی اللیل أو إلی الغد'' (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۶۵)۔

(آفتاب غروب ہونے کے بعد رات میں یا دوسرے دن کسی نے رمی کی تو اس میں اختلاف ہے...... امام ابو یوسف، محمد اور شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے)۔

حنابلہ:

ان کا مسلک بھی مثل شوافع کے ہے۔ علامہ جزیریؒ نے ان کا مسلک بیان کیا ہے:

''ووقته من نصف لیلة النحر لمن وقف قبله بعرفة ولا یصح الرمي في أیام التشریق إلا بعد الزوال'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/ ۶۶۷)۔

(رمی کا وقت دسویں کی نصف شب کے بعد سے شروع ہوجاتا ہے اس کے لیے جس

نے وقوف عرفہ کرلیا ہو۔ بقیہ دنوں کی رمی زوال کے بعد ہی جائز ہے)۔

۱۰/ذی الحجہ کو نصف لیل سے رمی کا وقت شروع ہو جانے سے متعلق بعض احادیث بھی ملتی ہیں، ابوداؤد میں ہے:

"عن عائشة قالت: أرسل رسول الله ﷺ لأم سلمة يوم النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ومضت فأفاضت" (ابوداؤد ۱/۱۶۸)۔

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ام سلمہ کو دس ذی الحجہ کے دن بھیجا تو انہوں نے فجر سے پہلے رمی کی پھر طواف زیارت کیا)۔

حضرت اسماءؓ سے متعلق حدیث میں ہے:

"أنها رمت الجمرة بليل وقالت: إنا كنا نصنعه على عهد رسول الله ﷺ" (حوالہ سابق)۔

(انہوں نے رات ہی میں رمی جمرہ کیا اور فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے)۔

مالکیہ:

۱۰/ذی الحجہ: طلوع فجر سے غروب آفتاب تک۔

۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ: زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۶۸، بدایۃ المجتہد ۱/۳۶۵)۔

اس تفصیل کی روشنی میں سوالنامہ کے جواب کی شکل یوں بنے گی۔

۱، ۵- دس ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ احناف کے نزدیک یہ وقت مکروہ اس صورت میں ہے جبکہ کوئی عذر نہ ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں ایسا زبردست ازدحام جس میں خطیر رقم پر مشتمل سارے انتظامات کے باوجود ہر سال حجاج کرام کی ایک بڑی تعداد کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، یہ خود بڑا عذر ہے لہذا کسی قسم کی کراہت نہیں ہونی چاہئے۔ البتہ

چونکہ احناف کے نزدیک صبح صادق سے پہلے رمی کا وقت شروع نہیں ہوتا اس لئے بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین وغیرہ کے لئے دسویں کی نصف شب کے بعد رمی درست نہ ہوگی، ایسے لوگوں کا انتظام دس ذی الحجہ کا دن گزار کر آنے والی رات کے کسی حصہ میں کرایا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی کراہت نہ ہوگی کیونکہ عذر موجود ہے۔

البتہ شوافع وحنابلہ کے نزدیک چونکہ یہ جائز ہے اس لئے انتظام میں سہولت کے پیش نظر مذکورہ مسالک کے حجاج کرام میں معذور وغیرہ لوگوں کے واسطہ اور بوقت ضرورت غیر معذورین حجاج کے لئے بھی اس وقت سے فائدہ اٹھانے کی پوری گنجائش موجود ہے۔

۲، ۳- گیارہ اور بارہ تاریخ کی رمی جمہور علماء کے قول کے مطابق زوال سے پہلے جائز نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ میں زوال کے بعد سے پوری رات تک اس کا وقت مباح ہوگا، رمی کسی بھی حصہ میں کی جائے کوئی کراہت نہ ہوگی۔

۴- عام حالات میں اگر کوئی شخص ۱۲/ تاریخ کو غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا رہا تو پھر ۱۳/ تاریخ کی رمی کے بغیر اس کی روانگی کراہت سے خالی نہیں (ردالمحتار ۲/ ۲۰۱)، لیکن اگر انتظامی مصلحت کے پیش نظر ایسا کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

حضور ﷺ نے حج کے موقع پر منیٰ میں قیام فرمایا تھا شاید اس وجہ سے تاکہ رمی جمار میں سہولت رہے، ہدایہ میں ہے:

"لأنه وجب (أي ثبت) ليسهل عليه الرمي في أيامه فلم يكن من أفعال الحج" (ہدایہ ۱/ ۲۵۳)۔

(منیٰ میں قیام کی وجہ یہ ہے تاکہ رمی میں سہولت رہے لہذا اس کا افعال حج سے تعلق نہیں)۔

اسی لئے حنفیہ کے نزدیک منیٰ میں قیام مسنون ہے واجب نہیں۔

"فيبيت بها للرمی هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شی" (درمختار مع الرد ۲/۲۰۰)۔

(منیٰ میں رات کو قیام کرے گا تا کہ رمی کرے، یہ سنت ہے۔ اگر کسی دوسری جگہ قیام کیا تو مکروہ ہے مگر کچھ لازم نہ ہوگا)، لہذا اگر دوسری سہولت اور انتظامی مصلحت کے پیش نظر ہو تو حدودِ حرم میں کہیں بھی قیام کی گنجائش ہونی چاہئے۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک منیٰ میں قیام واجب ہے (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۶۶۷)۔

اس لئے ان کے اہل مسلک کی بھی رعایت ہونی چاہئے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور ان سے متعلق مسائل

مفتی شاہد علی قاسمی ☆

حج کے واجبات میں سے ایک رمی جمار ہے، جس کا وقت مقرر ہے، ان اوقات میں بعض مستحب وقت ہے، بعض مباح اور بعض مکروہ۔

موجودہ حالات متقاضی ہیں کہ رمی جمار کے اوقات میں جہاں تک وسعت ہو سکے اسے اختیار کیا جائے، تاکہ بے پناہ ازدحام کی وجہ سے جو حادثات ہو رہے ہیں ان میں کمی ہو سکے اور انسانی جان کی حفاظت ہو سکے۔

۱- دس ذی الحجہ کی رمی کا مستحب وقت طلوع شمس کے بعد سے زوال شمس سے پہلے تک ہے (بدائع ۲/ ۳۲۳)۔

تاہم طلوع فجر اور طلوع شمس کے درمیان اوقات میں رمی کی گنجائش ہے کو کہ فقہاء نے اس وقت رمی کو "إساءة" سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ علامہ اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں:

"حاصله أن مابعد طلوع الفجر من يوم النحر إلى طلوع الشمس وقت الجواز مع الإساءة" (عنایہ علی ہامش الہدایہ مع الفتح ۲/ ۳۹۴)۔

بے پناہ ازدحام کی وجہ سے وقت اساءت کو اختیار کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ موجودہ ازدحام بجائے خود ایک عذر ہے، اور عذر کی حالت میں اس طرح کی گنجائش نکالنے میں حرج نہیں ہے، کیونکہ اعمال حج کی ادائیگی میں عذر کی بنیاد پر جابجا شریعت نے سہولت دی ہے،

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

لہذا پہلے دن طلوع فجر سے رمی کرنے کی اجازت ہوگی۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی جمہور فقہاء کے نزدیک زوال شمس کے بعد ہی کی جاسکتی ہے، اس سے پہلے نہیں، البتہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ زوال شمس سے پہلے رمی کرلی جائے تو درست ہوجائے گی، چنانچہ علامہ کاسانی نقل فرماتے ہیں:

''وروی عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمی قبله جاز'' (بدائع ۲/ ۳۴۴)۔

جمہور فقہاء کے قول کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں دن زوال کے بعد ہی رمی فرمائی، اور چونکہ اس طرح کے امور غیر قیاسی ہوتے ہیں، اس لیے اس سے عدول نہیں کیا جاسکتا ہے، تاہم بعض فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فعل سنت پر محمول ہے، کیونکہ رمی کے اوقات ایام النحر ہیں، جب پہلے دن رمی طلوع فجر سے کی جاسکتی ہے تو باقی ایام میں بھی طلوع فجر سے رمی کی جاسکتی ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

''وجه هذه الرواية إن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث، لأن الكل أيام النحر'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)۔

نیز بعض ایسی بھی صراحتیں ہیں کہ بعض اعذار کی بناپر رمی میں تقدیم وتاخیر کی جاسکتی ہے، چنانچہ حسن بن زیاد امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ۱۲/ تاریخ کو رمی کرکے مکہ کوچ کرجانا چاہتا ہو (جسے نفر اوّل کہتے ہیں) تو اس کے لیے زوال سے پہلے بھی رمی کرلینے کی گنجائش ہے تاکہ جلد مکہ روانہ ہوسکے اور رات ہونے سے پہلے وہاں پہنچ سکے تاکہ ٹھہرنے کی جگہ مہیا کرنے میں آسانی ہو (عنایہ علی ہامش الہدایہ ۲/ ۳۹۳)۔

غور کیا جائے کہ اس روایت میں محض اس بنیاد پر زوال سے پہلے رمی کی اجازت ہے تاکہ مکہ المکرمہ کی طرف جلد کوچ کرسکے اور وہاں رات ہونے سے پہلے پہنچ سکے اور قیام گاہ تلاش کرسکے۔موجودہ حالات میں اس سے کہیں زیادہ مجبوری ہے کہ حادثات کی کثرت کو کم سے کم

کرنے کے لیے زوال سے پہلے بھی رمی کی اجازت دے دی جائے، اس لیے راقم الحروف کی رائے ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو بھی طلوع صبح صادق سے رمی کی اجازت ہوگی، البتہ بہتر ہے کہ زوال کے بعد کیا جائے۔

۳- اصولی طور پر ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی غروب شمس کے بعد کراہت سے خالی نہیں ہے، کیونکہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ بغیر عذر کے غروب شمس کے بعد رمی کرنا ''إساءة'' سے خالی نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''والیلل وقت الجواز مع الإساءة'' (فتح القدیر ۲/ ۳۹۴)۔

لیکن موجودہ حالات میں جب کہ بے پناہ ازدحام کی وجہ سے رمی جمار کرتے ہوئے زیادہ حادثات پیش آتے ہیں، اس لیے یہ بجائے خود عذر ہے، ان حالات میں راقم الحروف کی ناقص رائے ہے کہ اب غروب شمس کے بعد رمی کرنے میں کراہت نہیں ہوگی، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

''أنه لا شيء فيه سوى ثبوت الاساءة إن لم يكن بعذر'' (فتح القدیر ۲/ ۳۹۵)۔

۴- فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ۱۲/ ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد ٹھہرنے سے ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوتی ہے جب تک کہ ۱۳/ ذی الحجہ کی فجر طلوع نہ ہوجائے، اس لیے ۱۲/ ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد ٹھہرنے سے ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

'' إنما يجوز له النفر في اليوم الثاني والثالث مالم يطلع الفجر من اليوم الثاني فإذا طلع الفجر لم يجز له النفر'' (بدائع ۲/ ۳۲۵)۔

۵- عام طور سے فقہاء احناف نے طلوع فجر سے پہلے دس ذی الحجہ کی رمی کو جائز قرار نہیں دیا ہے اور کہا ہے کہ رمی کا وقت طلوع فجر کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''فأما يوم النحر فأول وقت الرمي فيه من وقت طلوع الفجر'' (ہدایہ مع الفتح ۲/ ۳۹۴)۔

اس سلسلہ میں شافعیہ اور حنابلہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جو بھی وقوف عرفہ نصف رات سے پہلے کرکے فارغ ہو چکا ہے وہ یوم النحر کی نصف شب سے رمی کرسکتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/ ۱۵۶)۔

اس سلسلہ میں ابوداؤد کی ایک حدیث ہے:

''أن النبي ﷺ أرسل بأم سلمة ليلة النحر فرمت قبل الفجر ثم مضت فأفاضت'' (ابوداود کتاب المناسک، باب التعجیل من جمع: ۲۶۸)۔

نیز ابن ہمامؒ نے مصنف ابن ابی شیبہ سے ایک اور حدیث نقل کی ہے:

''أن النبي ﷺ رخص للرعاء أن يرموا ليلاً'' (مصنف ابن ابی شیبہ، باب (۲۱۷) ۳/ ۲۶۰، رقم الحدیث: ۱۴۱۰۹، فتح القدیر ۳/ ۳۶۴)۔

حنفیہ نے اس طرح کی احادیث میں تاویل کی ہے، اور کہا ہے کہ اس میں لیلۃ النحر سے مراد ۱۰/ تاریخ گذر کر آنے والی رات ہے کیونکہ ان ایام میں تمام راتیں گذرے ہوئے دنوں کی تابع ہیں (دیکھئے: حوالہ سابق)۔

لیکن شافعیہ وحنابلہ نے لیلۃ النحر سے ۹/ تاریخ کے بعد آنے والی رات مراد لیا ہے، اس لیے راقم الحروف کی رائے ہے کہ عام لوگوں کو تو اس وقت رمی کی کھلی اجازت نہ دی جائے، لیکن جو لوگ معذور ہیں، بوڑھے ہیں، مریض ہیں، یا خواتین ہیں، انہیں دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنے کی اجازت دی جائے، کیونکہ لیلۃ النحر سے اسی شب کو مراد لینا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- ۹/ ذی الحجہ اور ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا عام حالات میں مسنون ہے (فتاوی قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ۱/ ۲۹۷)۔

۲- اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو بلا عذر ایسا کرنا ''اساءۃ'' سے خالی نہیں ہے یعنی اس میں کچھ کراہت ضرور ہے، کیونکہ یہ سنت نبوی کے خلاف ہوگا، تاہم حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ جیسا کہ قاضی خاں نے تحریر کیا کہ ان راتوں میں قیام میدان منیٰ میں کیا جائے، نہ کہ مکہ مکرمہ میں، تاکہ حضور ﷺ کی اتباع وپیروی ہو (فتاویٰ قاضی خاں ۱/۲۹۷)، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر کوئی منیٰ میں قیام نہ کرے تو کچھ واجب نہ ہوگا۔

اس وقت بے پناہ ازدحام کی وجہ سے حجاج کو جو مشکلات پیش آرہی ہیں، ان حالات میں منیٰ کے علاوہ دوسرے حدود مکہ میں قیام ''اساءت'' کا بھی باعث نہیں ہوگا کیونکہ عذر کی وجہ سے بعض واجب کا ترک بھی موجب دم نہیں ہوتا ہے۔ جیسے عذر کی وجہ سے طواف وداع کا چھوٹنا یا مزدلفہ میں وقوف نہ کرپانا وغیرہ۔

۳- عام حالات میں منیٰ میں قیام مسنون ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

''أی لیالي أیام الرمی وهو السنة فلو بات بغیرها کره ولا یلزمه شئ''

(ردالمحتار ۲/۵۴۰)۔

لیکن اگر کسی وجہ سے منیٰ میں قیام نہیں کرپایا تو جو حکم مکہ میں قیام کا ہے وہی حکم مکہ کے علاوہ حدود حرم کی دوسری جگہوں کا ہوگا، خواہ وہ مضافات مکہ ہو یا مزدلفہ، یعنی عذر کی بنیاد پر حدود حرم میں کسی جگہ قیام موجب گناہ، یا موجب دم یا موجب ''اساءت'' نہیں ہوگا، اور بلاوجہ منیٰ میں قیام نہ کرنا موجب ''اساءت'' ہوگا، یعنی خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ کراہت کا باعث ہوگا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا محمد اعظمی

۵،۱- دسویں ذی الحجہ کی رمی عورتوں، بچوں، بوڑھوں، چرواہوں، معذوروں اور اہل حاجات کے لیے نصف شب کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے کرنا جائز ہے، اس کے جواز پر متعدد نصوص شرعیہ شاہد ہیں:

۱- "عن عائشه قالت نزلنا بالمزدلفة فأستأذنت النبيﷺ سودة أن تدفع قبل حطمة الناس، وكانت امرأة بطيئة فأذن لها فدفعت قبل حطمة الناس" (بخاری، الحج:۱۶۸۱، مسلم، الحج ۱۲۹۰)۔

(حضرت عائشہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ مزدلفہ میں اترے، حضرت سودہ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے منیٰ روانہ ہوجائیں، وہ سست رفتار عورت تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی، وہ لوگوں کی بھیڑ سے پہلے منیٰ چلی گئیں)۔

۲- "عن ابن جريج أن ابن شوال أخبره أنه دخل على أم حبيبة فأخبرته أن النبي ﷺ بعث بها من جمع بليل" (مسلم، الحج ۱۲۹۲)۔

(ابن جریج سے روایت ہے کہ ابن شوال نے ان سے بیان کیا کہ وہ حضرت ام حبیبہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو بتایا کہ نبی ﷺ نے ان کو رات میں مزدلفہ سے منیٰ بھیجا)۔

۳- "قال سالم وكان عبدالله بن عمر يقدم ضعفة أهله ...... فمنهم

من يقدم منىٰ لصلاة الفجر، ومنهم من يقدم بعد ذلک، فإذا قدموا رموا الجمرة، وكان ابن عمر يقول أرخص في أولئک رسول الله ﷺ (بخاری: الحج ۱۶۷۶، مسلم: الحج ۱۲۹۵)۔

(عبداللہ بن عمر اپنے اہل خانہ کے ضعیفوں کو منیٰ پہلے بھیج دیا کرتے تھے۔۔۔ان میں بعض لوگ نماز فجر کے وقت منیٰ میں پہنچ جاتے، اور بعض اس کے بعد پہنچتے، یہ سب لوگ جب منیٰ پہنچ جاتے تو جمرہ کو کنکریاں مارتے، اور حضرت ابن عمر فرماتے: رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں اجازت دی ہے)۔

۴- حضرت اسماء بنت ابی بکر کے بارے میں روایت ہے کہ وہ دسویں ذی الحجہ کی نصف شب کے بعد مزدلفہ سے منیٰ میں پہنچیں "حتى رمت الجمرة ثم رجعت فصلت الصبح في منزلها.... قالت: يا بني إن رسول الله ﷺ أذن للظعن" (بخاری، الحج ۱۶۷۹، مسلم، الحج ۱۲۹۱)، یعنی منیٰ میں پہنچ کر جمرہ عقبہ کو کنکری ماری، پھر واپس ہوکر اپنی قیام گاہ میں نماز فجر پڑھی......اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو اس کی اجازت دی ہے۔

۵- "عن عائشه قالت وددت أني استأذنت رسول الله ﷺ كما استأذنت سودة، فأصلي الصبح بمنىٰ فأرمي الجمرة قبل أن يأتي الناس" (مسلم: الحج ۱۲۹۰)۔

(حضرت عائشہ کہتی ہیں کاش سودہ کی طرح میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت لئے ہوتی تو میں منیٰ میں فجر کی نماز ادا کرتی اور لوگوں کے آنے سے پہلے جمرہ کی رمی کرتی)۔

اس معنی کی اور بھی احادیث ہیں جو اصحاب اعذار وحاجات کے لیے نصف شب کے بعد قبل طلوع شمس جمرہ کی رمی کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، اس میں صبح صادق کی رمی بھی شامل ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر کی روایتوں میں اس کی صراحت ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ صبح صادق میں پہلے نماز پڑھی جائے اس کے بعد رمی کی جائے، احادیث وآثار کے علاوہ ائمہ

مجتہدین کے اقوال سے بھی مذکورہ رخصت کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ معذوروں اور مجبوروں میں وہ لوگ بھی شامل کئے جا سکتے ہیں جو لوگوں کے شدید ازدحام اور بے پناہ ہجوم میں رمی کے دوران اپنے کو سنبھال نہ سکیں، اور جانی نقصان سے دوچار ہونے کا خطرہ غالب ہو، جیسا کہ موجودہ دور میں ہر سال اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، تو ایسی صورت حال میں رمی جمرہ یا جمار کی تقدیم یا تاخیر جائز ہوگی، حضرت عائشہ کی مذکورہ بالا روایت میں "قبل حطمة الناس" کا لفظ اس کے جواز پر اشارۃً دلالت کرتا ہے، علاوہ ازیں مذکورہ رخصت واجازت کا اثبات قاعدہ فقہیہ "الضرورات تبیح المحذورات" یا "عمل بأهون البليتين" سے بھی ہوتا ہے۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کے بارے میں اتنی گنجائش ہے کہ صرف دوسرے دن کی صبح طلوع آفتاب تک رمی کی جا سکتی ہے، کیونکہ ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال آفتاب سے دوسرے دن کی صبح طلوع آفتاب تک ممتد ہوتا ہے، میرے نزدیک یوم النحر کی رمی جمرہ میں معذورین کی رخصت کے حوالے سے ان دونوں دنوں میں بھی معذورین کے لئے زوال سے پہلے رمی جمار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

لیکن غیر معذوروں کے حق میں یہ رخصت محتاج دلیل ہے، میرے علم میں کوئی اس کا قائل نہیں ہے، سوائے زمانہ حال کے ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان قاہرہ کے، ان کے نزدیک تمام اوقات برابر ہیں یعنی موجودہ زمانہ میں۔

۳- ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی جمار کا مشروع وقت زوال آفتاب سے غروب تک ہے، ان دونوں دنوں میں بلا عذر رات تک رمی کو مؤخر کرنا مکروہ ہے بصورت تاخیر رات میں صبح طلوع تک رمی کرنی درست ہے، ائمہ مذاہب کے درمیان یہ متفق علیہ مسئلہ ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف تیسرے روز (۱۳ر ذوالحجہ کو) طلوع آفتاب کے بعد قبل زوال رمی جائز ہے، چنانچہ سید سابق لکھتے ہیں:

''فإن أخر الرمي إلى الليل كره له ذلک، ورمى في الليل إلى طلوع شمس الغد، وهذا متفق عليه بين أئمة المذاهب، سوى أبي حنيفة، فإنه أجاز الرمي في اليوم الثالث قبل الزوال'' (فقہ السنۃ ۱/۶۶۲)۔

۴- ۱۲/ذی الحجہ کو منیٰ میں مغرب بعد تک قیام کی صورت میں عام علماء وفقہاء کے نزدیک ۱۳/ذی الحجہ کی رمی لازم یا واجب ہے، اس پر عبداللہ بن عمرؓ کے حسب ذیل قول سے استدلال کیا جاتا ہے:

''لاینفرن حتی یرمی الجمار من الغد'' (موطا)۔

ہمارے نزدیک اصولی اعتبار سے اثر مذکور رمی مسؤل عنہ کے لزوم یا وجوب کے لیے ناکافی ہے، غالباً اسی لیے علماء وفقہاء کے نزدیک اس کے ترک پر نہ قضا ہے اور نہ کوئی اور شئی، جب کہ ماقبل ایام کی رمی ترک ہونے پر اکثر اہل علم وفقہ قضا کے قائل ہیں۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ یا ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کی راتیں حجاج کو منیٰ میں گذارنا واجب ہے، ائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں، احناف کے نزدیک مبیت منی سنت ہے، البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ معذوروں، ضعیفوں اور ضرورت مندوں سے اس کا وجوب یا سنیت ساقط ہے، اس سقوط اور رخصت کی بنیاد منصوص شرعیہ پر ہے، ان میں سے بعض کا ذکر رمی جمار کے اوقات کے بیان میں ہو چکا ہے۔

۲- منیٰ سے باہر حدود مکہ وغیرہ میں مقیم رہنے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جانے کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ قیام منیٰ ایک مستقل منسک حج ہے، اور رمی، قربانی اور حلق وغیرہ دوسرے جداگانہ مناسک ہیں، اگر کوئی حاجی کسی عذر کے سبب منیٰ سے باہر مقیم ہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر بلا عذر ایسا کرتا ہے تو وہ ایک

مسک (منیٰ میں قیام) کا تارک ہوگا، جو اس کے حج میں نقص کا باعث ہے۔

۳- پہلے دونوں سوالوں کے مذکورہ بالا جواب سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حاجی کو منیٰ سے باہر قیام کی شرعی اجازت اس صورت میں ہے جب کوئی عذر یا سبب پایا جائے، چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

"استأذن العباس رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منىٰ من أجل سقاية فأذن له" (بخاری، الحج ۱۶۳۴، مسلم، الحج ۱۳۱۵) (حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے ایام منیٰ کی راتیں مکہ میں گذارنے کی اجازت طلب کی، کیونکہ وہ حاجیوں کو پانی پلانے کے مہتمم تھے، پس رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی)۔

عاصم بن عدی سے روایت ہے:

"أن رسول الله ﷺ رخص للرعاء أن يتركوا المبيت بمنىٰ" (احمد ۵/ ۴۵۰، ابوداؤد ۱۹۷۵، ترمذی، الحج ۹۵۵)۔

(رسول اللہ ﷺ نے اونٹ بکریاں چرانے والوں کو منیٰ سے باہر رات گذارنے کی اجازت دی ہے)۔

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عذر اور ضرورت کے تحت منیٰ کے باہر قیام کرنا جائز ہے، پس حجاج کی کثرت کی وجہ سے اگر منیٰ میں کوشش کے باوجود قیام کی گنجائش نہ ہو تو یہ بھی منیٰ سے باہر قیام کرنے کا سبب اور ضرورت ہے، اس کی وجہ سے منیٰ کے باہر حدود حرم یا حدود مکہ میں کہیں بھی رات گذارنا جائز ہوگا، لیکن محض سہولت پسندی کی وجہ سے حدود منیٰ سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے، واللہ اعلم۔

☆☆☆

رمی جمرات کے اوقات

مفتی نعمت اللہ قاسمی ☆

جمرۂ عقبیٰ کی رمی کا وقت ادا:

اس رمی کا وقت ۱۰؍ذی الحجہ طلوع صبح صادق سے ۱۱؍ذی الحجہ طلوع صبح صادق تک ہے، لیکن وقت مسنون طلوع شمس سے زوال شمس تک ہے، جبکہ زوال شمس سے غروب شمس تک وقت مباح ہے، اور غروب شمس کے بعد اور طلوع شمس سے پہلے وقت مکروہ ہے۔

جمرۂ عقبیٰ کی رمی کا وقت قضا:

واضح رہے کہ ۱۰؍ذی الحجہ طلوع صبح صادق سے ۱۱؍ذی الحجہ طلوع صبح صادق تک رمی کا یہ وقت وقت ادا ہے، اور ۱۳؍ذی الحجہ غروب شمس تک قضا کر لینے کا وقت ہے، لیکن قضا کے ساتھ دم بھی لازم ہوگا، ۱۳؍ذی الحجہ غروب شمس کے ساتھ ہی ادا و قضا دونوں کا وقت نکل گیا، اب سوائے دم، قضا کی بھی کوئی صورت نہیں ہے (دیکھئے: درمختار ۳/۵۴۲)۔

۱۰؍ذی الحجہ کو طواف زیارت کے بعد رمی کے لیے ۱۱/ ۱۲؍کو منیٰ میں مستقل قیام مسنون ہے واجب نہیں:

۱۰؍ذی الحجہ کو طواف زیارت کے بعد مسنون تو یہی ہے کہ حجاج مکہ سے منیٰ آجائیں اور تمام جمرات کی رمی تک یہیں قیام کریں، لیکن اگر کسی حاجی نے ایسا نہیں کیا اور منیٰ میں قیام کے

☆ مہتمم دارالعلوم ملیا، ضلع کھگڑیا، بہار۔

بجائے حدود حرم میں کہیں بھی قیام کرلیا اور وقت پر آ کر تینوں جمرات کی رمی کی تو منیٰ میں ترک قیام کے سبب بھی کوئی دم لازم نہیں ہوگا (دیکھئے: الدر المختار ورد المحتار ۳/ ۵۴۰)۔

۱۰/ ۱۱/ کی رمی واجب ہے لیکن ۱۳/ کی رمی کا وجوب مشروط ہے:

۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ کی رمی تو بہر صورت واجب ہے لیکن ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی اس صورت میں واجب ہے جبکہ حاجی ۱۳/ ذی الحجہ طلوع صبح صادق تک منیٰ میں ہو، اگر طلوع صبح صادق سے پہلے کوچ کرلیا تو رمی واجب نہیں ہے، لیکن ان تینوں دنوں کی رمی کے اوقات میں تھوڑا فرق ہے۔ ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی کا وقت طلوع صبح صادق سے ۱۱/ کے طلوع صبح صادق تک ہے، جبکہ ۱۱/ کی رمی کا وقت زوال شمس سے ۱۲/ کے طلوع صبح صادق تک، اور ۱۲/ کی رمی کا وقت زوال شمس سے ۱۳/ کی صبح صادق تک ہے، اور ۱۳/ کی رمی کا وقت صبح صادق سے غروب شمس تک ہے، پھر ان میں وقت مسنون، وقت مباح اور مکروہ کی تفصیل ہے، اس طور پر کہ ۱۰/ کو طلوع شمس سے زوال شمس تک وقت مسنون ہے، اور غروب تک وقت مباح ہے، اور طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس کے بعد کا وقت وقت مکروہ ہے، جبکہ ۱۱/ ۱۲/ کو زوال سے غروب تک وقت مسنون ہے اور غروب سے صبح صادق تک مکروہ ہے، اور ۱۳/ کو زوال سے غروب تک وقت مسنون ہے، اور زوال سے پہلے وقت مکروہ ہے۔

افعال حج کے دوران حاجی حدود حرم میں کہیں بھی قیام کرسکتا ہے، خاص منیٰ یا مزدلفہ یا عرفات میں قیام فرض و واجب نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ اوقات معینہ میں ادائے فرض و واجب کرتا چلا جائے۔ اس طرح منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں قیام کئے بغیر بھی حج اپنے فرائض و واجبات کے ساتھ ادا ہو جائے گا لیکن حج کے برکات جن کے حصول میں اداء سنن کو خاصا دخل ہے، ان سے محرومی ہوگی۔

اب دوسرا مسئلہ ہے جمرۂ عقبہ کی رمی کا کہ ۱۰/ ذی الحجہ صبح صادق سے قبل نصف شب سے

ہی اس کی رمی ہوسکتی ہے یا نہیں، اور یہ کہ جمرات کی رمی کے تعلق سے اوقات مسنونہ، مکروہہ اور مباحہ کی تقسیم کا تعلق کن حالات سے ہے؟ تو اس سلسلہ میں اولاً یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جمرات کی رمی فرض نہیں واجب ہے، ثانیاً یہ کہ شریعت نے افعال حج کے علاوہ دوسرے اعمال میں بھی اوقات ادا وقضاء کی تحدید وتعیین کی ہے، اور یہ تحدید وتعیین منصوص ہے مستنبط اور قیاسی نہیں ہے۔

اوقات کی تحدید وتعیین کی شرعی حیثیت اور اعمال پر اس کے اثرات:

یہ تحدید وتعیین ایسی ہے کہ اس سے پیشتر ان اعمال کی ادائیگی معتبر نہیں، اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ وقت سے پہلے نماز کی ادائیگی معتبر نہیں، خود اسی مسئلہ حج میں آپ ﷺ نے اپنے ان افراد خاندان کو جو بھیڑ بھاڑ کی مشقت برداشت نہیں کرسکتے تھے رات ہی میں مزدلفہ سے منیٰ روانہ فرمادیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ رمی صبح ہونے کے بعد ہی کیجئے گا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے اعمال کی ادائیگی معتبر نہیں، اور اگر وقت گذر جائے تو قضا بھی اوقات معینہ کے اندر ہی معتبر ہے اس کے بعد نہیں، اس کے بعد حسب مراتب مال سے تلافی کا حکم ہے۔

مسئلۂ رمی جمار پر غور:

مسئلہ رمی جمار میں ظاہر ہے کہ بھیڑ بھاڑ کے سبب خطرات کی صورت پیدا ہوتی ہے وہ کسی انسانی تخویف وتہدید کے نتیجہ میں نہیں پیدا ہوتی ہے، اس لیے اس بھیڑ بھاڑ کے سبب پیدا شدہ خطرات کو بھی عذر سماوی اور عذر من جانب الخالق ہی کہا جائے گا اور ترک رمی جمار کے جواز کی صورت پیدا ہوجائے گی، اور ترک رمی جمار سے کوئی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

اور علی سبیل التنزل بھیڑ بھاڑ کے اس عذر شرعی کے باوجود ترک رمی جمار کا جواز ثابت نہ ہو تو کم ازکم ۱۳ر ذی الحجہ تک یا خطرات کم ہوجانے تک تاخیر کا جواز تو ثابت ہو ہی جائے گا، اس طرح ۱۰ر کی رمی ۱۱ر تک اور ۱۱ر کی رمی ۱۲ر تک اور ۱۲ر کی رمی ۱۳ر تک یا تمام رمی کو ۱۳ر تک

مؤخر کرنے سے کوئی دم لازم نہیں ہوگا۔

اور اگر اس جواز تاخیر سے بھی قلب مطمئن نہ ہو اور دم دینے کو جی چاہتا ہو تو عذر کے بغیر بھی اگر تمام جمرات کی رمی ۱۳ تک مؤخر ہو جائے تو ایک ہی دم لازم ہوگا، شریعت کی طرف سے ان سہولتوں کے باوجود بھیڑ بھاڑ کے خطرات سے بچنے کا علاج، رمی جمار کے وقت کو مقدم کرنے میں تلاش کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

پھر یہ کہ اگر حجاج کو یہ بتایا جائے کہ رمی کا وقت نصف شب سے ہی شروع ہو جاتا ہے تو کیا اس وقت بھیڑ کی صورت پیدا نہیں ہوگی؟ انسان اپنی فطرت سے عجلت پسند واقع ہوا ہے، اگر انہیں معلوم ہو کہ نصف شب سے رمی کا وقت شروع ہو چکا ہے تو جو بھیڑ کی صورت صبح کے وقت پیدا ہوتی ہے نصف شب کے وقت بھی پیدا ہو جائے گی، اس لئے احقر کی ناقص رائے میں بھیڑ بھاڑ کے خطرات سے بچنے کا علاج، رمی کی تاخیر یا ترک کی صورت میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ رمی کو وقت سے مقدم کرنے کی صورت میں۔

اگر حجاج کو ذہن نشیں کر دیا جائے کہ خطرات سے بچنے کے لیے ۱۳ تک یا سہولت کے وقت تک رمی کی گنجائش ہے کوئی دم لازم نہیں ہوگا، اور اگر دم دینا ہی چاہیں تو دم دینے میں مسئلہ کے اعتبار سے مذکورہ بالا سہولتیں حاصل ہیں، تو پھر حجاج بھیڑ کی صورت اختیار نہیں کریں گے۔

اور اگر ان سب کے باوجود حجاج عجلت پسندی سے کام لیں اور بھیڑ بھاڑ کی صورت اختیار کریں تو یہ امر محمود نہیں امر مذموم ہے، اور امر مذموم کو عذر قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی اس کی وجہ سے رمی کے مقدم کرنے کا جواز ثابت ہو سکے گا اور نہ ہی یہ مقدم کرنا مسئلہ کا حل ہے۔

رہی یہ بات کہ فقہ شافعی کے مطابق رمی کا وقت نصف شب سے شروع ہو جاتا ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حضرات شوافع کو اس فقہ کے مطابق عمل کا موقعہ فراہم کیا جائے تاکہ احناف کے لیے بھیڑ میں کمی کی صورت پیدا ہو جائے، اس طرح اگر فقہ شافعی صرف حضرات شوافع کے لیے رہے تو یہ فقہ مسئلہ کے حل میں اور بھیڑ بھاڑ کے خطرات کو کم کرنے میں معاون ثابت ہوگی،

اور اگر یہ فقہ سب کے لیے مسلک قرار پا جائے تو پھر تو مسائل اور خطرات اپنی جگہ برقرار رہیں گے اور امت اپنے ائمہ کے اختلاف کی رحمت سے محروم ہو جائے گی۔

رمی جمار کی مسئلہ پر اس طرح بھی غور فرمایا جائے کہ وقت سے پہلے عبادات کی ادائیگی ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے نزدیک معتبر نہیں ہے، اور تاخیر میں بہت کچھ گنجائش ہے، قضا کی گنجائش ہے، اور مال سے تلافی کی گنجائش ہے، پس جس امر کو یعنی رمی کی تقدیم کو ہم نے بھیڑ بھاڑ کے خطرات سے بچنے کا علاج سمجھا، اگر ہم اس میں مصیب نہیں ہوئے تو رمی کا ترک اس حال میں لازم آئے گا کہ اس کا کوئی بدل تجویز نہیں ہے، اور اگر بدل بھی تجویز کر دیا جائے تو ادا، اداء ناقص ہوگی، اور اگر ہم نے بھیڑ بھاڑ کے خطرات سے بچنے کا علاج، رمی کی تاخیر میں تلاش کیا اور ہم مصیب نہیں ہوئے تو ۱۳ تک اداء ناقص ہوگی، اور اگر دم کا لزوم بھی تجویز کر دیا جائے تو نقص کی تلافی ہو کر اداء، ادائے کامل ہو جائے گی، البتہ ترک کی صورت میں دم کا لزوم تجویز کرنے سے بھی اداء ادائے ناقص رہ جائے گی، پس اس جہت سے غور کرنے میں بہتر صورت یہ ملتی ہے کہ خطرات سے بچنے کا علاج تاخیر کی شکل میں تجویز کیا جائے اور احتیاطاً دم بھی لازم قرار دیا جائے تاکہ ادائے کامل بے خوف و خطر ہو جائے۔

رہ گیا مسئلہ اوقات مسنونہ، مکروہہ اور مباحہ کی تقسیم کا کہ اس تقسیم کا تعلق کن حالات سے ہے اور یہ کہ اوقات معینہ کی رعایت کئے بغیر رمی کرنے سے خلاف سنت اور مکروہ تو نہیں ہوگا، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ عذر کی بنا پر جب ترک واجبات کی گنجائش ہے تو ترک سنن کی گنجائش بدرجہ اولی ہوگی، اور ترک درحقیقت ترک نہیں بلکہ اسقاط ہے کہ شریعت نے ایسے حالات میں اس کی سنیت کو ساقط کر دیا، پس اوقات کی اس تقسیم کا تعلق درحقیقت حالت اعتدال سے ہے کہ اگر حالات معتدل ہوں تو ایسی صورت میں مسنون یہ ہے کہ فلاں معین وقت میں رمی کی جائے ورنہ رمی کراہت کے ساتھ ادا ہوگی یا کم از کم سنیت سے خالی مباح ہوگی۔

☆☆☆

مختصر تحریریں:

رمی جمار اور منیٰ کا قیام

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

۱- رسول اللہ ﷺ نے بھیڑ سے بچنے کے لئے عورتوں اور بچوں کو مزدلفہ سے آخری رات میں روانہ فرمادیا تھا، مگر یہ تاکید فرمادی تھی کہ صبح صادق کے بعد تم لوگ رمی کرنا، اس حدیث سے صبح صادق کے بعد رمی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "الدین یسر" اور قرآن کریم میں ہے: "لیس علیکم في الدین من حرج" (الاشباہ والنظائر)۔

دیگر کتاب میں ہے: "المشقة تجلب التیسیر"۔

۲- مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ۱۱-۱۲ ر ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کی جاسکتی ہے، زوال کے بعد سے کرنا ضروری نہیں ہے۔

۳- ۱۱-۱۲ ر ذی الحجہ کی رمی اگر بھیڑ کی وجہ سے نہ کرسکے تو غروب آفتاب کے بعد بھی کرسکتا ہے۔

۴- اگر ۱۲ ر تاریخ کی رمی بھیڑ اور ازدحام کی وجہ سے نہیں کرسکتا تو غروب آفتاب کے بعد رمی کرکے مکہ مکرمہ جاسکتا ہے، ۱۳ ر ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین وغیرہ اگر صبح صادق کے بعد رمی کرنے سے بوجہ بھیڑ معذور رہوں تو نصف شب کے بعد بھی وہ رمی کرسکتے ہیں، کما قال بعض الائمۃ۔

☆ نز دذوالفقار اسکول، انگوری باغ، رامپور۔

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

رمی جمار کے موقع پر جو حادثات پیش آتے ہیں، ان کا سبب صرف رمی کے اوقات میں تنگی ہے، بلکہ سب سے اہم سبب جہالت وناواقفیت ہے۔ایسی بات بھی نہیں ہے کہ وہ صرف مستحب وقت میں رمی کے لئے جاتے ہوں بلکہ جہالت کا حال یہ ہے کہ ان کو معلوم ہے کہ رمی کرنا ہے بس وہ نکل جاتے ہیں، بلکہ بعض لوگوں کو جب منع کیا جاتا ہے کہ ابھی بھیڑ ہوگی نہ جائیں پھر بھی چلے جاتے ہیں۔اس لئے جہاں یہ واقعہ ہے کہ رمی کے اول وقت میں بھیڑ اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ جاں بحق ہوجاتے ہیں وہیں یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مغرب کے وقت اتنے کم لوگ ہوتے ہیں کہ عورتیں بھی نہایت آسانی کے ساتھ بغیر زحمت کے رمی کرلیتی ہیں۔اس لیے رمی کے اوقات میں وسعت کے بجائے لوگوں کو سمجھانے کا انتظام کرنا زیادہ ضروری ہے۔

دس ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے۔پورا دن پوری رات تک رہتا ہے، رات ختم ہونے سے قبل قبل تک رمی کی جاسکتی ہے۔رات میں رمی کی وجہ سے اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔البتہ بعض فقہاء نے رات میں رمی کو مکروہ کہا ہے۔لیکن آج کل بھیڑ کی وجہ سے اگر کوئی شخص دن میں رمی نہ کرکے رات میں کرے تو کراہت نہ ہوگی (دیکھئے: ۳ر۱۱۲۱)۔

صاحب فتح القدیر نے شیخ الاسلام کی مبسوط سے ان کی عبارت نقل کی ہے۔جس کا

☆ قاضی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ دس ذی الحجہ کو طلوع فجر کے بعد رمی کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔طلوع آفتاب سے زوال تک مسنون وقت ہے، زوال کے بعد غروب تک بلا کراہت جائز ہے اور رات میں کراہت کے ساتھ جائز ہے۔پھر انہوں نے لکھا ہے کہ یہ کراہت اس وقت ہوگی جب کہ کوئی عذر نہ ہو، اس لئے اگر کمزور لوگ طلوع آفتاب سے قبل رمی کرلیں یا چرواہے رات میں رمی کرلیں تو کراہت نہ ہوگی، اور جب اس کی رخصت دی گئی ہے تو کراہت ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رات کی رمی کو قضا تو کہہ سکتے ہیں مگر اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔البتہ اگر عذر نہ ہو تو مکروہ کہہ سکتے ہیں (دیکھئے: فتح القدیر ۲/ ۵۰۰-۵۰۱)۔

علامہ شامی نے بھی نقل کیا ہے کہ غروب آفتاب سے فجر تک اسی طرح طلوع آفتاب سے قبل رمی کرنا مکروہ ہے۔پھر فتح القدیر کی عبارت نقل کی ہے کہ کراہت اس وقت ہوگی جب کہ کوئی عذر نہ ہو۔ورنہ کراہت نہ ہوگی، "**هذا عند عدم العذر فلا إساء ة برمي الضعفة قبل الشمس ولا يرمي الرعاة ليلا كما في الفتح**" (ردالمحتار ۲/ ۱۵۱)۔

گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور پوری رات رہتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ زوال سے قبل رمی کرنا جائز نہیں ہے۔صرف امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو بھی زوال سے قبل رمی کرلینا جائز ہے۔ ان کی طرف سے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ یوم نحر میں زوال سے قبل رمی کا وقت ہے۔لہٰذا اسی طرح گیارہ اور بارہ کو بھی ہوگا، اس لیے کہ یہ سب ایام نحر ہیں۔

لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے مسئلہ وقت کی تنگی کا نہیں ہے۔ اس لیے کہ مشاہدہ ہے کہ مغرب کے وقت بھیڑ اتنی کم ہوجاتی ہے کہ عورتوں کے لئے بھی اس وقت رمی کرنا نہایت آسان ہوجاتا ہے۔

عام حالات میں فقہاء نے رات میں رمی کرنے کو مکروہ کہا ہے۔لیکن بہت زیادہ بھیڑ کی وجہ سے اگر رات میں رمی کی جائے تو کراہت نہ ہوگی جیسا کہ اوپر واضح ہوگیا۔

البتہ عورتوں، کمزوروں، بیماروں اور بوڑھوں کے لیے امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق گنجائش ہوسکتی ہے، جن لوگوں کو اس طرح کا عذر نہ ہو ان کو بہر حال زوال سے قبل رمی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ ان کو زوال کے بعد بھیڑ کے ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہئے۔ اگر اس انتظار میں رات ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ان کو رات میں رمی کر لینی چاہئے (دیکھئے: ہدایہ ۱/۱۵۲، ردالمحتار ۱/۱۸۵، بدائع الصنائع ۳/۱۱۲۲)۔

۱۰/ ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر قبل تک مزدلفہ میں وقوف کرنا واجب ہے۔ اگر کوئی شخص بلاعذر وقوف مزدلفہ کو ترک کردے گا تو دم (قربانی) دینا واجب ہوگا۔ البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً بیمار، کمزور یا عورت ہو اور بھیڑ کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے جائز ہوگا کہ صبح صادق سے قبل ہی مزدلفہ سے روانہ ہوجائے اور آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پہلے رمی کرلے (فتاوی ہندیہ ۱/۲۳۱)۔

رمی کے ایام میں منیٰ میں رات کو رہنا سنت ہے، اگر بلاعذر منیٰ میں رات نہ گذارے تو مکروہ ہوگا۔ لیکن اس کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ منیٰ کے باہر کہیں بھی رات گذارے یکساں حکم ہوگا۔ یعنی بلاعذر ہو تو مکروہ ہوگا۔

"ثم يعود إلى منى فيقيم لأن النبي ﷺ رجع إليها....... ولأنه بقي عليه الرمي وموضعه بمنى" (ہدایہ ۱/۲۵۱)۔

"ويكره أن لايبيت بمنىٰ ليالي الرمي لأن النبي ﷺ بات بها وعمرؓ كان يؤدب على ترك المقام بها ولوبات في غيرها متعمدا لايلزمه شئ عندنا" (ہدایہ ۱/۲۵۳)۔

"فيبيت بها للرمي اي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغير ها كره ولايلزمه شئ" (ردالمحتار ۱/۱۸۴)۔

اگر وہ ۱۲/ ذی الحجہ کو رمی کے بعد منیٰ چھوڑ کر جانا چاہے تو جاسکتا ہے، البتہ اس کو غروب

آفتاب سے قبل جانا چاہئے۔اگر بلاعذر غروب آفتاب کے بعد جائے گا تو مکروہ ہوگا۔صبح صادق سے قبل منیٰ چھوڑ دینا ہوگا۔ اگر صبح صادق سے قبل منیٰ سے نہیں نکل سکا تو اب ۱۳ر ذی الحجہ کو رمی کرنا واجب ہوجائے گا (ردالمحتار ۱/ ۱۸۵)۔

ان تفصیلات کی روشنی میں سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

الف- رمی جمار کی اوقات:

۱- معذور شخص دس ذی الحجہ کی رمی صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے قبل کرسکتا ہے۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت عام لوگوں کے لئے زوال آفتاب کے بعد ہے۔ ان ایام میں بھی اگر معذور شخص زوال سے قبل رمی کرلے تو امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق گنجائش ہوسکتی ہے۔

۳- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد اگر عذر کے بغیر ہو تو کراہت ہوگی ورنہ نہیں۔آج کل بھیڑ کی وجہ سے اگر مغرب کے بعد کی جائے تو کراہت نہ ہوگی۔

۴- ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر جائے لیکن صبح سے قبل منیٰ چھوڑ دے تو ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین کو دس ذی الحجہ کی رمی صبح صادق کے بعد کرنا چاہئے، البتہ اس کے لیے وہ وقوف مزدلفہ کو چھوڑ کر وہاں سے رات ہی میں روانہ ہوجائیں اور صبح صادق ہوتے ہی بھیڑ سے قبل رمی کرلیں۔

ب- منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- رمی کے ایام میں منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے۔

۲، ۳- اگر حاجی منیٰ سے باہر رات گذارے خواہ مکہ میں یا مزدلفہ میں یا حدود حرم میں کسی دوسری جگہ رات گذارے اور منیٰ میں آکر رمی کرے، تو اگر یہ بلاعذر ہو تو مکروہ ہوگا، ورنہ نہیں۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

۱- ۱۰/ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جا سکتی ہے کیونکہ رمی کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے، یہ اگرچہ مکروہ وقت ہے لیکن حادثات کے عذر کی وجہ سے مکروہ بھی نہ ہوگا۔

"(قوله ويكره للفجر) أي من الغروب إلى الفجر وكذا يكره قبل طلوع الشمس بحر وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل طلوع الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً كما في الفتح" (ردالمحتار ۲/۱۹۶)۔

(غروب سے طلوع صبح صادق تک رمی مکروہ ہے، ایسے ہی سورج نکلنے سے پہلے بھی رمی مکروہ ہے بحر، اور یہ عذر نہ ہونے کے وقت ہے، پس ضعفاء کے لیے سورج نکلنے سے پہلے رمی میں کوئی کراہت نہیں اور نہ چرواہوں کے لیے رات میں)۔

۲- جی ہاں! حادثات کی موجودہ سنگین صورت حال کے پیش نظر اس کی گنجائش رہے گی، اور یہ گنجائش درج ذیل عبارات فقہیہ کی روشنی میں ہوگی:

"و أما في الثاني و الثالث فمن بعد الزوال لطلوع ذكاء" (الدرالمختار ۲/۲۰۱)۔

(دوسرے اور تیسرے دن رمی کا وقت زوال سے اگلے دن کی طلوع صبح صادق تک ہے) (یہ ترجمہ شارح محشی کی تشریح کی روشنی میں کیا گیا ہے)۔

☆ مہتمم جامعہ عربیہ احیاء الاسلام نوادہ، مبارکپور۔

''قال في اللباب وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال فلا يجوز قبله في المشهور وقيل يجوز، والوقت المسنون فيهما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه الخ'' (ردالمحتار ۲/ ۲۰۱)۔

(لباب میں ہے کہ ایام نحر کی ۱۱/ ۱۲/ تاریخ کی رمی جمرات کا وقت زوال کے بعد سے ہے، لہٰذا مشہور روایت کے مطابق اس سے پہلے جائز نہیں، اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے، اور وقت مسنون ان دونوں میں زوال سے غروب آفتاب تک ہے، اور غروب سے طلوع صبح صادق تک وقت مکروہ ہے)۔

۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی صبح صادق سے رمی کی گنجائش امام ابوحنیفہؒ کی غیر مشہور روایت کے مطابق ہے، جس کا اوپر کی عبارت میں ''قیل'' کے ذریعہ بیان ہوا۔

اس غیر مشہور روایت کی وجہ صاحب بدائع الصنائع کے الفاظ میں یہ ہے:

''إن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث لأن الكل أيام النحر'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۲)۔

(۱۰/ ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کا وقت ہے، ایسے ہی ۱۱/ ۱۲/ کو بھی ہونا چاہئے، کیونکہ یہ سارے دن ایام نحر ہیں)۔

یعنی جب ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ تینوں ایام، ایام نحر ہیں تو آغاز رمی میں فرق کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتی جبکہ آخری وقت تینوں میں دوسرے دن کی طلوع صبح صادق ہے، لہٰذا آغاز میں بھی تینوں ایک جیسے ہونے چاہئیں۔

اور اگر طلوع صبح صادق سے زوال تک رمی جائز ہوتو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو رمی کے لیے وقت جواز کوئی نہیں، صرف دو وقت ہیں، وقت مسنون اور وقت مکروہ۔

۳- فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق یہ وقت مکروہ ہے، لیکن موجودہ تناظر میں

حادثات کی سنگینی کے پیش نظر ارتفاع کراہت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

۴- اگر ۱۲/ ذی الحجہ کو رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا رہے تو ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی لازم نہ ہوگی۔

اور اگر تیرہویں کو صبح صادق کے بعد رک جائے تو زوال تک رک کر تینوں جمرات کی رمی کرنا واجب ہے، اور نہ کرنے پر دم واجب ہوگا۔

معلم الحجاج میں ہے:

اگر بارہویں تاریخ کو مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ ہو تو غروب سے پہلے منیٰ سے نکل جائے، غروب کے بعد تیرہویں کو بلا رمی کئے جانا مکروہ ہے، گو تیرہویں کی رمی واجب نہ ہوگی۔ لیکن اگر تیرہویں کی صبح صادق منیٰ میں ہوگئی تو تیرہویں کی رمی واجب ہو جائے گی، اگر بلا رمی کئے آئے گا تو دم واجب ہوگا (ص/ ۱۸۲)۔

۵- نہیں کی جاسکتی۔ جواز کی روایت ضعیف ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے: اعلاء السنن ۱۰/ ۱۴۴، مرقات المفاتیح ۳/ ۳۴۱، بذل المجہود ۳/ ۲۰۷، زاد المعاد ۱/ ۲۴۶)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- منیٰ میں رمی کے لیے رات گزارنا سنت ہے۔

''ثم أتى بمنىٰ فيبيت بها للرمي درمختار قوله فيبيت بها للرمي، وهو السنة أي ليالي أيام الرمي وهو السنة فلو بات بغير ها كره ولايلزمه شئ. لباب'' (رد المحتار ۲/ ۲۰۰)۔

(پھر منیٰ آئے، وہاں رمی کے لیے رات گزارے یہ سنت ہے، یعنی ایام رمی کی رات منیٰ میں گزارنا سنت ہے، تو اگر منیٰ کے علاوہ (کسی جگہ) رات گزارے تو مکروہ ہے لیکن اس پر کچھ لازم نہیں)۔

۲، ۳- اگر منیٰ میں قیام کی جگہ نہ ملے یا ضعف وکمزوری یا ازدحام کی وجہ سے طواف وسعی کے بعد رات تک منیٰ پہنچنے کی ہمت نہ ہوتو حدود منیٰ کے باہر مزدلفہ، عزیزیہ، یا مکہ مکرمہ میں اپنی قیام گاہ یا حرم کے آس پاس یا مکہ مکرمہ میں کسی بھی جگہ رات گزارسکتا ہے، حدود منیٰ کے متصل رات گزارنا ضروری نہیں ہے۔

عذر کی وجہ سے منیٰ میں رات گزارنے کا حکم ساقط ہوجانا حدیث سے ثابت ہے:

''**عن ابن عمر أن العباس بن عبد المطلب استأذن رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منىٰ من أجل سقايته فأذن له**'' (مسلم ۱/۴۲۳)۔

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ ایام منیٰ کی راتیں وہ مکہ مکرمہ میں گزاریں حاجیوں کو پانی پلانے کے لیے، آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی)۔

''**عن أبي البداح بن عدي عن أبيه أن النبي ﷺ رخص للرعاء في البيتوتة الخ**'' (نسائی ۴۹/۲)۔

(حضرت ابو بداح بن عدی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو اس بات کی رخصت دی کہ وہ (منیٰ میں) رات نہ گزاریں)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مفتی شیر علی گجراتی ☆

۱- دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت یوم النحر کے طلوع فجر سے گیارہ ذی الحجہ کے طلوع فجر تک ہے، دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد غیر معذورین کے لئے مکروہ تنزیہی ہے، اگر غیر معذورین نے صبح صادق کے بعد رمی کر لی تو اس سے کچھ لازم نہیں ہوگا، اس لئے کہ رمی وقت میں ہوئی، شامی میں ہے:

"وكذا يكره قبل طلوع الشمس- بحر - وهذا عند عدم العذر فلا إساءة برمي الضعفة قبل طلوع الشمس ولا برمي الرعاة ليلاً كما في الفتح" (کتاب الحج ۳/۵۳۴)۔

(اور اسی طرح طلوع شمس سے پہلے رمی مکروہ ہے (بحر) اور یہ کراہت عذر نہ ہونے کے وقت ہے، چنانچہ ضعفاء سورج نکلنے سے پہلے رمی کرلیں اور چرواہے رات میں رمی کرلیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اسی طرح فتح القدیر میں ہے)۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے لہذا وقت سے پہلے کرنا جائز نہیں، شامی میں ہے:

"قال في اللباب وقت رمي الجمار الثلاث في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر بعد الزوال، فلا يجوز قبله في المشهور" (۳/۵۴۲)۔

☆ فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت، گجرات۔

(لباب میں لکھا ہے کہ قربانی کے دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔لہٰذا مشہور قول کے مطابق زوال سے پہلے رمی جائز نہیں ہوگی)۔

۳- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد مکروہ ہے۔شامی میں ہے:

''والوقت المسنون فيما يمتد من الزوال إلى غروب الشمس، ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه'' (۵۴۲/۳)۔

(گیارہ اور بارہ کی رمی کا وقت مسنون زوال سے غروب آفتاب تک ہے، اور غروب سے طلوع تک وقت مکروہ ہے)۔

۴- اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرا جائے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، اور بغیر رمی کئے آجائے تو اس پر کچھ لازم بھی نہیں ہوگا۔شامی میں ہے:

''فإن لم ينفر حتى غربت الشمس يكره له أن ينفر حتى يرمي في الرابع ولو نفر من الليل قبل فجر الرابع لاشي عليه وقد أساء'' (۵۴۳/۳)۔

(پس اگر اس نے بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے کوچ نہیں کیا یہاں تک کہ تیرہ ذی الحجہ کا آفتاب غروب ہوگیا تو اب اس کے لئے منیٰ سے کوچ کرنا مکروہ ہے یہاں تک کہ وہ تیرہ کی رمی کرے،لیکن اگر اس نے تیرہ کی صبح صادق سے پہلے رات ہی میں کوچ کر لی تو اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا لیکن اس نے برا کیا)۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین صبح صادق کے بعد رمی کر سکتے ہیں،شامی میں ہے:

''وكذا يكره قبل طلوع الشمس بحر، وهذا عند عدم العذر، فلا اساءة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلا كما في الفتح'' (کتاب الحج ۵۴۴/۳)۔

(اور اسی طرح طلوع آفتاب سے پہلے رمی مکروہ ہے (بحر)، اور یہ کراہت عذر نہ ہونے کے وقت ہے، چنانچہ اگر ضعفاء طلوع آفتاب سے پہلے رمی کرلیں اور چرواہے رات میں رمی کرلیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اسی طرح فتح القدیر میں ہے)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- ان دنوں میں حاجی کے لیے قیام منیٰ سنت ہے۔

۲- اگر منیٰ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے حاجی نے ایسا کیا تو اس سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن بلاضرورت ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ شامی میں ہے:

"فيبيت بها للرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شيء لباب" (شامی ۲/ ۵۴۰)۔

(پس حاجی رمی کی راتوں میں منیٰ میں رات گزارے یہ سنت ہے، لیکن اگر اس نے منیٰ کے علاوہ کسی دوسری جگہ رات گزاری تو یہ مکروہ ہوگا اور اس پر کچھ لازم نہ ہوگا)۔

۳- منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کہیں بھی قیام کرسکتا ہے۔

☆☆☆

الف- رمی جمرات کے اوقات

مفتی انور علی الاعظمی ☆

۱- ۱۰/ ذی الحجہ کی رمی کا وقت مالکیہ اور حنفیہ کے یہاں طلوع شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک لیلۃ النحر کی نصف کے بعد وقت رمی تو شروع ہوجاتا ہے لیکن ان کے نزدیک بھی افضل وقت طلوع شمس کے بعد ہی ہے۔

یہ حضرات ام سلمہؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو سنن ابی داؤد میں موجود ہے: **عن عائشه أنها قالت: أرسل النبي ﷺ أم سلمة ليلة النحر فرمت الجمرة قبل الفجر ثم مضت فأفاضت** (أبوداؤد ۲/۲۶۸)، لیکن اس روایت کو ابن قیم نے مضطرب کہا ہے، احناف اور مالکیہ کا استدلال حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے ہے جو سنن اربعہ میں موجود ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اہل میں سے کمزور لوگوں کو رات ہی میں منیٰ روانہ کردیا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت کی: ل"**لا ترموا حتی تطلع الشمس**" (حوالہ بالا)۔

خود اللہ کے رسول ﷺ نے ۱۰/ ذی الحجہ کو چاشت کے وقت رمی کی جیسا کہ ترمذی شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے:

"**عن جابر قال: کان النبي ﷺ یرمي یوم النحر ضحیً**" (۱/۱۰۹)۔

اللہ کے رسول ﷺ کا عمل اور آپ کی واضح ہدایت کی روشنی میں یہی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کہ یوم النحر کی رمی طلوع آفتاب کے بعد کی جائے۔

☆ مفتی دار العلوم مئو۔

۲- ۱۱ ؍اور ۱۲ ؍ذی الحجہ کی رمی کے اول وقت میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے یعنی ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، دلیل ابن عباس کی روایت ہے:

رمیٰ رسول اللّٰہ ﷺ الجمار حین زالتِ الشمس (رواہ أحمد وابن ماجہ والترمذی)

البتہ آخری وقت مالکیہ کے نزدیک غروب تک ہے، اگر اس سے تاخیر کردیا تو دم واجب ہوگا، اور احناف کے یہاں صبح صادق تک ہے۔ اس لیے کہ ایام رمی میں بعد کی رات دن کے تابع ہے۔

۳- ۱۱ ؍اور ۱۲ ؍ذی الحجہ کی رمی اس دور میں غروب آفتاب کے بعد کرنے میں کوئی کراہت نہیں، اس لیے کہ ازدحام کثیر کی وجہ سے بعض اوقات دن کے وقت رمی کرنا اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، جس زمانہ میں بھیڑ کم ہوتی تھی، حاجی اپنی سستی کی وجہ سے تاخیر کرتے تھے، فقہاء احناف نے اس تاخیر کو مکروہ قرار دیا تھا، لیکن آج کل تاخیر مجبوری کی وجہ سے ہوا کرتی ہے، حاجی عجلت کی خواہش کے باوجود دن میں جمرات تک نہیں پہنچ پاتے ہیں، اس تاخیر میں کراہت کی کوئی وجہ نہیں۔

۴- اگر ۱۲ ؍ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر اجائے، تو اتنے سے احناف کے نزدیک ۱۳ ؍ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر ۱۳ ؍تاریخ کی صبح صادق منیٰ میں ہوگئی تو اس دن کی رمی لازم ہوجائے گی (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۱۹۶)۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے ۱۰ ؍ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کی نصف سے نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے کمزور لوگوں کو آگے بھیجنے کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت کی تھی کہ وہ طلوع شمس کے بعد ہی رمی کریں۔

کان رسول اللّٰہ ﷺ یقدم ضعفاء أهله بغلس ویأمرهم لایرمون الجمرة حتی تطلع الشمس (أبوداؤد ۲/ ۲۶۸)۔

ب- قیام منیٰ کے حدود:

۱- ایام حج میں منیٰ کا قیام سنت ہے، حتیٰ الامکان اس سنت پر حاجی کو عمل کرنا چاہئے، اگر

حکومت سارے حجاج کے خیمے منیٰ میں لگاسکتی ہے تو اس سے حجاج کرام کا مطالبۂ قیام منیٰ ایک امر معقول ہوگا، اگر سرکاری طور پر کچھ حاجیوں کے خیمے مزدلفہ یا حی العزیزیہ میں نصب کردیے گئے ہیں تو اس سے حاجی کے حج میں کوئی نقصان نہیں آتا۔

۲- اگر حاجی بلاکسی مجبوری کے منیٰ میں قیام نہیں کرتا، مکہ مکرمہ ہی میں رہتا ہے اور وہیں سے رمی کے لیے جایا کرتا ہے تو اس کا یہ عمل خلاف سنت ہے۔ اس سے حج میں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا، لیکن ایک سنت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

۳- حدودِ حرم کے اندر قیام کرنا اور بلاکسی مجبوری کے قیام منیٰ کو ترک کرنا سنت نبوی کے خلاف ہے، اس لیے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہیے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا ابوالعاص وحیدی ☆

رمی جمار کے اوقات:

۱- دس ذی الحجہ کو رمی جمرہ طلوع آفتاب سے قبل نہیں کی جاسکتی طلوع آفتاب کے بعد ہی رمی جمرہ کی جائے، اور بہتر یہ ہے کہ حجاج کرام اس رمی سے زوال سے قبل فارغ ہوجائیں، لیکن اگر کسی وجہ سے تاخیر ہوجائے تو زوال کے بعد کرنا جائز ہے، چاہے رات ہوجائے، جیسا کہ جامع صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

''کان النبي ﷺ یسأل یوم النحر بمنی فیقول: لا حرج، فسأله رجل فقال: حلقت قبل أن أذبح، فقال: اذبح ولا حرج، قال: رمیت بعد ما أمسیت، فقال: لا حرج'' (الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الحج، باب الذبح بعد ما امسیٰ)۔

رسول اللہ ﷺ سے منیٰ میں یوم النحر میں پوچھا جاتا تو آپ جواب دیتے: کوئی حرج نہیں، ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ میں نے ذبح سے پہلے حلق کرلیا تو آپ نے کہا: ذبح کرو کوئی حرج نہیں، ایک شخص نے کہا کہ میں نے شام ہونے کے بعد رمی کی تو آپ نے کہا: کوئی حرج نہیں۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو رمی جمرات زوال شمس کے بعد ہی کی جائے گی، طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش نہیں۔

☆ جامعہ عربیہ قاسم العلوم، نگر ہا، بلرامپور یوپی۔

۳- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کے بارے میں اتنی گنجائش ہے کہ جو لوگ معذور ہیں ان کے لیے رخصت ہے، اور ان کے لیے دو یوم کی رمی کو ایک ہی دن میں جمع کر لینا بھی جائز ہے (مالک، ترمذی، نسائی)۔ اسی طرح معذورین کے لیے رات میں رمی کرنا جائز ہے (بیہقی، بزار)۔ رمی جمرات کے بارے میں ایک سہولت یہ بھی ہے کہ معذور، کمزور، بچے اور عورتوں کی طرف سے رمی میں نیابت جائز ہے، جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ اپنی رمی کے ساتھ ساتھ ہر جمرے کو ان کی طرف سے رمی کرتے جائیں (جامع صحیح بخاری)۔

۴- اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہر اجائے تو تیرہ ذی الحجہ کی رمی لازم ہوگی (موطا مالک)۔

اس دن بھی رمی زوال کے بعد ہی کی جائے گی (بخاری و مسلم)۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے نہیں کی جاسکتی، طلوع آفتاب کے بعد ہی رمی جمرہ کی جائے گی (صحیح مسلم)۔

البتہ دس ذی الحجہ کو رمی جمرہ میں تاخیر ہو سکتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- ایام منیٰ میں حجاج کرام کو راتیں منیٰ ہی میں گذارنا چاہئے، البتہ انتظامی امور سے متعلق لوگوں اور معذور وغیرہ کے لیے رخصت ہے، جیسا کہ جامع صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حج کے موقع پر عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ منیٰ کی راتیں مکہ میں گذاریں، چونکہ انہیں پانی پلانے کا انتظام دیکھنا تھا تو آپ نے انہیں اجازت دیدی (الجامع الصحیح للبخاری: کتاب الحج، باب ھل یبیت اھل السقایۃ الخ)۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ قیام منیٰ کی حیثیت وقوف عرفہ کی طرح نہیں ہے کہ اگر کسی وجہ سے وہ چھوٹ جائے تو حج متاثر ہو جائے۔

اس سلسلہ میں سعودی عرب کے مفتی شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ ملاحظہ ہو، ان سے ایک مستفتی نے دریافت کیا کہ اگر حاجی کو منیٰ میں رات گذارنے کے لیے جگہ نہ ملے تو کیا کرے؟ اگر وہ منیٰ کے باہر رات گذارتا ہے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

شیخ ابن بازؒ نے جواب دیا: اگر پوری کوشش کرنے کے باوجود حاجی کو منیٰ میں رات گذارنے کی جگہ نہیں ملی تو منیٰ سے باہر رات گذارنے میں کوئی حرج نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''**فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم**'' (سورۃ تغابن/۱۶) (اپنی طاقت بھر اللہ سے ڈرو)۔ اور منیٰ میں رات نہ گذارنے کی وجہ سے اس پر کوئی دم نہیں، اس لیے کہ یہ چیز اس کی قدرت سے باہر ہوگئی (فتاویٰ شیخ ابن بازؒ)۔

۲- اگر کوئی حاجی حدود مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، مگر حجاج کرام کو بہر حال رات کا کچھ حصہ منیٰ میں گذارنا چاہئے، اور یہ کہ واقعی معنوں میں انہیں جگہ نہ ملے تب تو وہ معذور قرار دیے جائیں گے۔

۳- چونکہ مبیت منیٰ کی حیثیت وقوف عرفہ کی طرح نہیں ہے اس لیے اگر حجاج کرام کو کوئی معذوری ومجبوری ہو تو وہ حدود حرم میں کسی بھی جگہ قیام کر سکتے ہیں، خواہ شہر مکہ کے اندر ہو یا مضافات میں یا مزدلفہ میں، مگر حتیٰ الامکان رات کا کچھ حصہ حجاج کرام کو منیٰ میں گذارنا چاہئے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مفتی محمد سلمان منصورپوری ☆

۱- دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا وقت حنفیہ کے نزدیک گو کہ مکروہ ہے لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے مثلاً خواتین یا کمزور لوگ مزدلفہ سے جلدی آکر اس درمیان رمی کرلیں تو وہ رمی معتبر ہوگی اور ایسے لوگوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

''أمّا الرمي في اليوم الأول فلأداء وقت الجواز من الفجر إلى الفجر، ووقت مسنون من طلوع الشمس إلى الزوال، ووقت مباح من الزوال إلى الغروب، ووقت مكروه قبل طلوع الشمس وبعد الغروب وإن كان بعذر لا كراهة'' (غنیہ/۹۶، نیز دیکھئے: فتاوی عالمگیری ۱/۲۳۳، البحر الرائق ۲/۶۰۴)۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اس لئے ان دونوں میں زوال سے پہلے رمی کرنے کی گنجائش نہیں۔

''أما وقت الجواز في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر فمن الزوال إلى طلوع الفجر من الغد فلايجوز قبل الزوال في ظاهر الرواية. وعليه الجمهور'' (غنیہ/۹۶، ۹۷، نیز دیکھئے: فتاوی عالمگیری ۱/۲۳۳، بدائع ۲/۳۲۴)۔

۳- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنا بلاعذر مکروہ ہے، لیکن اگر کسی

☆ مفتی دار الافتاء، جامعہ قاسمیہ شاہی، مراد آباد۔

عذر (مثلاً شدید ازدحام یا طبعی کمزوری وغیرہ) کی وجہ سے اس وقت رمی کی تو کوئی کراہت نہیں۔

''والوقت المسنون في اليومين من الزوال إلى غروب الشمس ومن الغروب إلى طلوع الفجر وقت مكروه'' (غنیہ/۹۷)۔

''ولولم يرم يوم النحر أو الثاني أو الثالث رماه في الليلة المقبلة ولاشئ عليه سوىٰ الإساءة إن لم يكن بعذر'' (غنیہ/۹۷)۔

۴- اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی پھر بھی تیرہویں کی رمی واجب نہ ہوگی، البتہ اگر منیٰ کے حدود میں رہتے ہوئے صبح صادق ہوجائے تو اب تیرہویں کی رمی واجب ہے۔

''ويسقط بنفره قبل طلوع فجر الرابع ولونفر من الليل قبل طلوعه لاشئ عليه في ظاهر الرواية عن الإمام، وقد أساء فإن لم ينفر حتى طلع الفجر من اليوم الرابع وجب عليه الرمي في يومه ذلک فيرمي الجمار الثلاث بعد الزوال'' (غنیہ/۹۸)۔

۵- بیمار، معذور اور خواتین وغیرہ کے لئے دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور گیارہ کی صبح صادق تک باقی رہتا ہے، یہ وقت پہلے ہی سے وسیع ہے، اس میں مزید وسعت دینے کی ضرورت نہیں۔

''فوقت الجواز أداءً من طلوع الفجر فلا يصح قبله'' (غنیہ/۹۱)۔

''ولو رمى قبل طلوع فجر يوم النحر لم يصح اتفاقاً'' (البحر الرائق ۲/۶۰۴، فتاوی عالمگیری ۱/۲۳۳)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- عام حالات میں ایام تشریق میں حدود منیٰ میں رات گزارنا حاجی کے لئے سنت مؤکدہ

ہے، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اس سنت کو ترک کرے یعنی منیٰ میں ٹھہرنے کا انتظام ہونے کے باوجود وہاں نہ ٹھہرے تو وہ کراہت تحریمی کا مرتکب ہوکر گنہ گار ہوگا، لیکن اگر منیٰ میں قیام کا انتظام نہ ہوسکے جیسا کہ آج کل حکومتی پابندیوں کی وجہ سے کثرت سے یہ صورت پیش آتی ہے تو اس ترک سنت کی وجہ سے اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا، اور اس کے حج میں بھی کوئی خرابی نہ آئے گی، اور چونکہ بالقصد اس نے ترک سنت نہیں کی ہے اس لئے امید ہے کہ وہ گنہگار بھی نہ ہو۔

''ویسنّ أن یبیت بمنیٰ لیالي أیام الرمي، فلو بات بغیر ها متعمداً کرہ ولا شئ علیه عندنا'' (غنیہ ۹۵)۔

۲، ۳- اگر کوئی شخص ایام منیٰ میں منیٰ کی حدود میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے حدود مکہ میں مقیم رہا یا منیٰ کے قریب کسی محلّہ میں یا مزدلفہ میں ٹھہرا رہا، اور رمی کے لئے مقررہ اوقات میں آتا جاتا رہا تو بھی اس کا حج درست ہوجائے گا اور اس پر کوئی جنایت لازم نہ ہوگی (حوالہ سابق)۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مفتی محمد یعقوب قاسمی ☆

۱- دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے رمی جائز نہیں، اگر کرے گا تو رمی صحیح نہ ہوگی۔

فتاویٰ شامی میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے طلوع صبح صادق سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرلی تو اس کی رمی صحیح نہ ہوگی، فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے (شامی ۲/۱۸۱)۔

دسویں تاریخ کی رمی کا مسنون وقت سورج نکلنے سے زوال تک ہے، زوال آفتاب سے غروب تک رمی مباح ہے، غروب آفتاب کے بعد مکروہ ہے، اور دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے بھی مکروہ ہے (حوالہ بالا)۔

دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک مکروہ ہے، اسی طرح دسویں ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے پہلے بھی رمی کرنا مکروہ ہے، اور یہ کراہت عذر کے نہ ہونے کے وقت ہے۔

البتہ اگر عورت اور مریض اور کمزور لوگ ہجوم کے خوف سے طلوع آفتاب سے پہلے سویرے آکر رمی کرلیں تو ان کے لیے مکروہ نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر کمزور مرد یا عورت یا مریض لوگ ہجوم اور بھیڑ کے خوف سے آفتاب طلوع ہونے سے قبل رمی کرلیں تو اس پر کچھ برائی نہیں یعنی اس پر اس عمل کی وجہ سے کوئی چیز شرعاً واجب نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح اونٹ اور بکری وغیرہ کے چرواہے اگر رات

☆ استاذ امداد العلوم زید پور بارہ بنکی۔

کے وقت رمی کرلیں تو ان پر کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو رمی کی اجازت دی ہے (شامی ۲/۱۸۱)۔

۲- گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک بلا کراہت جائز ہے، اور غروب آفتاب سے صبح صادق تک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

ابن عابدین نے رد المحتار میں لباب سے نقل کیا ہے کہ تینوں جمرات کی رمی کا وقت گیارہ اور بارہ ذی الحجہ میں زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے، پس زوال آفتاب سے پہلے ان دنوں میں رمی کرنا قول مشہور میں جائز نہیں۔ اور فقہاء کے ایک قول کے مطابق جائز ہے۔ رمی کا وقت مسنون ان دونوں دنوں میں زوال آفتاب سے غروب تک دراز رہتا ہے، اور غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک رمی کا وقت مکروہ ہے (شامی ۲/۱۸۵)۔

اگر ہجوم یا کسی اور عذر کی وجہ سے غروب آفتاب سے پہلے رمی نہ کرسکے تو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

نیز اگر کسی شخص نے طلوع صبح صادق یا زوال سے قبل رمی کرلی تو وہ رمی ادا نہ ہوگی اور اس صورت میں اس پر دم واجب ہوگا (بحوالہ شامی)۔

۳- ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کو رمی کرنا غروب آفتاب سے صبح صادق تک کراہت کے ساتھ جائز ہے، مگر آج کل ہجوم کی وجہ سے غروب سے قبل رمی نہ کرسکے تو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

ومن الغروب إلى الطلوع وقت مكروه (شامی ۲/۱۸۵)۔

غروب سے طلوع آفتاب تک رمی کا وقت مکروہ ہے اور شرعی عذر کراہت کو ختم کردیتا ہے۔ علامہ ابن عابدین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص واجب کو بھی کسی عذر کی بنا پر ترک کردے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی (شامی ۲/۱۷۹)۔

۴- بارہویں ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے کے بعد منیٰ سے نکلنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں ۱۳/رویں ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوتی بشرطیکہ صبح صادق سے پہلے منیٰ سے نکل جائے، اور اگر منیٰ میں ۱۳/رویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہوگئی تو اب ۱۳/رویں ذی الحجہ کی رمی واجب ہوجائے گی، اب اگر رمی کے بغیر منیٰ سے جائے گا تو دم دینا شرعاً واجب ہوجائے گا (شرح وقایہ ۱/۲۴۷)۔

اگر حاجی منیٰ میں ٹھہرا یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہوگئی تو اس پر رمی کرنا واجب ہے (شامی ۲/۱۸۵)۔

ردالمحتار میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے ۱۲/رویں ذی الحجہ کی رمی کے بعد منیٰ سے کوچ نہیں کیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا تو اس کے لیے تیرہویں ذی الحجہ کی رمی کرنے سے پہلے منیٰ سے کوچ کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر تیرہویں ذی الحجہ کی صبح صادق کے طلوع ہونے سے قبل رات کے وقت منیٰ سے کوچ کیا تو اس پر کچھ واجب نہیں لیکن اس نے کوچ کرکے برا کیا، ایک قول میں یہ بھی ہے کہ غروب کے بعد منیٰ سے کوچ کرنا درست نہیں، اگر کوچ کیا تو اس کے ذمہ دم دینا لازم ہوگا، اور اگر طلوع صبح صادق کے بعد رمی سے پہلے ہی کوچ کرلیا تو اس کے ذمہ بالاتفاق دم دینا لازم ہوگا۔

۵- دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے رمی کرنا شرعاً جائز نہیں، اگر رمی کرے گا تو اس کی رمی صحیح نہ ہوگی اور اس پر اعادۂ رمی لازم ہوگا۔

البتہ اگر بوڑھے وبیمار، معذور اور خواتین اور ان سے جڑے ہوئے معاون لوگ ہجوم اور بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے طلوع آفتاب سے قبل رمی کرلیں تو اس پر کچھ برائی نہیں۔

ابن عابدین فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو اگر کمزور، بیمار ومعذور خواتین طلوع آفتاب سے پہلے رمی کرلیں تو ان پر کوئی برائی نہیں یعنی کچھ واجب نہیں، اسی طرح چرواہے رات کے وقت رمی کرلیں تو ان پر کچھ لازم نہیں (شامی ۲/۱۷۹)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدودِ حرم میں قیام:

۱- رمی کے ایام میں منیٰ کے اندر حاجی کے لیے رات گذارنا سنت ہے، اور منیٰ کے حدود کے باہر رات گذارنا مکروہ ہے، اور غیر منیٰ میں رات گذارنے سے دم واجب نہیں ہوتا (شامی ۲/ ۱۸۴)۔

پس حاجی منیٰ میں رات گذارے۔ جمرات کی رمی کرنے کے واسطے اور منیٰ میں اس کا رات گذارنا سنت ہے، اور اگر غیر منیٰ میں رات گذارا تو اس کے لیے مکروہ ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔

۲- جو شخص منیٰ کے باہر رات گذارے اور پھر وہاں سے آ کر رمی کر لیا کرے تو اس کی بھی رمی شرعاً صحیح و درست ہوگی، منیٰ کے باہر قیام مکروہ ہے، اور منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے، حدودِ مکہ میں قیام کرنے کی وجہ سے اس کے حج پر کوئی غلط اثر نہ پڑے گا۔

۳- حاجی کے لیے منیٰ میں رمی جمرہ کے واسطے قیام کرنا اور رات گذارنا سنت ہے، حدودِ حرم مکہ مکرمہ شہر کے اندر یا مضافات یا مزدلفہ میں بھی حاجی رات گذار سکتا ہے لیکن اس کا یہ فعل خلاف سنت و مکروہ ہوگا، جہاں تک ممکن ہو منیٰ ہی میں رات گذارے تا کہ رمی جمرات میں اس کے لیے آسانی ہو۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا عطاء اللہ قاسمی ☆

۱- دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت مسنون طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔

موفق کہتے ہیں:

جمرۂ عقبہ کی رمی کا دو وقت ہے، ایک وقت فضیلت، دوسرے وقت جواز جو طلوع آفتاب کے بعد ہے، علامہ ابن عبد البر نے فرمایا: علماء اسلام کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن طلوع آفتاب کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی فرمائی ہے (حجۃ الوداع/۱۱۸)۔

لیکن طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے بھی رمی کی جا سکتی ہے۔

"عن ابن عباس قال: كنت فيمن بعث به النبي ﷺ يوم النحر فرمينا الجمرة مع الفجر" (شرح معانی الآثار/۱/۴۳۶)۔

(ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے یوم نحر کو طلوع فجر کے ساتھ ہی جمرہ کی رمی کی)۔

۲- مذہب مشہور اور مفتی بہ یہی ہے کہ گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت بعد زوال شروع ہوتا ہے۔ لہذا صبح صادق سے رمی کرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے، جب عورتوں، مریضوں اور ضعیفوں کے لیے بوقت شب رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے تو رمی قبل الزوال کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

☆ جامعہ عربیہ امداد العلوم، کوپا گنج، مئو۔

۱۱؍اور ۱۲؍ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوکر اگلے دن طلوع آفتاب تک رہتا ہے اس لیے ان دونوں میں زوال سے پہلے رمی جائز نہیں (فتاویٰ ہندیہ ۱؍۲۳۳)۔

۳- ۱۱؍اور ۱۲؍ذوالحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد بغیر عذر مکروہ تنزیہی ہے اور عذر کی بنا پر بلا کراہت جائز ہے، لہٰذا رات میں نسبتاً ازدحام کم ہونے کی وجہ سے ضعیفوں، عورتوں اور مریضوں کے لیے رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ علامہ ابن الہمام حنفیؒ (المتوفی ۶۸۱ھ) نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے:

کراہت کا ثبوت عدم عذر پر محمول کرنا ضروری ہے، چنانچہ کمزوروں کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے اور چرواہوں کی رمی رات میں مکروہ نہیں ہے (فتح القدیر ۲؍۵۱۳)۔

۴- ۱۳؍ذوالحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اس دن کی رمی کے وجوب کے لیے صبح صادق کے وقت منیٰ میں موجودگی ضروری ہے۔ لہٰذا اگر ۱۲؍کی رمی کے لیے بعد الغروب منیٰ میں مقیم رہا اور صبح صادق سے پہلے کوچ کر جائے تو ۱۳؍کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

"وله أن ينفر مالم يطلع الفجر من اليوم الرابع فإذا طلع الفجر لم يكن له أن ينفر لدخول وقت الرمي" (ہدایہ ۱؍۲۵۲)۔

۱۳؍کو طلوع فجر سے پہلے منیٰ چھوڑ دینا جائز ہے، طلوع فجر کے بعد نہیں، کیونکہ رمی کا وقت ہو چکا ہے۔

۵- ۱۰؍ذی الحجہ کی رمی کا وقت طلوع صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے وقوف مزدلفہ کا وقت ہے، لہٰذا نصف شب سے رمی کرنا جائز نہیں۔

"فأما يوم النحر فأول وقت الرمي فيه من وقت طلوع الفجر" (ہدایہ ۱؍۲۵۲)۔

(یوم نحر کی رمی کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے)۔

علامہ ابن رشد القرطبیؒ (۵۲۰-۵۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یوم نحر کی رمی صبح صادق سے پہلے ممنوع ہے۔ اگر رمی کرلیا تو اس کا اعادہ واجب ہے (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۶۴)۔

ولو رمی قبل طلوع الفجر لم یصح اتفاقاً (ہندیہ ۱/ ۲۳۳)۔

(صبح صادق سے پہلے کی رمی بالاتفاق درست نہیں)۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱۰/ تا ۱۲/ ذی الحجہ حاجیوں کو منیٰ میں قیام کرنا ہے، ابن عمرؓ نے ان تین دنوں کو ایام منیٰ کہا ہے، حدیث شریف میں ہے:

"**أما رسول اللہ ﷺ فبات بمنیٰ و ظل**" (نصب الرایہ ۳/ ۸۷) حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے رات منیٰ میں گذاری ہے اور دن بھی، صحابہ کرامؓ کے اقوال اور طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام منیٰ میں منیٰ کو آباد رکھنا بھی مطلوب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

"**لایبیتن أحدکم من وراء العقبة لیلاً بمنی أیام التشریق**" (نصب الرایہ ۳/ ۸۷)۔

(ایام تشریق میں منیٰ سے باہر عقبہ کے پیچھے کوئی شخص ہرگز رات نہ گذارے)۔

ابن عمرؓ سے منقول ہے:

"**عن ابن عمر أنه کرہ أن ینام أحد أیام منیٰ بمکة**" (نصب الرایہ ۳/ ۸۷)۔

(ایام منیٰ میں رات مکہ میں گذارنا مکروہ ہے)۔

مزاج شریعت کے رمز شناس حضرت عمرؓ کے بارے میں روایتوں میں آتا ہے:

"**کان عمر یؤدب علی ترک القیام بھا**" (ہدایہ ۱/ ۲۵۳)۔

(منیٰ میں قیام نہ کرنے پر حضرت عمرؓ لوگوں کی سرزنش کرتے تھے)۔

ان آثار صحابہ کرامؓ سے ثابت ہوتا ہے کہ (الف) ایام منیٰ میں منیٰ کو آباد رکھنا چاہئے، (ب) ایام منیٰ میں دن کہیں گذر جائے لیکن رات بہر حال منیٰ میں گذارنی بہتر ہے تا کہ رمی

جمرات میں سہولت رہے۔ منیٰ میں رات گذارنی واجب نہیں مسنون ہے، کیونکہ حدیث شریف ہے:

"إستأذن العباسؓ رسول اللہ ﷺ أن يبيت بمكة ليالي منىٰ لأجل سقايته فأذن له" (نصب الرایہ ۳/ ۸۷)۔

حضرت عباسؓ نے (جن سے متعلق حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت تھی) رسول اللہ ﷺ سے مکہ میں رات گذارنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی۔

اس جیسی دوسری روایتوں کی بناپر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ قیام منیٰ افعال حج میں نہیں ہے مسنون ہے۔ شیخ زکریا صاحبؒ مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

منیٰ میں رات گزارنا حنفیہ کے نزدیک مسنون ہے (حجۃ الوداع/ ۱۷۷)۔

علامہ ابن الہمام (وفات/ ۶۸۱ھ) فرماتے ہیں: منیٰ میں قیام نہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے (فتح القدیر ۲/ ۵۱۴)۔

صاحب ہدایہ نے اور وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے:

"ولو بات في غيرها متعمداً لايلزمه شيء" (ہدایہ ۱/ ۲۵۳)۔

قیام منیٰ قصداً چھوڑ دینے سے دم یا صدقہ کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔

اس تمہید کی روشنی میں بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ آج حجاج کرام کی کثرت ایک بڑا اہم مسئلہ ہے، ہر حاجی کے لیے منیٰ کی حدود میں قیام کی گنجائش کم سے کم ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے منیٰ کے باہر حدود حرم میں کسی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے اور وہیں سے رمی جمرات اور قربانی کے لیے جایا کرے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

☆☆☆

جمرات ثلاثہ

مولانا نیاز احمد بنارسی ☆

جمرات ثلاثہ کی رمی یعنی ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ میں رمی کا افضل وقت زوال شمس سے غروب آفتاب تک ہے، لہذا زوال شمس سے قبل رمی درست نہ ہوگی، یہی امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مشہور قول ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر زوال سے قبل رمی ہوئی تو درست ہے (دیکھئے بدائع الصنائع ۱۳۷/۲)۔

اور ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک زوال شمس سے قبل درست نہیں ہے (حوالہ بالا ۱۳۸/۲)۔

اور اگر ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی رات تک مؤخر کردی جائے اور طلوع فجر صادق سے قبل رمی کرلی جائے تو یہ بھی درست ہے، اور اس صورت میں اس پر دم یا صدقہ واجب نہیں ہوگا۔

"فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولاشئ عليه'' (کاسانی ۱۳۸/۲)۔

البتہ جمہور کے نزدیک ایام تشریق ۱۱/ ۱۲ - ۱۳/ کی رمی زوال شمس کے بعد ہی درست ہے، حضرت عطاء اور طاؤس کے نزدیک قبل الزوال بھی درست ہے۔ ابن قدامہ کی رائے یہ ہے کہ ایک دن کی رمی دوسرے دن تک مؤخر کردی یا تمام رمی کو ایام تشریق کے آخری دن تک مؤخر کردیا تو گویا اس نے سنت کو ترک کردیا لہذا اس پر دم لازم نہ ہوگا، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے

☆ مفتی جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

نزدیک اگر ایک یا دو یا تین کنکری دوسرے دن تک مؤخر کردی جائے تو دوسرے دن رمی کرلے اور ہر ایک کنکری کے عوض نصف صاع، اور اگر چار کنکری دوسرے یوم تک مؤخر کردی جائے تو دوسرے دن کنکری مارے اور ایک دم اس پر لازم ہوگا (عمدۃ القاری ۱۰/۸۶)۔

جمہور ائمہ احناف کے مسلک کی تشریح کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جب امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جمرات ثلاثہ میں اگر چہ افضل بعد الزوال ہے لیکن دوسری روایت سے قبل الزوال رمی کا درست ہونا ثابت ہوتا ہے، نیز غروب آفتاب کے بعد طلوع فجر صادق سے قبل کی بھی اجازت دی ہے جس سے خود امام ابوحنیفہ کے مسلک کے تناظر میں اوقات رمی میں توسع ثابت ہوجاتا ہے کہ قبل زوال شمس سے رات صبح صادق سے قبل تک جمرات ثلاثہ کی رمی ہوسکتی ہے۔

موجودہ حالات میں جبکہ رمی جمار میں موت کا ہونا نیز بڑی مشکلات سے حجاج کرام کا نبرد آزما ہونا جیسے حالات کے تناظر میں رمی جمار کے افضل اوقات میں تقدم وتاخر کی گنجائش مسلک احناف سے صاف ظاہر ہے، لہٰذا مذکورہ بالا روایات کے پیش نظر حجاج کرام افضل وقت کے علاوہ دیگر اوقات میں رمی کرسکتے ہیں، اور اگر ایسے حالات نہیں ہیں تو افضل وقت میں رمی اولی ہوگی۔

رمی جمرہ عقبہ:

رمی جمار اصطلاح شریعت میں حج کے واجبات میں سے ہے، رمی کے ایام چار دن ہیں، پہلی دس ذی الحجہ کی رمی اور پھر تین دن ایام تشریق میں رمی ہوتی ہے، جمرہ عقبہ دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت طلوع صبح صادق کے بعد سے غروب شمس تک ہے، البتہ طلوع شمس کے بعد سے زوال تک وقت مستحب ہے، اور طلوع فجر صادق سے قبل طلوع شمس تک وقت مکروہ ہے، اور زوال شمس کے بعد سے غروب شمس تک وقت جواز ہے (دیکھئے: عینی شرح کنز ۱/۲۴۶)۔

رمی کا انتہاء وقت تو غروب شمس ہے لیکن اگر کسی نے تاخیر کی اور رات میں رمی کرلی تو یہ

درست ہے، اس پر دم لازم نہیں ہے، یہ مسلک صاحبین کا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تاخیر کی وجہ سے دم لازم ہوگا (الموسوط ۴؍ ۶۴)۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رمی کا اول وقت یوم النحر کی نصف رات سے شروع ہوجاتا ہے، البتہ افضل وقت طلوع شمس کے بعد سے شروع ہوتا ہے، ان دونوں حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو یوم النحر کی رات میں رمی کا حکم فرمایا اور ام سلمہ نے جمرہ عقبہ کی رمی فجر سے پہلے کی (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۲۲۵۴)۔

امام ابوحنیفہ و امام مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ طلوع شمس سے پہلے جمرہ (عقبہ) کی رمی نہ کرو، اسی طرح آپ ﷺ کا عمل بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ضحیٰ کے وقت رمی کی۔

۱- "رمی رسول اللہ ﷺ ضحیٰ" (متفق علیہ)۔

۲- "عن ابن عباس عن النبي ﷺ لا ترموا حتی تطلع الشمس" (رواہ أبوداؤد وصححہ الترمذي ۶؍ ۲۴، عینی شرح کنز ۱؍۸۲، رواہ الخمسۃ، بحوالہ الفقہ الإسلامي ۲۲۵۴)۔

۳- "لاترموا جمرة العقبة إلا مصبحين" (ہدایہ ۲۳۲)۔

موجودہ دور میں شریعت کے مسائل سے ناواقفیت اور سہولت پسندی کے پیش نظر رمی جمرات کے دوران حجاج کرام کی کثرت ازدحام کے باعث حادثات کا ہونا، کثیر تعداد میں مسلمانوں کی موت ہوجانا مستقل ایک ضرر ہے جس کی تلافی اور اس ضرر سے امت کو محفوظ کرلینا دین کی اہم ذمہ داری ہے، ایسے حالات کے تناظر میں یہ تجویز کہ ۱۰؍ ذی الحجہ کی رمی کا وقت اس دن نصف شب کے بعد سے دوسرے دن کی صبح صادق تک باتفاق رائے مقرر کردیا جانا چاہئے یہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ فقہ حنفی کی رو سے جمرہ عقبہ کی رمی طلوع فجر صادق کے بعد کراہت کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔

لیکن یہ کراہت "الضرر یزال" کے ضابطہ سے منقطع ہوجاتی ہے، اس لیے کہ مسلمانوں کی جان کی حفاظت کراہت عمل کے بالمقابل اہم ہے، اور اگر دس ذی الحجہ کی رمی ازدحام وبھیڑ کی وجہ سے نہ ہوسکی یا وقت مستحب میں کرلینے سے جان کا خطرہ لاحق ہے تو دس ذی الحجہ کے بعد ۱۱ر ذی الحجہ کی شب میں جمرۃ عقبہ کی رمی کی اجازت بکراہت ثابت ہے، اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم لازم ہے لیکن موجودہ حالات کے پیش نظر صاحبین کے قول عدم لزوم دم کو ترجیح دی جائے گی۔ ان تمام صورتوں کی تنقیح فقہی جزئیات متعلقہ توسیع وقت رمی جمرہ عقبہ کے پیش نظر دس ذی الحجہ کی نصف شب کے بعد دوسرے دن کی صبح تک وقت میں توسیع اور رمی کی اجازت درست نہ ہوگی بلکہ حالات کے اعتبار سے وقت جواز، وقت کراہت، وقت مستحب میں سے کسی بھی وقت رمی کرلینے کی اجازت دیدی جائے، البتہ ایسے حالات رونما ہوجائیں کہ دس ذی الحجہ کی نصف شب میں ہی رمی ہوسکتی ہے ورنہ ترک لازم آئے گا تو حالت اضطرار فرض کرکے کرلینے میں کوئی حرج نہیں سمجھ میں آتا، البتہ کسی خبر واحد کی بنیاد پر رسول پاک ﷺ اور صحابہ کرام کے عام قول وعمل کا ترک درست نہیں ہے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا محمد ارشد المدنی ☆

(الف) رمی جمار کے اوقات:

۱-رسول اللہ ﷺ نے دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب کے بعد اور غروب سے قبل کی تھی۔جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی حدیث ہے:

"رمى النبي ﷺ الجمرة يوم النحر ضحى، وأما بعد فإذا زالت الشمس" (رواہ مسلم/۱۲۹۹)۔

اور یہی افضل ہے۔مگر کسی وجہ سے اگر کوئی شخص اس دن صبح صادق سے قبل کنکریاں مار لے تو صحیح ہے۔

۲-جمہور اہل علم کے نزدیک گیارہ ذی الحجہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال آفتاب سے قبل کرنا جائز نہیں ہے۔امام ابوحنیفہؒ کی بھی ظاہری روایت یہی ہے۔ہاں البتہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک دوسری روایت مروی ہے جس میں زوال آفتاب سے قبل رمی کرنے کی اجازت ہے۔ہمارے نزدیک جمہور اہل علم کا مسلک راجح ہے۔

۳-سنت یہ ہے کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی بھی رمی غروب آفتاب سے قبل کی جائے۔البتہ غروب کے بعد رمی کرنے کو علماء نے جائز قرار دیا ہے۔اور کہا ہے کہ اس میں کوئی کراہت نہیں۔امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایام تشریق میں دن ورات میں کسی بھی وقت

☆ نائب رئیس جامعہ امام ابن تیمیہ مدینۃ السلام، مشرقی چمپارن، بہار۔

رمی کی جاسکتی ہے۔لہٰذا گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہوگی۔

۴- اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ کی رمی کے لیے غروب آفتاب تک منیٰ میں ٹھہر جائے تو وہ تیسری رات بھی منیٰ میں گذارے اور تیسرے دن بھی جمرات کو کنکری مارے تو ایسا کرنا سب سے افضل اور ثواب میں سب سے زیادہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''واذكروا الله في أيام معدودات فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى'' (سورۂ بقرہ/ ۲۰۳)۔

یعنی ان چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو، جو شخص منیٰ میں دو دن قیام کر کے واپسی کی جلدی کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، نہ اس شخص پر کوئی گناہ ہے جو تاخیر کر کے جائے، یہ اللہ سے ڈرنے والے کے لیے ہے۔

تاخیر کرنا اور تیسرے دن بھی کنکری مارنا اس لیے بھی افضل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تعجیل کرنے کا حکم تو دیا لیکن آپ نے خود تعجیل نہیں کی بلکہ منیٰ میں ٹھہر گئے، ۱۳/ تاریخ کو زوال آفتاب کے بعد جمرات کی کنکری ماری پھر ظہر پڑھنے سے پہلے آپ وہاں سے کوچ کر گئے۔

۵-سنت یہ ہے کہ دس ذی الحجہ کی رمی زوال کے بعد اور غروب آفتاب سے قبل کی جائے، مگر بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں (محرم مرد، ڈرائیور اور دوسرے طاقتور افراد) کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے، علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ جس طرح بچہ یا بچی حج کرے تو اس کی طرف سے اس کا ولی کنکری مارسکتا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ ''ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا، ہمارے ساتھ خواتین اور بچے بھی تھے، ہم نے بچوں کی طرف سے لبیک

بھی پکارا اور رمی کی'' (ابن ماجہ: ۳۰۳۸)، اسی طرح بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے اگر خود رمی نہ کر سکیں تو افضل وقت یعنی طلوع آفتاب کے بعد غروب شمس سے پہلے تک کسی کو وکیل مقرر کر کے اپنی طرف سے رمی کرا سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

''فاتقوا اللّٰہ ما استطعتم'' (سورۃ تغابن/۱۶)۔

یعنی جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور یہ لوگ جمرات کے پاس لوگوں کی بھیڑ برداشت نہیں کر سکتے اور رمی کا وقت فوت ہو جائے گا جس کی قضا مشروع نہیں، اس لیے ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا کسی کو وکیل مقرر کر دیں، دوسرے مناسک کے برخلاف جن کی ادائیگی کے لیے نیابت جائز نہیں، خواہ اس کا نفلی ہی حج کیوں نہ ہو، اس لیے کہ جس نے حج اور عمرہ کا احرام باندھ لیا خواہ وہ نفلی ہو لیکن ان کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''و اتموا الحج و العمرۃ للّٰہ'' (سورۃ بقرہ/۱۹۷)۔

یعنی اور حج و عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔

اور طواف و سعی کا زمانہ فوت نہیں ہوتا، برخلاف رمی کے، اس کا وقت فوت ہو جاتا ہے، وقوف عرفہ اور مزدلفہ اور منیٰ میں رات گذارنے کا وقت بھی فوت ہو سکتا ہے، اور معذور آدمی تکلیف اٹھا کر ان جگہوں میں بروقت پہنچ سکتا ہے، اور معذور آدمی خود سے رمی نہیں کر سکتا، نیز معذور کے لیے رمی میں نائب بنانا سلف صالح سے ثابت ہے، دوسرے مناسک کے لیے ثابت نہیں ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے: حج و عمرہ اور زیارت، شیخ ابن باز ۶۱ - ۶۲)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱ - گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی راتیں صحیح قول کی روشنی میں منیٰ میں گذارنی واجب ہے۔ اہل تحقیق علماء کرام نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، اور یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے۔ اگر منیٰ میں جگہ نہ ملے تو وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور کوئی جرمانہ عائد نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی

شخص بغیر عذر منیٰ میں رات نہ گذارے تو اس پر دم واجب ہوگا۔ بارہویں تاریخ کو زوال کے بعد کنکریاں مارنے کے بعد حاجی منیٰ سے روانہ ہوسکتا ہے، لیکن تیرہویں تاریخ کی رمی کے لیے منیٰ میں رک جانا **افضل** ہے۔

۲- اگر کوئی حاجی منیٰ میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے حدود مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لیے جایا کرے تو اس کے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، گرچہ ایام تشریق (ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ) میں منیٰ میں رات گذارنی واجب ہے، مگر جیسا کہ گذرا کہ اگر منیٰ میں جگہ نہ ملے تو وجوب ساقط ہوجاتا ہے اور کوئی جرمانہ عائد نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص بغیر معقول عذر کے منیٰ میں رات نہ گذارے بلکہ اس کے باہر حدود مکہ وغیرہ میں گذارے اور روزانہ منیٰ جاکر رمی کرے تو اس پر دم واجب ہوگا۔

۳- اگر پوری کوشش کے باوجود حاجی کو منیٰ میں جگہ نہیں ملتی، تو خارج از منیٰ حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات میں، نیز مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے جو حدود حرم میں داخل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''**فاتقو الله ما استطعتم**'' (سورۃ تغابن ر۱۶)۔

یعنی اپنی طاقت بھر اللہ سے ڈرو۔ اور منیٰ میں قیام نہ کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ یہ چیز اس کی قوت سے باہر ہوگئی تھی۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ میں قیام کے حدود

مفتی ظہیر احمد صاحب کانپور

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ منیٰ انہی اوقات میں بہتر ہوگی جن میں آپ ﷺ اور صحابہ کرام نے رمی فرمائی، چنانچہ ۱۰؍ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے لے کر زوال تک جمرہ عقبہ کی رمی کرنا، گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ کو زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک تینوں جمرات کی رمی کرنا افضل ہے، باقی اعذار کی بنا پر دوسرے اوقات میں بھی یقیناً اجازت دی جائے گی، خصوصاً موجودہ دور میں بھیڑ بھاڑ کی بنا پر پیش آنے والے حادثات کی بنا پر۔

الف: رمی جمار کے اوقات:

۱- دس ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے۔جیسا کہ آپ نے حضرت سودہؓ کو مزدلفہ سے منیٰ جانے کی اجازت بھیڑ کی وجہ سے مرحمت فرمائی تھی (فتح الباری ۳؍۵۳۰، بحوالہ رمی جمار کے وقت میں توسیع از ڈاکٹر صلاح الدین؍۲۴)۔

اور امام سرخسی نے بھی عذر کی وجہ سے مثلاً مرض، بھیڑ وغیرہ کا خطرہ ہو تو مزدلفہ سے منیٰ آنے میں عجلت کرنے اور رات ہی کو منیٰ آجانے کو جائز قرار دیا ہے۔

یہی بات علامہ شامی نے بھی تحریر کی ہے (ابن عابدین الشامی ۲؍۵۱۱-۵۱۲)۔

۲- گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے رمی کرنا جائز ہے جیسا کہ صاحب بدائع الصنائع (۲؍۳۲۴) نے تحریر فرمایا ہے:

''وروی عن أبي حنیفة أن الأفضل أن یرمی في الیوم الثاني والثالث بعد الزوال فإن رمی قبله جاز (یعنی امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ افضل وقت دوسرے اور تیسری دن رمی جمار کے لیے زوال کے بعد ہے لیکن اگر کسی نے اس سے پہلے رمی کرلی تو جائز ہے)۔

گوکہ امام صاحب کا یہ غیر مشہور قول ہے مگر عذر کی صورت میں بلاشبہ اس پر عمل درست ہوگا۔

۳- ۱۱ر اور ۱۲ر ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد اگر کسی عذر کی بنا پر کرتا ہے تو بلاکراہت درست ہوگی، جیسا کہ موجودہ حالات میں بھیڑ بھاڑ زیادہ رہتی ہے اس وجہ سے اس نے غروب آفتاب کے بعد رمی کی تو بلاکراہت رمی جائز ہوگی (بدائع ۲ر ۳۴۴)۔

۴- اگر غروب آفتاب کے بعد تک ۱۲ر ذی الحجہ کو منیٰ میں ٹھہرا رہا تو ابھی ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی اس پر واجب نہیں ہوئی، البتہ اگر وہ بغیر رمی کے طلوع فجر (۱۳ر ذی الحجہ) سے پہلے منیٰ سے مکہ چلا جاتا ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ تاہم اس پر کچھ دم وغیرہ واجب نہیں (ردالمحتار ۳ر ۵۴۳)۔

لیکن اگر وہ ۱۳ر ذی الحجہ کی طلوع فجر تک منیٰ میں ٹھہرا رہا تو پھر اس پر ۱۳ر ذی الحجہ کی رمی واجب ہوجائے گی (دیکھئے: حوالہ بالا)۔

۵- ۱۰ر ذی الحجہ کی رمی کی دسویں شب کے نصف سے بعض حضرات کے لئے شرعاً اجازت ہوگی جیسا کہ سوال نمبر (۱) کے جواب میں گذرا کہ آپ ﷺ نے حضرت سودہؓ کو اجازت عطا فرمائی، اسی طرح کتاب المجموع للنووی (۸ر ۱۶۴) میں بھی مذکور ہے۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

۱- ان دنوں میں منیٰ میں قیام کرنا حاجی کے لیے عندالاحناف سنت ہے (ردالمحتار ۳ر ۵۱۸)۔

بلاعذر منیٰ سے باہر قیام مکروہ ہے،جیسا کہ ابن عابدین نے کہا ہے: ”فلو بات بغیرها کره ولا یلزمه شيء“ (ردالمحتار ۳/ ۵۴۰)۔

”ویکره أن یبیت في غیر منیٰ في أیام منیٰ فإن فعل ذلک لاشيء علیه“ (بدائع الصنائع ۲/ ۳۶۳)۔

۲- بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ گزرا، لیکن اگر وہ معذور ہے کہ حکومت ہی نے اس کا قیام حدود حرم میں رکھا کسی وجہ سے تو وہ گناہ گار نہ ہوگا اور نہ اس کے حج پر کوئی اثر پڑے گا۔

۳- ان دنوں میں منیٰ کے علاوہ (خواہ شہر مکہ میں یا مضافات مکہ یا مزدلفہ میں) بلاعذر قیام کرنا مکروہ ہے، اور معقول عذر کی صورت میں بلاکراہت درست ہوگا جیسا کہ اوپر شامی اور بدائع میں گذرا۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات

مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی

۱- دس ذی الحجہ کی رمی قبل صبح صادق جائز نہیں۔

اس لئے کہ وقوف مزدلفہ صبح صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان کے کسی حصہ میں واجب ہوتا ہے، اور قبل صبح صادق مزدلفہ سے نکل جانے پر وجوب پر عمل نہیں ہو پائے گا۔

۲- گیارہویں اور بارہویں کو رمی کا وقت زوال کے وقت سے شروع ہوتا ہے اس سے پہلے جائز نہیں (معلم الحجاج)۔

۳- ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد ازدحام اور کثرت حجاج کی بنا پر میرے نزدیک بلاکراہت درست ہے۔

۴- ۱۲/ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں ٹھہرنے سے ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی، اس لئے کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ حج کے دنوں کی راتیں عام راتوں کے برعکس دن کے بعد آتی ہیں۔

۵- دس ذی الحجہ کی رمی کسی کے لئے بھی نصف شب سے درست نہیں۔

منیٰ کے باہر قیام:

۱- منیٰ کے قیام کی حیثیت زیادہ سے زیادہ سنت کی ہے۔

۲- اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں مقیم رہے اور وہیں سے کسی عذر کی بناپر رمی جمار کو جائے تو بکراہت درست ہوگا۔

۳- شرعی عذر کی بناپر جائز ہے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات میں توسیع کی حدود

مفتی منذر توحید مظاہری ☆

۱— ۱۰/ ذی الحجہ کو رمی کا وقت جواز طلوع فجر سے طلوع فجر تک ہے، وقت مسنون طلوع شمس سے زوال تک ہے۔ وقت مباح زوال سے غروب شمس تک ہے۔

وقت مکروہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک اور غروب شمس سے طلوع فجر تک ہے۔

مریض، ضعفاء، بوڑھے اور عورتیں کثرت ازدحام ودیگر اعذار کی وجہ سے اوقات مکروہہ میں رمی کریں تو کراہت باقی نہ رہے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷، ردالمحتار ۲/ ۱۹۶، البحر الرائق ۲/ ۳۴۵، اعلاء السنن ۱۰/ ۱۷۹)۔

۲، ۳— ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کا وقت جواز زوال سے طلوع فجر تک ہے، وقت مستحب ومسنون زوال سے غروب آفتاب تک ہے، وقت مکروہ غروب آفتاب سے طلوع فجر تک ہے۔

۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو طلوع فجر صادق سے رمی کرنے کی گنجائش نہیں ہے، غروب آفتاب کے بعد مریض، ضعفاء، بوڑھے وعورتیں کثرت ازدحام کی وجہ سے رمی کریں تو کراہت باقی نہ رہے گی (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۸، شامی ۲/ ۲۰۱، البحر الرائق ۲/ ۳۴۸، اعلاء السنن ۱۰/ ۱۸۰، فتح الباری ۳/ ۷۳۱)۔

۴— ۱۲/ ذی الحجہ کو منیٰ سے غروب آفتاب سے قبل نکلنا جائز ہے۔

☆ جامعہ رشید العلوم چترا۔

اگر غروب آفتاب تک منیٰ سے نہ نکل سکا تو ۱۳/ذی الحجہ کی رمی کئے بغیر نکلنا مکروہ ہے، اگر منیٰ میں صبح صادق ہو جائے تو ۱۳/ذی الحجہ کی رمی واجب ہوگی، اب ۱۳/کی رمی کئے بغیر نکلنا جائز نہیں ہے، اگر بغیر رمی کے نکل جائے تو دم واجب ہوگا (دیکھئے: ردالمحتار ۲/۲۰۱، البحر الرائق ۲/۳۰۴، اعلاء السنن ۱۰/۱۸۸)۔

۵- بوڑھے، بیمار، معذور وخواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دس ذی الحجہ کی رمی دسویں شب کے نصف سے کرنا جائز نہیں ہے، چونکہ ایام حج میں راتیں گذشتہ دنوں کے تابع ہوتی ہیں، تو اس اعتبار سے ابھی ۹/ذی الحجہ ہی ہے۔ رمی کرنا ہے ۱۰/ذی الحجہ کو تو یہ رمی وقت سے قبل ہوگا جو درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس شب کے طلوع فجر صادق تک ۹/ذی الحجہ ہے، طلوع فجر صادق کے بعد تاریخ بدل جائے گی۔

شوال المکرم ۲۷ھ میں اخبارات میں رمی جمرات کے حوالہ سے یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ جمرات کی توسیع کی گئی ہے جہاں اب پانچ گھنٹہ میں بارہ لاکھ افراد رمی کرسکیں گے جبکہ ابھی دو منزل کی تعمیر اور باقی ہے تو انشاء اللہ مزید افراد رمی کرسکیں گے۔ اس لیے وقت میں توسیع کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی اور قبل الزوال کی رمی پر کوئی نص نہیں ہے، اور ائمہ اربعہ کا تقریباً اتفاق ہے کہ قبل زوال رمی جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام

ڈاکٹر محمد بہاء الدین ندوی (کیرالہ)

(الف) رمی جمار کے اوقات میں توسیع کا مسئلہ:

۱- ''یجوز الرمي قبل طلوع الشمس بعد طلوع الفجر ولكن لایجوز قبله كما في الكتب الفقهیة'' (البحر الرائق ۲/۶۰۴-۶۰۵، الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۳۳)۔

۲- ''لایجوز الرمي من طلوع الفجر من الیوم الثاني والثالث من أیام النحر'' (البحر الرائق ۲/ ۶۹۰، المبسوط للسرخسی ۴/ ۶۸)۔

۳- ''یكره الرمي بعد غروب الشمس في الیوم الثاني والثالث من أیام النحر'' (الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۲۳۳، الدرالمختار ۲/ ۵۶۷)۔

۴- ''لایلزم الرمي لأنه یجوز النفر إلی قبل طلوع الفجر وإن مكث حتی طلع الفجر یلزم علیه الرمي للیوم الرابع من أیام النحر'' (الدرالمختار ۲/ ۵۷۴، البحر الرائق ۲/ ۶۱۲)۔

۵- ''یجوز الرمي للضعفاء وللشیوخ والمرضی من اللیل'' (حاشیہ ردالمحتار ۲/ ۵۶۷)۔

(ب) منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام کا مسئلہ:

۱- ''قیام الحجاج الكرام في هذه الأیام سنة'' (البحر الرائق ۲/ ۶۱۰، المبسوط

۴/۶۷-۶۸)۔

۲- ''یصح الحج بغیر کراهة ولکن قال أصحابنا فقد أساء ولا شیٔ علیه''

(البنایه ۴/۱۳۶-المبسوط ۴/۶۸)۔

۳- ''یجوز القیام في مکة المکرمة وغیرها من الأمکنة مطلقاً لأن القیام بمنیٰ في هذه الأیام لیس بواجب بل هو سنة'' واللّٰه أعلم بالصواب۔

☆☆☆

رمی جمرات کے اوقات

مولانا محمد شاہ نجم ☆

۱- دس ذی الحجہ کو امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جمرہ عقبہ کی رمی کا اول وقت صبح صادق کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے رمی جائز نہیں ہے، اگر کسی نے کرلی تو اس کو اعادہ کرنا ہوگا (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۶)۔

شوافع کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کو نصف شب سے ہی رمی جمار کا وقت شروع ہوجاتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں امام نووی رقمطراز ہیں:

"وهذا المذكور في جمرة العقبة يوم النحر سنة باتفاقهم وعندنا يجوز تقديمه من نصف ليلة النهار" (شرح مسلم للنووی ۱/۴۱۰)۔

حضرات شوافع اپنا مستدل حضرت عائشہؓ سے مروی احادیث کو بناتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت اسماء نے رات میں رمی کی تھی (ابوداؤد ۱/۲۶۸، بخاری ۱/۲۲۷)۔

احناف کے نزدیک دسویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت مسنون طلوع شمس کے بعد سے زوال شمس تک ہے اور بعد زوال شمس تا غروب شمس رمی بلا کراہت جائز ہے، غروب شمس کے بعد سے اخیر رات تک رمی کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے، البتہ معذور لوگوں کے لیے رات میں بلا کراہت رمی جائز ہے (دیکھئے: اعلاء السنن ۱۰/۷۹، بدائع الصنائع ۲/۳۲۳، عنایہ ۲/۳۹۴)۔

☆ المعہد العالی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

اس سلسلہ میں حضرات احناف درج ذیل احادیث پیش کرتے ہیں:

''عن ابن عباس قال قدمنا رسول اللّٰہ ﷺ لیلة المزدلفة أغلیمة بنی عبد المطلب علی جمرات فجعل یلطح آفخاذنا ویقول: ابینی! لاترموا الجمرة حتی تطلع الشمس'' (أبوداؤد۱/ ۲۶۸)۔

''عن جابرؓ فقال: رمی رسول اللّٰہ ﷺ الجمرة یوم النحر ضحی وأما بعد فإذا زالت الشمس'' (مسلم شریف۱/ ۴۲۰)۔

مذکورہ بالا احادیث کے پیش نظر احناف کے یہاں ۱۰/ ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے، البتہ وقت مسنون طلوع آفتاب کے بعد ہے، لہٰذا ۱۰/ ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق سے رمی کی جاسکتی ہے۔

۲- جہاں تک ۱۱/ اور ۱۲/ ذی الحجہ کی رمی کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا وقت زوال شمس کے بعد شروع ہوتا ہے، اور رات تک رہتا ہے۔

''وأجمع علی أن من سنة رمی الجمار الثلاث فی أیام التشریق أن یکون بعد الزوال'' (بدایۃ المجتہد۱/ ۲۵۸)۔

خود حدیث شریف سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذی الحجہ کو زوال شمس کے بعد تینوں جمرات پر رمی فرمائی تھی، نیز صحابہ کرامؓ کا بھی عمل زوال شمس کے بعد ہی رمی کرنے کا تھا اور لوگوں کو بھی زوال شمس کے بعد ہی رمی کرنے کا حکم دیتے تھے۔

''عن جابرؓ قال: رمی رسول اللّٰہ ﷺ الجمرة یوم النحر ورمی بعد یوم النحر إذا زالت الشمس'' (مسلم شریف۱/ ۴۲۰، أبوداؤد۱/ ۲۶۸)۔

لیکن احادیث نبویہ کی روشنی میں یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ مذکورہ ایام میں رمی جمار کا مسنون وقت زوال شمس کے بعد سے غروب شمس تک رہتا ہے، اور غروب شمس کے بعد سے آخر رات تک رمی کا مکروہ وقت ہے، البتہ معذور لوگوں اور عورتوں کے لیے اس وقت بھی

بلا کراہت رمی جائز ہے۔

جمہور فقہاء اور احناف کا مشہور ومعتمد قول یہی ہے کہ زوال شمس سے قبل ۱۱/اور ۱۲/ ذی الحجہ کو رمی کا وقت نہیں ہے، زوال شمس کے بعد ہی رمی کا وقت شروع ہوتا ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴، شرح لباب/ ۱۶۱)۔

لیکن موجودہ حالات کے پیش نظر چونکہ حجاج کی کثیر تعداد رمی جمار کے موقعہ پر اکٹھا ہوجاتی ہے، مکمل نظم ونسق کے باوجود رمی جمار کے وقت ہزاروں کی تعداد میں حجاج کرام جاں بحق ہوجاتے ہیں، اس لیے اقوال ائمہ کی روشنی میں وسعت کو اختیار کرتے ہوئے ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ملتی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ملتی ہے جس میں صبح صادق سے رمی کی گنجائش ثابت ہوتی ہے، اگرچہ یہ غیر مشہور روایت ہے اور ظاہر الروایت کے خلاف بھی ہے مگر شدید ضرورت کے پیش نظر اس پر عمل کیا جاسکتا ہے، لیکن اس پر عمومی فتویٰ اور اعلان کرنے سے گریز کرنا چاہئے چونکہ یہ آپ ﷺ کے عمل اور تعامل صحابہ ومجتہدین کے خلاف ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)۔

۳- احناف کے نزدیک غیر معذور شخص کے لیے ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد سے اگلے روز کی صبح صادق سے قبل تک کرنا مکروہ ہے، البتہ رمی کی ادائیگی ہوجائے گی اور کوئی جزا واجب نہیں ہوگا، لیکن ضعیف افراد، عورتوں اور بچوں کے لیے اس وقت رمی کرنا مکروہ نہیں ہے۔

اسی طرح اگر شدید ازدحام کی وجہ سے اگر کوئی غیر معذور شخص دن میں رمی نہ کرسکا تو ایسے شخص کے لیے رات میں رمی کرنے میں کوئی کراہت نہ ہوگی، کیونکہ شدید ازدحام بھی عذر ہے، اور ایسا شخص معذور افراد میں شمار ہوگا (شرح لباب/ ۱۶۱، بدائع الصنائع ۲/ ۳۴۴)۔

۴- اگر کسی شخص کو ۱۲/ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ واپس ہونے اور ۱۳/ذی الحجہ کو رمی نہ کرنے کا ارادہ ہو تو اس کے لیے بہتر اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ ۱۲/ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے منیٰ

سے نکل کر مکہ چلا جائے، اور اگر ۱۲/ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد تک منیٰ میں رک جاتا ہے تو اس کے لیے رات میں نکلنا مکروہ ہے، لیکن ازدحام کی وجہ سے یہ کراہت ختم ہوگئی، اور اس پر ۱۳/ ذی الحجہ کی رمی بھی واجب نہیں ہوگی، اس لیے اب یہ شخص رات میں کسی وقت بھی اگلے روز صبح صادق سے قبل منیٰ سے مکہ مکرمہ جاسکتا ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اور ۱۳/ذی الحجہ کی رمی بھی واجب نہیں ہوگی۔ البتہ اگر ۱۳/ذی الحجہ کی صبح صادق ہوجائے تو اب ۱۳/ذی الحجہ کی رمی واجب ہوگی، بغیر رمی کئے مکہ جانے پر دم واجب ہوگا۔

احناف کے نزدیک ظاہر الروایۃ اور راجح قول یہی ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر منیٰ میں رہتے ہوئے آفتاب غروب ہوجائے تو اب بغیر ۱۳/ذی الحجہ کی رمی کئے ہوئے جانے پر دم واجب ہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۴، شرح لباب/ ۱۶۳)۔

۵- دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر ۱۱/ذی الحجہ کی صبح صادق سے قبل تک چوبیس گھنٹے کا وقت ملتا ہے جس میں اطمینان وسکون کے ساتھ تمام حجاج کرام رمی کرسکتے ہیں، اس لیے کوئی شرعی ضرورت درکار نہیں ہے جس کی وجہ سے نصف شب سے ہی رمی کی اجازت دے دی جائے، البتہ اگر کوئی شرعی ضرورت پائی جاتی ہو یا چوبیس گھنٹے کے اندر اندر رمی کرنا ناممکن ہو اور ازدحام کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں نصف شب سے رمی کی اجازت دی جاسکتی ہے، جیسا کہ حضرت امام شافعی کے یہاں دس تاریخ کی نصف شب سے ہی رمی کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اس لیے ضرورت کے پیش نظر اس قول پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

رمی جمار اور منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا سید قمر الدین محمود

۱، ۲، ۳- رمی جمار کے سلسلہ میں ایک مسئلہ ہے دسویں تاریخ یوم النحر کے روز جمرۂ عقبہ کی رمی کا، اور دوسرا مسئلہ ہے گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخ کے روز تینوں جمرات کی رمی کا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے اعتبار سے یوم النحر کے روز جمرۂ عقبہ کی رمی کا وقت طلوع آفتاب کے بعد افضل وقت ہے اور طلوع صبح صادق کے بعد جائز ہے، نیز گیارہویں، بارہویں تاریخ کو زوال کے بعد وقت شروع ہوتا ہے جو غروب تک افضل ہے۔ غروب کے بعد بغیر عذر کے تاخیر مکروہ ہے۔ تیرہویں تاریخ کو رمی جمار زوال کے بعد افضل ہے لیکن تیرہویں تاریخ کو طلوع فجر کے بعد بھی رمی جائز ہے۔

حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں دسویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد ہی رمی کی ہے البتہ کمزور، عورتوں اور بچوں کو عید کی رات میں مزدلفہ سے منیٰ جانے کی اجازت دی، اس سے معلوم ہوا کہ کمزور، عورتوں، بچوں وغیرہ کے لیے طلوع فجر سے پہلے یا طلوع فجر کے بعد رمی جمرۂ عقبہ کی گنجائش ہے۔ لیکن جو رمی پر قادر ہیں اور استطاعت رکھتے ہیں ان کو طلوع آفتاب کے بعد ہی کرنی چاہئے۔ نیز حج کے ایام میں دن گذرنے کے بعد والی رات کو گذرے ہوئے دن کی رات شمار کیا گیا ہے اور وقت میں کافی توسیع ہے۔ اگر ہجوم کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے غروب تک رمی نہ بھی کرسکے تو رات میں کسی وقت بھی کرسکتا ہے اور عذر کی وجہ سے تاخیر ہو تو کراہت بھی نہیں رہے گی، اس بنا پر دسویں تاریخ کی جمرۂ عقبہ کی رمی کو نصف رات کے بعد

کرنے کی اجازت محلِ نظر ہے۔

اسی طرح گیارہویں، بارہویں تاریخ کو حضور ﷺ نے زوال کے بعد رمی فرمائی ہے اور یہ حضور ﷺ کا آخری حج ہے، اگر زوال سے قبل رمی شروع ہوتی تو حضور ﷺ بارہویں تاریخ کو زوال سے پہلے رمی فرما کرامت کو یہ بتا دیتے کہ زوال سے قبل بھی رمی کی اجازت ہے۔ اور پھر جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ رمی کے وقت میں کافی توسع ہے، ہجوم اور رش بھی ایک عذر ہے، اور عذر کی حالت میں رمی کو غروب کے بعد تک بلکہ رات تک مؤخر کرنے میں کراہت بھی نہیں ہے، لہٰذا زوال سے قبل گیارہویں، بارہویں تاریخ کو رمی کی اجازت بھی محلِ نظر ہے۔

ہجوم اور رش کی بنا پر جانوں کی ہلاکت یا نقصان کو جو لوگ رمی جمار میں قبل زوال اجازت دینے کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں ان سے عرض ہے کہ انسان کی فطرت میں عجلت پسندی ہے اور رمی کا وقت شروع ہوتے ہی یعنی زوال کے بعد فوراً ہی لوگ رمی جمار کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں اس کی وجہ سے جانوں کی ہلاکت یا نقصان ہوتا ہے جبکہ وقت میں اتنا توسع ہے کہ غروب تک رمی کر سکتے ہیں اور عذر کی حالت میں غروب کے بعد سے اگلے روز کی صبح صادق طلوع ہونے سے قبل تک کر سکتے ہیں، لہٰذا یہ عذر کہ جانوں کا اتلاف ہوتا ہے اس لیے زوال سے قبل گیارہویں، بارہویں کو رمی کی اجازت ہونی چاہئے اور عید کے نصف شب کے بعد سے اجازت ہونی چاہئے یہ عذر قابل قبول نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر زوال سے قبل رمی جمار کی اجازت دیدی جائے تو صبح کا وقت ٹھنڈا ہونے کی بنا پر وہی ہجوم اور رش ہوگا اور وہی مفسدہ پیش آئے گا، لہٰذا زوال سے قبل گیارہویں، بارہویں تاریخ کو رمی کی اجازت دینا محلِ نظر ہے، بظاہر اس کا جواز معلوم نہیں ہوتا۔

اسی طرح عید کے روز جمرۂ عقبہ کی رمی کی اجازت قبل طلوع صبح صادق محلِ نظر ہے، البتہ کمزور مردوں، عورتوں، بچوں کے لیے تو اجازت ہے ہی۔

بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک رعایت کی ہے کہ اگر عذر کی وجہ سے اس روز کی رمی جس روز واجب تھی نہ کر سکا تو دوسرے دن رمی کر لے، اسی طرح تیرہویں تاریخ کے غروب تک چھوٹی

ہوئی رمی کر سکتا ہے، لہذا ہجوم اور رش کے عذر کی بنا پر قبل زوال گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو رمی کی اجازت نہیں ہوگی۔

۴- اگر ۱۲ رذی الحجہ کو ہجوم کی وجہ سے غروب تک رمی نہیں کی جا سکی اور مغرب کے بعد یا رات میں رمی کر کے مکہ مکرمہ چلا جائے تو ۱۳ رذی الحجہ کی رمی لازم نہیں ہوگی۔

۵- بوڑھے، ضعیف، بیمار، معذور، خواتین اور ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لیے دسویں تاریخ کی رمی دسویں شب کی نصف سے کرنے کی اجازت ہوگی۔

منیٰ کے باہر حدود حرم میں قیام:

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور وہ عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے اور عام طور پر لوگ ایک ہی مرتبہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے جاتے ہیں اس لیے اس میں زیادہ سے زیادہ اہتمام اس بات کا ہونا چاہئے کہ اس فریضہ کی ادائیگی سنت کے مطابق ہو، حتیٰ الامکان واجبات، مستحبات اور افضل کی رعایت ارکان وافعال کی ادائیگی میں کی جائے۔

حج کے ایام میں مزدلفہ والی رات کو چھوڑ کر بقیہ راتیں منیٰ میں ٹھہرنا اور گذارنا سنت ہے لہذا حتی الامکان اس کی رعایت ضروری ہے۔ آج کل بے پناہ ہجوم اور رش کی وجہ سے منیٰ کی ایک محدود جگہ حجاج کرام کے لیے کافی نہیں ہوتی اس بنا پر خیمے مزدلفہ کی حدود میں بھی لگائے جاتے ہیں، اس صورت میں وہ حجاج کرام جن کے خیمے منیٰ کی حد سے باہر مزدلفہ میں ہوتے ہیں ان کو وہاں قیام کرنا ہوتا ہے اس طرح ان کے قیام منیٰ کی سنت چھوٹ جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ ایک مجبوری کی صورت ہے حاجی اس سے خوش نہیں ہوتا بلکہ دل میں کڑھن محسوس کرتا ہے مگر انتظام حکومت کی وجہ سے مجبور ہے تو اس صورت میں منیٰ کے قیام کی سنت چھوٹ جانے کی وجہ سے ان کے ذمہ مؤاخذہ نہیں ہوگا کیونکہ ویسے بھی یہ سنت ہے۔ اور عذر کی حالت میں سنت کو چھوڑنے کی اجازت ہے اور اس سے حج میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

حکومت تمام حجاج کے لیے خیموں کا انتظام کرتی ہے لہذا جو لوگ حی العزیزیہ میں قیام کرکے یا مکہ مکرمہ میں قیام کرکے رمی کے لیے منیٰ میں جاتے ہیں وہ تارک سنت ہوں گے۔ اگرچہ حج تو ادا ہو جائے گا مگر سنت کے مطابق نہ ہوگا۔

☆☆☆

تیسرا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

رمی جمار کے اوقات اور منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام

[اس مناقشہ کو مولانا احمد اور القاسمی نے کیسٹ سے نوٹ کیا
اور مولانا امتیاز احمد قاسمی نے اسے ایڈٹ کیا ہے]

مولانا سید قمر الدین محمود:

۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کی اجازت اس لئے بھی نہیں دینی چاہئے کہ اس کے وقت میں توسع ہے، زوال سے لے کر اگلی تاریخ کی صبح صادق تک اس میں گنجائش ہے، اور یہ مشاہدہ ہے کہ انسان عام طور پر اپنے کام میں جلدی کرتا ہے، قرآن کریم میں ہے: "إن الإنسان خلق هلوعا" (سورۂ معارج: ۱۹) (انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے)، اس لئے ایک مسئلہ یہ بھی ہے اور عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ زوال کے بعد لوگ رمی کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں، اسی وجہ سے جو حادثات ہوتے ہیں وہ زوال سے لے کر عصر کی نماز تک، اس کے بعد یہ حادثات نہیں ہوتے، الحمدللہ گذشتہ سالوں سے میں حج پر جارہا ہوں، اور میرا خود تجربہ ہے اور میں نے ایسا کیا بھی کہ عصر کی نماز کے بعد اپنے ساتھ قافلہ کو لے گیا اس میں کچھ بزرگ بھی تھے اور عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے الحمدللہ بہت اطمینان کے ساتھ ہم لوگوں نے رمی کی، یہ پانچ سال تسلسل کے ساتھ ہوا، اور اس سے پہلے بھی ہوا اور ہوتا رہا ہے، تو بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وقت کے اندر اتنی زیادہ گنجائش ہے کہ اس وقت کے علاوہ میں رمی کی اجازت دینے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا، اس کے علاوہ اگر عذر کی وجہ سے کوئی واجب چھوٹ جاتا ہے تو اس میں گنجائش ہے، اجازت

ہے، اگر ازدحام کی وجہ سے غروب آفتاب سے پہلے آپ رمی نہیں کرسکے اور غروب کے بعد بھی آپ رمی کرتے ہیں تو اس میں بھی عذر کی وجہ سے کوئی کراہت نہیں ہوگی اور طلوع صبح صادق تک اس میں گنجائش ہے، اس لئے عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ عصر بعد سے لے کر رات دیر تک لوگ رمی کرتے رہتے ہیں اور کوئی دقت پیش نہیں آتی ہے، ساری دقت اس لئے ہوتی ہے کہ زوال کے بعد فوراً رمی کرکے بارہویں تاریخ کو طواف کے لئے مکہ مکرمہ جانا چاہتے ہیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی گنجائش نہیں رہنی چاہئے اور جو اوقات کی تحدید کی گئی ہے اس کے مطابق ہی ہونا چاہئے، رہا یہ کہ اس سے پہلے رات کے وقت میں جو کمزور حضرات اور عورتیں ہیں ان کے لئے گنجائش نکلتی ہے، یہاں تک کہ بعض فقہاء نے کہا کہ آج کے دن کی رمی نہیں ہوسکی ہے کسی وجہ سے تو اگلے دن رمی کرلے، اور اگلے دن رمی کرے گا تو اس کے اوپر دم بھی واجب نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں گنجائش ہے کہ آج کی رمی کل تک کے لئے بھی کسی عذر کی بناپر موخر کرسکتے ہیں، جیسا کہ متاخرین نے اور مولانا خالد سیف اللہ نے فرمایا کہ علامہ شامیؒ نے ازدہام کو عذر قرار دیا ہے، تو اسی عذر کی وجہ سے اگر رمی میں تاخیر ہورہی ہے اور اسے دوسرے دن کسی وجہ سے کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہاں تک کہ تیرہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک گنجائش نکلتی ہے، اسی طرح اگر ازدحام اور عذر کی وجہ سے بارہ تاریخ کو غروب کے بعد رمی کرکے وہ مکہ مکرمہ جاتا ہے تو اس میں اجازت ہے، تیرہویں تاریخ کی رمی اس کے اوپر لازم نہیں ہوتی، یہ میری رائے ہے اور دلائل آپ کے سامنے آہی چکے ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ: جیسا کہ مولانا قمر الدین صاحب نے فرمایا واقعی اس مسئلہ میں حنفیہ کے یہاں جو وسعت ہے اور بالخصوص صاحبین کی اس رائے کو اس کے ساتھ ملالیا جائے کہ رمی کی قضا اگر ایام تشریق کے اندر اندر کرلی جائے تو دم واجب نہیں ہوگا تو اس کا دائرہ اور وسیع ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ مولانا کو جزائے خیر دے۔

مولانا سید قمر الدین محمود:

اگر جمرہ عقبہ کی رمی کی اجازت طلوع صبح صادق سے پہلے دی جاتی ہے تو وقوف مزدلفہ جو واجب ہے وہ چھوٹ جائے گا، البتہ جو معذور ہیں وہ عذر کی وجہ سے وقوف مزدلفہ کو چھوڑ سکتے ہیں، لیکن بغیر عذر کے اس واجب کو نہیں چھوڑا جاسکتا، اس لئے عام لوگوں کے لئے طلوع صبح صادق سے قبل جمرہ عقبہ کی رمی کی اجازت نہیں ہوگی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

پہلے جمرات ستون کی شکل میں تھے اب وہ تقریباً تیس پینتیس فٹ کے بنا دیئے گئے ہیں، یعنی یوں کہئے کہ شیطان اب تھوڑا بڑا ہوگیا ہے، اس لئے رمی میں سہولت بھی ہوگئی ہے، اب یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی، وہاں سعودی عرب میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث ہے، میں مولانا کا شکر گزار ہوں۔

مولانا ارشد فاروقی:

سب سے پہلے یہ بات عرض کرنی ہے کہ غالباً ہمارے اس سمینار کی اور اس سمینار میں اور مناقشہ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی آہٹ سعودی حکومت نے محسوس کرلی ہے اور انہوں نے ایسا نیا نظم کرنا شروع کردیا ہے، لیکن فقہ تقدیری کے ہم قائل نہیں، اس لئے طلوع صبح صادق سے پہلے رمی کی اجازت دینے کی کوئی صورت ان احادیث کو سامنے رکھ کر نظر نہیں آرہی ہے، جو رمی جمرات کے اوقات کی تعیین کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، بقیہ باتیں آگئی ہیں، اس لئے ان کو مکرر ذکر کرنا مناسب نہیں ہے، شکریہ۔

مولانا ابرار خاں ندوی:

ہمارے یہاں ضعفاء اور معذورین کو جو اجازت ہے کہ مستحب اوقات کے علاوہ میں ان کے لئے رمی کی گنجائش ہے، اور اجازت کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ان کی جان کو خطرہ ہے، وہ

کمزور ہیں، ازدہام میں ان کو رمی کرتے ہوئے دشواری ہوگی، لیکن سوال یہ پیدا ہو رہا ہے کہ نوجوان اور تندرست حجاج کی تعداد میں اضافہ ہو تو ان کو ازدہام کی وجہ سے اجازت ہوگی یا نہیں؟

مولانا عتیق احمد قاسمی:

اصل مسئلہ یہ ہے کہ شریعت نے بیماروں اور کمزوروں کے لئے جو گنجائش اور سہولت دی ہے، ان گنجائشوں اور سہولتوں سے **لوگ** واقف نہیں ہیں، انہوں نے جو مسائل سن لئے، یا پڑھ لئے ہیں کہ فلاں وقت میں رمی کرنی ہے، تو اسی لحاظ سے وہ **عمل** کرتے ہیں، ان مسائل کی باضابطہ ان کوٹریننگ نہیں ہوتی، اور مزاج بنایا نہیں جاتا، اس لئے حوادث پیش آتے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ علماء کرام کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ حج میں جانے والوں کی تربیت کے نظام کو قائم کریں اور جس مسئلہ کی جو حیثیت ہے اس کو واضح کریں کہ حج کے کون سے ارکان ہیں، کون واجبات ہیں، کون مستحبات ہیں۔ تاکہ مان لیجئے کہ اگر کسی مستحب پر **عمل** نہیں کر پا رہے ہیں اور ان سے **عمل** کی صورت میں جان کی ضیاع کا اندیشہ ہے، یا غیر معمولی مشقت میں پڑنے کا خطرہ ہے تو اس کا لحاظ ضرور کیا کریں، میں سمجھتا ہوں کہ مختلف روایتوں کی بنیاد پر جو گنجائشیں فقہ اسلامی میں ہیں ان گنجائشوں کا استعمال کرتے ہوئے ہم اس کا خیال کریں کہ جو قول جمہور کا ہو، مفتی بہ اور راجح قول ہو اس پر قائم رہیں، جیسے زوال سے پہلے رمی کی بات ہے تو زوال سے پہلے رمی کی بھی ایک روایت امام ابو حنیفہ سے معروف ہے، یعنی غیر مشہور روایت امام صاحب کی ہے، مفتی بہ تو وہی روایت ہے کہ زوال سے پہلے گیارہ بارہ کو رمی نہیں ہے، لیکن جیسا کہ **مولانا** نے فرمایا کہ کافی وقت ہوتا ہے، اگر **لوگ** زوال کے بعد فوراً رمی نہ کریں اور فوراً نکلنے کا نہ سوچیں، **بلکہ** تھوڑا سا رک جائیں تو رکنے کی صورت میں خطرہ بہت حد تک **کم** ہو جاتا ہے اور گنجائش ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے خطرات پیش نہیں آتے۔

اصحاب اعذار کے لئے ان مسائل میں گنجائشیں موجود ہیں، لیکن رجحان یہی بنانا

چاہئے کہ جو مستحب اوقات اور افضل اوقات ہیں ان کو ہی اختیار کریں، اس وقت انتظام میں جو تبدیلیاں ہورہی ہیں ان تبدیلیوں کی وجہ سے یہ دشواریاں انشاءاللہ خودبخود ختم ہوجائیں گی، میں امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات بقیہ موضوعات پر گفتگو فرمائیں گے۔

مفتی شعیب صاحب:

حج کے دوران رمی جمار، منیٰ اور مزدلفہ میں جو ازدہام ہوتا ہے حکومت بھی اس کے انتظام میں پریشان ہوجاتی ہے، حالانکہ حکومت نے اپنے نظم ونسق میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، بعض لوگ تو سورج نکلنے کے بعد منیٰ پہنچتے ہیں، اس لئے صبح صادق سے قبل رمی کی گنجائش دینا مناسب نہیں ہے، البتہ مخصوص حضرات مثلاً معذورین، مریض اور کمزور افراد کے لئے اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، اس لئے کہ متعینہ وقت کے اندر خود ہی اتنی گنجائش ہے کہ اس سے قبل یا اس کے بعد رمی کرنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی، اس سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں تو مزید توسع ہے، اسی طرح ۱۲ر تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے، اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ جلدی سے رمی کرلے اور دوسرے کا خیال نہیں کیا جاتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مولانا شعیب صاحب کا نقطۂ نظر آپ کے سامنے آیا اور آپ نے سن لیا کہ اصل مسئلہ صحیح وقت کے انتخاب کا ہے، وقت میں بہت وسعت ہے، لوگ جلد بازی سے کام نہ لیں اور صحیح وقت کا انتخاب کریں تو وقت کے اندر ہی رمی کرسکتے ہیں، بہت سے لوگ جو وہاں گئے ہیں، انہیں اس کا اندازہ ہوگا، میری والدہ مرحومہ جن کی عمر ساٹھ ستر برس کی تھی ان سے بھی میں نے رمی کرائی اور مجھے کسی طرح کی دقت پیش نہیں آئی، اگر آدمی صحیح وقت میں یعنی عصر کے بعد جائے تو آسانی سے رمی کرسکتا ہے، اسی پہلو کو ہمیں ملحوظ رکھنا چاہئے، میں یہ چاہتا ہوں کہ کچھ حضرات جنہوں نے اس مسئلہ پر مقالات لکھے ہیں وہ بھی اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کریں۔

مفتی جمیل احمد نذیری:

یہ وقت اگر چہ مکروہ ہے، لیکن حادثات کی وجہ سے کراہت کے حکم میں بھی نہیں رہتا، اس سلسلہ میں آخری بات یہ ہے کہ معذور، بیمار اور کمزور افراد کے لئے دس ذی الحجہ کے اوقات رمی میں گنجائش کی جو بات کی جارہی ہے، احقر کا خیال یہ ہے کہ اس میں گنجائش نہیں دی جاسکتی ہے، ماہنامہ فرقان لکھنؤ کی طرف سے احقر کو ایک استفتاء موصول ہوا تھا، اس کے جواب میں ہم نے ۲۰۰۱ء کے شمارے کے لئے ایک تفصیلی مقالہ لکھا تھا، اور اس سلسلہ میں جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے، اس کی تفصیل اعلاء السنن، فتح الباری، مرقاۃ المفاتیح وغیرہ میں موجود ہے، جیسا کہ کچھ حضرات کی رائے یہ آئی کہ بیمار، معذور اور عورتوں کے لئے جلدی سے جلدی رمی کی اجازت دی جائے، ازدہام کی بنیاد پر یا کسی امام کے قول کی بنیاد پر تو اس کے بارے میں احقر کا خیال یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اس کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ حدیث ضعیف ہے، جس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس کا حل موجود ہے کہ گیارہ کی رمی بارہ تاریخ کرلے۔

مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی:

رمی کے سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں جو دن اور اوقات کا ذکر کیا گیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بہت توسع ہے، اور اس میں رمی کی گنجائش ہے، اور اصل مسئلہ یہ ہے کہ وقت کا انتخاب کرنے میں احتیاط برتیں تو حادثے بہت کم ہوجائیں گے اور جو اوقات ذکر کئے گئے ہیں وہ کافی ہیں، اس میں مزید توسع کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اس پہلو پر بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت امام صاحبؒ کا جو قول غیر مشہور ذکر کیا گیا ہے، موجودہ حالات میں اس سے فائدہ اٹھانے کا حکم کیا ہوگا؟

مفتی نذیر احمد کشمیری:

طلوع آفتاب سے پہلے رمی کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ہمارے مفتی نذیر صاحب نے عملی اور تجرباتی پہلو کی طرف متوجہ کیا ہے، لیکن جہاں تک میرے علم میں ہے صبح صادق سے طلوع آفتاب کے درمیان رمی کی گنجائش ہے، گو یہ کہ اس کا وقت مکروہ ہے، مگر حنفیہ کے یہاں اس کی گنجائش ہے۔

مفتی انور علی اعظمی:

دسویں تاریخ کو صبح صادق سے رمی کی عام اجازت دی جاتی ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وقوف مزدلفہ کی اہمیت لوگوں کی نگاہ میں کم ہوجائے گی اور بہت سارے لوگ صبح صادق کے بعد رمی کرنے کے لئے پہلے ہی سے مزدلفہ کو چھوڑ کر رمی کے لئے چل دیں گے، جبکہ صبح صادق کے بعد وقوف مزدلفہ کا وقت ہے، وقوف مزدلفہ جو ہمارے یہاں واجب ہے اور اس کے چھوڑنے پر دم کے وجوب کے بھی اقوال موجود ہیں، اس کا اہتمام نہ کرنا، یا اس کو چھوڑ دینا، یہ حج کا بڑا نقصان ہے۔

دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ گیارہ اور بارہ کو زوال سے پہلے رمی کا جو قول امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے، وہ نوادر کی روایت ہے، اور فتاوی کے لئے سب سے پہلے نصوص دیکھی جاتی ہیں، اور نصوص کے بعد فقہی روایات میں سب سے پہلے ظاہر الروایۃ کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لئے فقہاء کے یہاں گیارہ اور بارہ کے بارے میں واضح نص موجود ہے اور ظاہر الروایہ سے اس کی بہت ہی واضح اور صریح تائید ملتی ہے، اس کو نظر انداز کر کے گیارہ اور بارہ کا زوال سے پہلے رمی کرنے کے قول کو اختیار کرنا، ایک تو یہ کہ حنفیہ کے مفتی بہ قول کو چھوڑنا ہے اور دوسرے یہ کہ یہ گویا پہلے سے بہت ہی مشہور قول چلا آرہا ہے اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے، اس سے انحراف

کرنا ہے، یہ خود حنفیہ کے درمیان ایک طرح سے انتشار پیدا کرنا ہوگا، اس لئے ہمیں بہر حال مفتی بہ اقوال کی رعایت کرنی چاہئے اور اس کے خلاف بہت ہی مجبوری اور مشقت اور ضرورت شدیدہ ہو تو عمل کرنا چاہئے، تھوڑی موڑی آسانی یا تھوڑی پریشانی کی بناپر اس کو چھوڑنا کوئی اچھی علامت نہیں ہے اور جیسا کہ آپ سب کے علم میں ہے کہ حج کے ایام میں رات دن کے تابع ہوتی ہے، لہذا زوال سے پہلے والی گنجائش نہ دے کر لوگوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ زوال کے بعد، عصر کے بعد، مغرب کے بعد جو گنجائشیں دی گئیں ہیں، ان گنجائشوں پر عمل کریں تو کام وقت کے اندر رہوگا اور بالآخر ہمارا آپ کا عمل سنت کے مطابق ہو جائے گا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ، حضرت مفتی صاحب نے اصولی باتیں بیان فرمائی ہیں، جہاں تک گیارہ اور بارہ کو زوال شمس کے بعد رمی کے سلسلہ میں نصوص کا تعلق ہے تو وہ غالبا احادیث فعلیہ ہیں، جس میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے زوال کے بعد رمی کی، ان میں بعض صحابہ کہتے ہیں کہ ہم زوال کا انتظار کرتے تھے اور جب زوال ہو جاتا تھا تب رمی کرتے تھے، اسی لئے حنفیہ نے ان مسائل کو استحباب پر محمول کیا ہے، غالبا کوئی ایسی حدیث قولی نہیں ہے جس میں زوال آفتاب سے پہلے رمی کی ممانعت پائی جاتی ہو۔

مولانا ذکاء اللہ شبلی:

آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

آپ نے مولانا ذکاء اللہ صاحب کے نقطۂ نظر کو سنا، ہوسکتا ہے کہ امسال معلمین نے اس کا حکم دیا ہوگا، لیکن آپ حضرات نے دیکھا ہوگا کہ مزدلفہ سے نصف شب کے بعد ہی بڑی تعداد میں لوگ نکلتے ہیں، اس سال ہم لوگوں کے ساتھ ایک عرب عالم تھے وہ یہی چاہتے تھے کہ

رات میں ہی ہم لوگوں کو وہ منیٰ پہنچا دیں، پھر ہم لوگوں نے بہت اصرار کیا یہاں تک ہم لوگ گاڑی سے اتر گئے، اور کہا کہ اگر آپ جانا بھی چاہیں گے تو ہم اس وقت نہیں جائیں گے تب جا کر انہوں نے توقف کیا، تو اس میں سب سے بڑا مسئلہ ہے وقوف مزدلفہ کا، کیونکہ ہمارے یہاں طلوع صبح صادق کے بعد سے اشراق تک یعنی طلوع شمس سے بقدر دو رکعت پہلے تک ہے، اسی درمیان کا وقوف واجب ہے، صبح صادق سے اگر دس تاریخ کو رمی کی جائے تو یہ ایک اہم واجب جو اس تاریخ کا ہے وہ چھوٹ جاتا ہے، اسے کیسے ادا کیا جائے، بہر حال میں کسی رائے کا اظہار نہیں کرتا جو آپ حضرات نے نقل فرمایا ہے اسی کا ذکر کر رہا ہوں۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی:

آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

گیارہ اور بارہ تاریخ کو زوال سے قبل رمی کی بات چل رہی ہے، اس میں دو چیزوں پر لوگوں کو غور کرنا چاہئے اور اس کی تحقیق کرنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا عمل ہمارے سامنے روایات کی روشنی میں ہے، اور آثار صحابہ بھی ہمارے سامنے ہیں، ایک عمل عہد نبوی سے اور عہد صحابہ میں مسلسل ہوا ہے، اور اس کے خلاف نہیں ہوا ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ بیان جواز کے لئے کم سے کم اگر کوئی چیز غیر افضل ہے تو اس کو اختیار فرمالیا کرتے تھے، یا آپ کے سامنے کوئی ایسی چیز ہوتی تو اجازت دے دیا کرتے تھے، تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کیا روایات میں یا احادیث وآثار میں ایسی کوئی مثال ہمیں ملتی ہے کہ عہد نبوی میں یا عہد صحابہ میں گیارہ اور بارہ کو زوال سے پہلے کبھی رمی کی گئی ہے، اگر کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے تو اس میں گنجائش پیدا کرنے کی اور کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایسا کوئی سخت مسئلہ بھی نہیں ہے کہ گنجائش نہیں ہے، یہ سوال میں اس لئے اٹھا رہا ہوں کہ ہمارے علماء میں اصحاب تدریس ہیں، وہ کتب

حدیث سے اور کتب آثار سے نکال کر لائیں گے، کہ عہد نبوی میں، عہد صحابہ میں اور خیر القرون میں کیا زوال سے پہلے رمی کرنے کا عمل کچھ حضرات کا ثابت ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی ممانعت موجود ہے تب تو کوئی بات نہیں ہے، لیکن اب تک کی جو گفتگو ہماری آپ کی آئی ہے اس سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اس کی ممانعت کی بات نہیں ہے، اگر کسی کے پاس ممانعت کی بات ہو یا اگر کوئی ایسی روایت ہو تو اس کو اس موقع پر پیش کیا جائے تا کہ اس پر ہم لوگ غور کر سکیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

آپ حضرات اس سے زیادہ واقف ہیں اور اصول افتاء پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں کہ جہاں دشواری ہو وہاں پر امام کے قول مرجوح کو اختیار کیا جا سکتا ہے، یہ دیکھنا ہوگا کہ دوسرے مسائل جو مولانا نے ہمارے سامنے ذکر فرمایا ان کی ضرورت کس درجہ کی ہے، کیا اس کی ضرورت بھی اسی درجہ کی ہے، دوسرا مسئلہ مثل اور مثلین والا ہے وہ منصوص ہے اور یہ بھی کہ امام ابوحنیفہؒ نے صاحبین کی رائے کی طرف رجوع کر لیا تھا، اسی لئے فقہاء حنفیہ میں بھی بعض محدثین صاحبین کی رائے کی طرف گئے ہیں، جہاں تک مسئلہ رمی قبل الزوال کا ہے تو یہ مسئلہ بہر حال ایک مجتہد فیہ ہے، جس میں حضور ﷺ کے عہد میں عموما زوال سے پہلے رمی کرنے کا ذکر نہیں ملتا، اور عبارات میں اوقات اور مقادیر، یہ سب تعبدی ہوتے ہیں، زیادہ تر اس کی بنیاد نصوص پر ہوتی ہے، اس لئے اس میں زیادہ نصوص کو تلاش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، بہر حال ایک اہم پہلو کی طرف ہمارے مولانا اقبال صاحب نے توجہ دلائی، اللہ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے۔

قاضی عبد الجلیل قاسمی:

آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اصل میں زیادہ تر حادثات دس اور بارہ کو ہی ہوتے ہیں، دس تاریخ کو اس لئے کہ لوگ

چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد رمی کرلیں تاکہ احرام کھول سکیں، اور بارہ تاریخ کو اس لئے حادثات پیش آتے ہیں کہ لوگ رمی کرکے مکہ واپس جانا چاہتے ہیں، اور ان کے ذہن میں یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر دیر ہوجائے اور غروب تک منیٰ میں رہ گئے تو منیٰ کا وقوف واجب ہوجائے گا، اس لئے اگر امام صاحبؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے قبل زوال بھی رمی کی گنجائش ہوتو ازدحام پر کسی درجہ میں کنٹرول ہوسکتا ہے اور اس کا تجربہ بھی اس سال ہوا، اس لئے کہ اس سال وہاں کی گورنمنٹ اس کا بار بار اعلان کرتی رہی، اس کی وجہ سے اتنا زیادہ ازدحام دیکھنے میں نہیں آیا۔

مولانا شوکت ثنا قاسمی:

آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا نذر توحید مظاہری:

آواز صاف نہیں ہے۔

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی:

آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اس سلسلہ میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئے، ایک طلوع صادق سے پہلے رمی کا مسئلہ ہے، ایسا لگتا ہے کہ گذشتہ ادوار میں ازدہام کے کم ہونے کی وجہ سے آدمی کے لئے یہ بات ممکن تھی کہ صبح صادق کے بعد ابتدائی وقت میں وہ مزدلفہ میں وقوف کرکے طلوع آفتاب سے پہلے پہلے وہ منیٰ پہنچ جائے اور وہاں رمی کرلے، لیکن موجودہ حالات میں عملی طور پر یہ بات بہت دشوار معلوم ہوتی ہے کہ آدمی وقوف مزدلفہ جو کہ واجب ہے اس کو بھی ادا کرلے اور طلوع شمس سے پہلے وہ رمی بھی کرلے، اس لئے کہ سب سے زیادہ ازدحام دسویں تاریخ کو اسی وقت ہوتا ہے، یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ عبادات سے متعلق اوقات اور مقادیر بنیادی طور پر تعبدی ہوتے ہیں، لیکن

ابھی آپ نے ایک عبارت سنی جو مولانا مفتی شوکت صاحب نے گیارہ تاریخ کوزوال سے پہلے رمی کرنے کے بارے میں پیش کی اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ قول امام ابوحنیفہ کا ہے، اور دوسرے فقہاء کا بھی ہے اور ہماری کتابوں میں کثرت سے نقل ہوتا آیا ہے کہ یہ بات ناقابل تصور ہے کہ نص اور آثار کے بغیر ہی رائے اختیار کی گئی ہوگی، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس کو ثبوت کے دائرے سے باہر تصور نہیں کرنا چاہئے۔

قاضی عبدالاحد ازہری:

آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

حضرت! ہمارا انتظام بھی مسئلہ کے تابع ہوگا، اس لئے آپ کو رہنمائی کرنی ہوگی کہ انتظام شریعت اور فقہ کے دائرے میں ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام:

آواز صاف نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

میں سمجھتا ہوں کہ اس موضوع پر ہمارے احباب جو اظہار خیال کرنا چاہتے تھے وہ کر چکے، اور کافی چیزیں سامنے آچکی ہیں، جب تجاویز مرتب ہوں گی تو ان کو سامنے رکھا جائے گا۔

مفتی انور علی اعظمی:

گیارہ، بارہ اور اس کے بعد کی تاریخ میں رمی کرنے کے سلسلہ میں ایک بات تو بڑی اچھی آگئی کہ یہ حادثہ اور بدنظمی صرف جلد بازی کی وجہ سے یا نظم نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی

ہے، اگر اجازت ہوجائے اور سب لوگ اسی وقت رمی کرنے جائیں گے جب بھی وہی پریشانی پیش آئے گی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ایسی بات نہیں ہے، جس وقت کی نشاندہی کی جارہی ہے اس میں پورے دن کا وقت رہتا ہے، اور اصل میں بارہ تاریخ کو یہ صورت حال پیش آتی ہے، جب ظہر کے بعد معلمین خیمہ اکھاڑنا شروع کردیتے ہیں اور بہت سی جگہ تو خیمے خالی ہوجاتے ہیں، لوگوں کا وہاں رکنا بھی دشوار ہوجاتا ہے، تو پوری تاکید کی گئی ہے اور اس میں یہ کہا گیا ہے کہ بہت مجبوری اور دشواری کے وقت میں اس کی گنجائش ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی:

یہ بات واضح ہو کہ یہ سلسلہ وہاں شروع ہوگیا ہے، اب وہاں گیارہ اور بارہ کو صبح سے رمی ہورہی ہے، اور حکومت انتظام کرا رہی ہے، وہ اجازت دے رہی ہے اور وہاں کے علماء بھی اجازت دے رہے ہیں، تو ایسی صورت میں قطعی پابندش لگا دینے پر جو مسئلہ دم کا پیدا ہوگا کیا اس چیز کو اختیار کریں گے، جبکہ بڑی تعداد میں حجاج نوجوان ہوتے ہیں وہ سب کے ساتھ چلے جاتے ہیں، یہ بات بھی سامنے رہنی چاہئے۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی:

حضرات علماء کرام، بزرگان محترم اور حاضرین!

رمی جمرات کے موضوع پر اتنی گفتگو ہوچکی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اب مزید اس میں گنجائش باقی نہیں رہی، اور شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو، جیسا کہ دوران بحث یہ بات سامنے آئی کہ رمی جمار کا مسئلہ اصلاً شعور کا مسئلہ ہے، یا انتظام کا مسئلہ ہے، میں اللہ کے فضل وکرم سے ایک سے زائد بار منیٰ میں حج کے موقع پر حاضر رہ چکا ہوں، وہاں جو عملی مشکل

سامنے آئی اس سے یہ سمجھ میں آیا کہ اس میں دو محرک ہوتے ہیں: ایک محرک تو یہ کہ انسان کی فطرت میں عجلت پسندی ہے اور اس کا اظہار بارہ تاریخ کو زیادہ ہوتا ہے، گیارہ کو بالکل نہیں ہوتا، اگر وہ اس تاریخ کو حج کا طواف جو فرض ہے وہ کر چکا ہے تو کوئی کام نہیں ہوتا سوائے گیارہ کی رمی کے، اور انہیں بارہ تک تو یقیناً رہنا ہے تو اس دن یہ عام طور پر پیش نہیں آتا، اس لئے کہ لوگ مطمئن ہوتے ہیں کہ کبھی بھی کر لیں گے، رمی کا وقت مغرب تک تو سب کے یہاں بلا کراہت ہے، جہاں تک میرا ناقص مطالعہ ہے کہ فقہ حنفی میں اتنی گنجائش دی گئی اور خاص کر حج کے سلسلہ میں غالباً کسی اور فقہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے، اصل مسئلہ بارہ کو پیش آتا ہے، بارہ کو دو محرک ہوتے ہیں: جس سال میں وہاں گیا تھا اس سال لوگوں نے کہا کہ حجاج کو یہاں سے وہاں لے جانے کے لئے بسوں کا انتظام حکومت کے ذمہ ہے، ہوسکتا ہے اس کے بعد کے سالوں میں بھی ہو، تو بسوں کے ڈرائیور مجبور کراتے تھے کہ جلدی سے رمی کر کے آؤ تاکہ ہم چلیں، اگر تم لوگوں نے دیر لگائی تو ہم بسیں لے کر چلے جائیں گے اور تم کو سامان کے ساتھ پیدل جانا پڑے گا، ہر ایک کے لئے سامان کے ساتھ اتنی لمبی مسافت پیدل طے کرنا ممکن نہیں، کچھ لوگ شاید پیدل چلے جائیں، تو اس بنا پر لوگ سامان لے کر بھی آتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ بس نکل جائے، اس لئے رمی میں جلدی کرنے کی کوشش کرتے تھے، دوسرا مسئلہ فقہی ہے، لوگوں کے ذہن میں پہلے ہی سے یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ بارہ کو غروب آفتاب کے بعد بھی اگر کوئی وہاں رہتا ہے تو اس کے لئے تیرہ تاریخ کو رکنا ضروری ہوجائے گا، ساری دقت یہی ہے، یہی محرکات ہوتے تھے جو لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ کتنی جلدی ہو رمی کر کے پیچھا چھوڑالیں اور منیٰ کے حدود سے باہر نکل جائیں، تو اس لئے جیسا کہ ذکر آیا اور بعض حضرات نے اشارہ بھی کیا کہ مسئلہ کی تشہیر کی ضرورت ہے اگر بارہ تاریخ کو سورج غروب ہوگیا تو تیرہ تاریخ کا وقوف وہاں ضروری ہوجائے گا، کم از کم حنفیہ کے یہاں ایسا بالکل ضروری نہیں ہوتا ہے، بلکہ باقی دوسری فقہ میں بارہ تاریخ گذرنے کے بعد صبح صادق ہوجائے تب تیرہ تاریخ کا وقوف ضروری ہوتا ہے، اور سب جانتے ہیں کہ فقہ حنفی میں تیرہ

تاریخ کو زوال سے پہلے رمی، بلا کراہت جائز ہے، مفتی بہ قول یہی ہے، بارہ کے بارے میں مفتی بہ کوئی قول نہیں ہے۔

لیکن یہ امام صاحب کی بہت شاذ و نادر روایت میں سے ہے اور سب ائمہ کا متفق علیہ مذہب یہ ہے کہ گیارہ کو اور بارہ کو ظہر سے پہلے رمی کا وقت شروع نہیں ہوتا، تو اس لئے خروج عن الاختلاف بھی اہمیت رکھتا ہے، آپ حضرات جانتے ہیں کہ خروج الاختلاف کی رعایت بھی ضروری ہے، اور پھر امام صاحب کی روایت بھی ایسی ہے جو نوادر میں شمار کی جاتی ہے، تو اس لئے حوصلہ افزائی تو یقیناً نہ کی جائے اس بات کی کہ بارہ کو کوئی شخص زوال سے پہلے یا گیارہ کو زوال سے پہلے رمی کرے، بلکہ گیارہ کو تو بالکل اجازت نہ دی جائے، اس تاریخ میں کوئی ضرورت نہیں پیش آتی، زحمت وغیرہ بالکل نہیں ہوتی، کوئی اور مشاغل اختیار کرنے کے لئے جلدی کرے تو کرے، ورنہ گیارہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے، البتہ فقہ حنفی کی رو سے بارہ کو ہو سکتا ہے، جیسا کہ بتایا، دو باتیں ذہن میں تھیں، دوبارہ اس کا ذکر کرتا ہوں، ایک تو مسئلہ کی بات لوگوں کو سمجھائی جائے کہ بارہ تاریخ کا اگر سورج غروب ہو گیا اور وہ منیٰ کے حدود سے باہر نہیں نکل سکے تو بھی اس پر تیرہ کا وقوف ضروری نہیں ہوگا، رات میں کسی وقت میں جا سکتا ہے، اور جیسا کہ قاضی عبدالاحد صاحب نے بتایا کہ عصر کے بعد کا وقت بہت ہی فارغ وقت ہوتا ہے، خود میں نے محسوس بھی کیا ہے، الحمدللہ دس تاریخ کی رمی دس بارہ بجے کے آس پاس کر لی، کوئی دقت نہیں ہوئی، اسی طرح بارہ اور گیارہ کی رمی بھی عصر کے بعد اتنے اطمینان سے کر لی کہ کوئی پتہ نہیں چلا اور اس مرتبہ تو عجیب اتفاق ہوا غالباً وہ گیارہ اور بارہ کی درمیانی شب تھی حضرت مولانا علی میاں صاحب کے ساتھ سفر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، تو رات کے دو بجے ہم لوگوں نے رمی کی تھی تو وہاں ڈھونڈنے سے بھی کوئی نہیں ملا بمشکل تین چار آدمی تھے، تو اگر یہ مسئلہ بتایا جائے کہ وقت میں بہت توسع ہے، اور آپ حضرات علماء جانتے ہیں کہ یہ وقت ہے معیار نہیں ہے، صرف اس کی دو قسمیں کی گئی ہیں، وقت اور معیار، معیار میں تو ظرف اور مظروف دونوں برابر ہوتے ہیں اور وقت کے اندر

مظروف بڑا ہوتا ہے، ظرف چھوٹا ہوتا ہے، وقت موسع ہے جس وقت چاہے رمی کر لے، یہ مسئلہ میرے خیال سے فقہی تحقیق سے زیادہ عملی ضرورت کا ہے، لوگوں کو افہام وتفہیم کرنے کا ہے، تو امام صاحب کے اس قول پر عمل کرنے کی گیارہ کو بالکل اجازت نہ دی جائے، اس لئے کہ کوئی ضرورت نہیں ہے کہ زوال سے پہلے رمی کرے، بارہ کو بھی دیکھا جائے اور بہت غور وفکر کر کے کوئی رائے اختیار کی جائے۔

ایک بات اور عرض کروں جیسا کہ یہاں سننے میں بھی آیا کہ حج زندگی میں ایک ہی بار فرض ہوتا ہے اور اکثر لوگ ایک ہی بار کرتے ہیں تو ایک مرتبہ کا حج بھی ہم مشکوک بنالیں کہ بلا کسی شدید ضرورت کے مکروہ اور نا مناسب وقت میں اس کے ارکان ادا کریں یہ بہت عجیب و غریب بات ہے، آدمی حج کے اندر وقت بھی بہت خرچ کرتا ہے، مال بھی بہت خرچ کرتا ہے اور اس کو مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اور اس میں ذراسی سہولت پسندی کی خاطر اور سہولت پسندی بھی ذہنی زیادہ ہے عملی کم ہے اس کے خاطر آدمی اپنے حج کو مختلف فیہ بنالے یہ کیسی بات ہے۔

میں پندرہ سال پہلے کا ایک واقعہ سناؤں جب وہاں بینک اسلامی کے تحت مذبح قائم ہوا تو یہ بات ہوئی کہ وہاں لوگ پیسے جمع کرائیں اور بینک قربانی کردے گا، اس کے دو فائدے بتائے گئے: ایک تو حاجیوں کو سہولت ہوجائے گی، مذبح اور منحر تک جانے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی، کئی کئی گھنٹے لگتے تھے اور اس کا بڑا نقصان یہ تھا کہ قربانی کرنے کے بعد اکثر لوگ جانور کو وہیں چھوڑ آتے تھے اس سے گوشت بھی ضائع ہوجاتا تھا، بعد میں حکومت اس کو جلانے کے لئے اور اس کی رطوبت کو ختم کرنے کے لئے کروڑوں ریال خرچ کرتی تھی، اسی لئے آج سے پندرہ بیس سال پہلے وہاں مذبح قائم ہوا، پھر اس میں یہ مسئلہ آیا کہ ایام تشریق کے اندر تین کاموں میں ترتیب واجب ہے، پہلے تو رمی ہو، اس کے بعد ذبح ہو اگر وہ قارن اور متمتع ہے اور اس کے بعد وہ سرمنڈائے، یہ تین کام ہیں جن میں ترتیب واجب ہے، اگر اس میں کوئی ترتیب بدل گئی اور کوئی آگے پیچھے کر لے تو دم واجب ہوتا ہے، حنفیہ کا مفتی بہ قول یہی ہے، اگرچہ صاحبین کا نہیں ہے، تو

جب یہ ہر طرف سے بات ہوئی اور غور ہوا، تب اس پر علماء کا اجتماع کیا گیا اور اس میں حنفی علماء کو بھی جمع کیا گیا، ہندوستان میں ہی تھا غالبا اور پاکستان کے کئی علماء تھے، مفتی فیاض الدین صاحب بڑے اچھے عالم تھے دارالعلوم کے بہت قدیم فضلاء میں وہ بھی تھے اور بعض بریلی مکتب فکر کے علماء تھے، مصر سے بھی آئے تھے اور ساؤتھ افریقہ وغیرہ سب جگہ سے علماء آئے تو مسئلہ پر بحث ہوئی کہ ترتیب کا قائم رکھنا اور قربانی کرنے والے کو بتانا عملاً ممکن نہیں ہے، اور اس میں زور دیا گیا کہ فقہ حنفی میں بھی بہت گنجائش ہے، اس لئے صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے، میں نے عربی میں بہت تفصیلی مقالہ لکھا تھا جو اردو میں بھی چھپا، اس وقت یہ بات سامنے آئی کہ فقہ حنفی کے اندر صاحبین کے قول میں گنجائش ہے، تو سوچنے کی بات ہے کہ ترتیب کے سنت ہونے کا کوئی انکار نہیں کرتا تو کیا یہ بات مناسب ہوگی کہ زندگی میں جو یہ سعادت ایک بار حاصل کرتا ہے، وہ ایسے قول پر متفق ہوجائے اور یہ سوچ کر اس پر عمل کرے کہ زیادہ سے زیادہ یہ خلاف سنت ہے جس پر دم بھی واجب نہیں ہے، لیکن وہ سنت کے ترک کا تو مرتکب ہوا، تو اس سلسلہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر بالفرض امام صاحب کا قول ہے تو اس طرح اس پر عمل کرکے اپنے حج کو خطرے میں ڈالنا اور ایک طرح سے ذہن میں بار بار اس کا گذرنا کہ یہ خلاف سنت ہے، کیا یہ مناسب ہے۔

یہ مسئلہ فقہی سے زیادہ انتظامی اور شعوری ہے، یہاں پر سب حضرات شریک ہیں، میری اپنی رائے ہے ان میں سے اکثریت کا یہی رجحان ہے اگر چہ الفاظ میں یہ بات مختلف انداز میں عرض کی گئی ہو، اور میں سمجھتا ہوں کہ جب یہ تجویز پاس ہو تو اس رجحان کی آئینہ دار ہو، فقہی ٹکسالی قسم کی نہ ہو، مگر اس میں یہ بھی ہو کہ اکثریت کے ہونے پر ہے، اختلافی نہیں ہے، اور حضرت مولانا نے بار بار یہ فرمایا کہ اس سلسلہ میں عملی حدیثیں ہیں، تو اوقات کے سلسلہ میں تو عام طور پر عملی حدیثیں ہیں، نماز کے اوقات میں جو حدیث جبرئیل ہے وہ عملی ہے، اس کے علاوہ بھی حدیث اعرابی ہے وہ عملی ہے، توقیت کے سلسلہ میں اکثر حدیثیں عملی ہیں، ہوسکتا ہے ایک آدھ

کوئی نکل آئے تو لی مگر مدار اسی پر ہے، اس کی تاویل کرنا اور اس کی اہمیت کو کم کرنا میرے خیال میں مناسب نہیں ہے، میں نے کوئی لمبی چوڑی بات کہی نہیں ہے، اس پر بہت بات ہو چکی ہے، بحمدللہ میں نے استفادہ کیا، اللہ اس سے فائدہ پہنچائے ہمیں بھی اور حاضرین کو بھی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جولوگ اس میں توسیع کے قائل ہیں وہ اس کو سنت تو بہر حال مانتے ہیں، اس لئے اس کو رہنے دیجئے۔

منیٰ سے باہر حدود حرم میں قیام

مولانا محمد عبید اللہ اسعدی:

ہمارے اس سمینار کی یہ دوسری مذاکراتی نشست ہے، اس کی صدارت انشاء اللہ شیخ طریقت حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب پھولپوری دامت برکاتہم، ناظم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر فرمائیں گے، وہ تشریف فرما ہیں۔

اس سمینار سے متعلق جاری کردہ سوالنامہ میں دو موضوعات حج سے متعلق ہیں، پچھلی نشست میں ایک موضوع پر مذاکرہ سے ہم فارغ ہو چکے ہیں، یہ دوسری نشست ہے، اس میں مذاکرے کا موضوع ہے ''ایام منیٰ کے اندر اس کی حدود میں قیام کی حیثیت'' اور حدود منیٰ سے باہر مزدلفہ اور مکہ مکرمہ وغیرہ میں قیام کرنا اس کی کیا حیثیت ہے، ابھی پہلی نشست میں جو گفتگو رہی ہے رمی جمار کے اوقات سے متعلق اس میں یہ بات آئی کہ یہ مسئلہ کچھ انتظامی ہے، واقعہ یہ ہے کہ بعض مسائل اپنی شرعی حیثیت میں متفق علیہ ہوتے ہیں، مختلف فیہ نہیں ہوتے، لیکن انتظامی نوعیت سے فرق پڑ جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے زحمتیں اور دقتیں بھی ہوتی ہیں، اور مذاکرات کی

بھی نوبت آتی ہے، یہ دونوں مسئلے جو موضوع بنے ہیں وہ اسی بنا پر ہیں، رمی جمار سے متعلق کافی گفتگو ہوگئی اور اس ضمن میں یہ بات آ گئی کہ روزانہ کا وقت خود ہی بڑا موسع ہے۔ اس کے بعد اہمیت کچھ انتظام کی، کچھ حجاج کرام کے ذہن ومزاج کی ہے، جس کی وجہ سے مسائل پیدا ہوتے ہیں، انتظام کا تعلق جگہ سے نہیں ہے، انتظام کا تعلق تو اس سرزمین کے ارباب حکومت سے ہے، اور یہ ہم اور آپ جانتے ہیں کہ بہر حال وہ اپنی وسعت بھر ہر چیز کو سامنے رکھ کر نظم کو اچھا اور بہتر بنانے کی سعی کرتے رہتے ہیں، جو حضرات حج کو تشریف لے گئے، انہوں نے نئے انتظام میں جو اس وقت زیر تعمیر ہے اس میں بہر حال سابق سال گذشتہ اور اس کے پیش تر کی نسبت سے بڑی آسانی اور راحت محسوس کی اور بڑی سہولت کے ساتھ کام انجام ہوا، اور ظاہر ہے کہ ان شکلوں کے پائے جانے کے بعد پھر اس قسم کے غور وفکر کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، تاہم اس وجہ سے یہ سوال اور دوسرا سوال جو زیر بحث آئے گا، موضوع بنا کہ حج کرنے جو حضرات جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہاں انفرادی اعمال جو اپنے بس کے ہیں اس میں تو آدمی اپنے طور پر کچھ بھی سوچیں، لیکن جو اجتماعی اعمال ہیں جن کا تعلق وہاں کے انتظام سے ہے، حجاج جن چیزوں سے دوچار ہوتے وہ آپ کے سامنے آئی ہیں، اور بظاہر ہمارے یہاں جو معروف مسئلہ ہے، اس سے کچھ مختلف ہوتی ہیں تو الجھنیں پیدا ہوتی ہیں، سوالات ہوتے ہیں، اس لئے اس قسم کے الجھنوں کا دور کرنا اور اس کا ازالہ بھی مقصود ہوتا ہے، رمی جمار کے مسئلہ میں جیسے حکومت کا نظم یہاں تک آ گیا کہ انہوں نے گیارہ بارہ کو صبح سے رمی کرنے کی اجازت دے دی، اگر چہ وہاں کے ارباب افتاء نے ابھی تک فتوی نہیں دیا، مسئلہ زیر بحث ہے لیکن حکومت نے اس کی اجازت دے دی۔

اسی طرح منیٰ کا قیام ہے اس کا جو نظم وانتظام ہے، خیمے وغیرہ جو لگائے جاتے ہیں، ادھر چند سالوں سے حجاج کے کچھ خیمے حدود منیٰ سے باہر اور مزدلفہ کے حصے میں پڑ جاتے ہیں، اور منیٰ کے قیام کے دنوں میں وہاں حجاج کو قیام کرنا پڑتا ہے، جو لوگ کچھ واقفیت رکھتے ہیں وہ لحاظ کرتے ہیں، اور حج جیسی مہتم بالشان عبادت جو زندگی میں کبھی کبھار ہی آتی ہے، کم ہی ایسے لوگ

ہیں کہ جنہیں یہ شرف ہر سال حاصل ہو اور کثرت سے حاصل ہو، بڑی تعداد ایک مرتبہ یا کبھی کبھی یہ شرف حاصل کر پاتی ہے تو ان کی یہ خواہش اور جذبہ ہوتا ہے کہ شریعت کی جو ہدایات ہیں جو چیزیں ازروئے سنت حضور اکرم ﷺ کے حج اور حج کے اعمال کی نسبت سے ہمارے سامنے ہیں، ہم سے مطلوب ہیں ان کے مطابق ہمارا بھی حج ہو، بہر حال اس وقت اس مجلس کے مذاکرے کا موضوع ایام منیٰ ۸، ۹ کو تو ظاہر ہے حاجی عرفات چلا جاتا ہے، دس گیارہ بارہ ان دنوں میں جو منیٰ کے قیام کا نظام ہے، منیٰ کی حدود میں رہنا، اس کی کیا حیثیت ہے، اس سے باہر رہنے کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے، یہ موضوع ہے، اس بابت جو اکیڈمی کا نظام ہے جس سے آپ متعارف ہو چکے ہیں، اس سے پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ عرض مسئلہ کو توجہ کے ساتھ سنا جائے اور جہاں کہیں بھی کوئی اشکال ہو تو اسے نوٹ کرلیں اور اس عرض مسئلہ سے فراغت کے بعد اپنے اسمائے گرامی اسٹیج تک پہنچا دیں، انشاء اللہ حسب موقع جیسے پچھلی نشستوں میں مذاکرہ ہوا اسی طرح اس موضوع سے متعلق بھی مذاکرہ ہوگا۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ عرض مسئلہ پیش کریں۔

مولانا محمد عبیداللہ اسعدی:

مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب سے موضوع سے متعلق عرض سماعت فرمایا، تین سوالات تھے، مقالہ نگار حضرات نے جن خیالات کا اظہار کیا وہ آپ کے سامنے رکھ دیئے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ ایک صورت تو یہ ہوگی کہ آدمی اپنے اختیار سے منیٰ میں قیام سے بچے اور دوسری شکلیں اختیار کرے، جس کے پیچھے یقیناً راحت ہی ملحوظ ہوتی ہے، یہاں خصوصیت سے جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ نظم وانتظام میں جو مشکل ہورہی ہے کہ آیا یہ کوئی نادرست چیز ہے، جس کا اثر لیا جائے اور جس سے فکر مند حضرات بہر حال متاثر ہوتے ہیں اور سوال کرتے ہیں، ایک تو وہاں کے انتظام کے تحت کچھ خیمے مزدلفہ میں اور منیٰ سے باہر لگتے ہیں، اس کی بنا پر قیام کرنا پڑتا ہے، وہ ایک اپنا اختیار ہے، ظاہر ہے کہ اپنے اختیار سے تو اس قسم کی شکل اختیار کرنا بہر حال پسند

نہیں کیا جاسکتا، بالخصوص اس لئے کہ حضور ﷺ کا جو عمل اور اسوہ ہے اور صحابہ کرام کا جو عمل ہے وہ منیٰ میں ہی رہنے کا اور پانچ دن مستقل وہاں پر قیام کا ہے، غیر اختیاری شکل ہو تو یہ دوسری ہوجاتی ہے، بہر حال عرض تو آپ نے ساعت فرمایا جو چیزیں سامنے آئیں ہیں مختلف مسائل کی نسبت سے اس کے کسی پہلو پر اگر کوئی بات آئی ہو تو اپنا نام بتائیں تا کہ مذاکرہ کیا جاسکے اور آگے تجویز کے مرتب کرنے میں ساری چیزیں معین ومفید ہوسکیں۔

مولانا سید قمر الدین محمود:

جو مسئلہ عارض صاحب نے ذکر کیا ہے وہ مبیت منیٰ کا ہے، اصل میں جیسا کہ مقالہ نگار حضرات نے اپنی آراء کا اظہار فرمایا، یہ ہے کہ ایام رمی کے درمیان منیٰ کا قیام سنت ہے اور بلا وجہ سنت کو اگر چھوڑ اجائے گا تو اس کی وجہ سے حج میں خلاف سنت عمل کرنے کا جو ایک اثر ہوتا ہے وہ اس میں ہوگا، لیکن اگر مجبوری ہے اور معذور ہے تو بات دوسری ہے، اس لئے کہ جو منیٰ کے حدود ہیں وہ مختصر ہیں، دونوں جانب پہاڑ ہیں اور درمیان میں جو جگہ ہے، اتنی ہی جگہ منیٰ میں قیام کے لئے نکالی جاسکتی ہے، اس لئے سعودی حکومت مجبور ہے، اب سے پہلے حجاج کرام کی تعداد کم ہوا کرتی تھی تب ہم نے دیکھا کہ مزدلفہ کی حد میں کبھی بھی خیمہ نہیں لگایا گیا، اور اب جبکہ حجاج کی تعداد بہت زیادہ ہونے لگی تو حکومت سعودی مجبور ہوگئی، اس لئے مجبوراً مزدلفہ کے اندر خیمے لگائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ جیسا کہ معلوم ہوا ہے کہ سعودی حکومت کے زیر غور مسئلہ یہ بھی ہے کہ منیٰ میں عمارتیں پانچ منزلہ، دس منزلہ بنائی جائیں بجائے اس کے کہ خیموں کے اندر قیام ہوتا ہے، تو اس میں حجاج آسانی سے رہ سکیں گے اور اس میں مزدلفہ میں قیام کی نوبت نہیں آئے گی تو بہر حال اس وقت جو مسئلہ ہے کہ منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے، رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی یہی تھا، لیکن اگر مجبوری کی وجہ سے منیٰ کا قیام کوئی چھوڑ دیتا ہے تو اس کے لئے گنجائش اور اجازت ہونی چاہئے۔ اگر کوئی قصداً اور جان بوجھ کر راحت اور آسائش کی خاطر مکہ مکرمہ میں ٹھہرتا ہے یا حج ٹورز والے اپنی آسانی کی خاطر عزیزیہ میں حجاج کو ٹھہراتے ہیں اور وہ بس یہی کہتے ہیں کہ یہیں سے جا کر رمی

کرلو تو یہ صورت غیر مناسب ہے، اس کی وجہ سے زیادہ تر جو اثر مرتب ہونا چاہئے وہ ہورہا ہے، اس لئے کہ حکومت تمام حجاج کے لئے خیموں کا انتظام کرتی ہے چاہے وہ منیٰ کے حدود میں ہو یا مزدلفہ کے حدود میں، جہاں جہاں خیمے ہیں ان جگہوں پر جا کر قیام کرنا چاہئے، اور جان بوجھ کر عزیزیہ وغیرہ میں قیام کر کے سنت کو ترک نہیں کرنا چاہئے، بہر حال اس میں مجبوری کی صورت میں گنجائش ہے۔

مفتی اقبال صاحب:

مبیت منیٰ میں وسعت ہے، حدود منیٰ توقیفی ہے، منیٰ میں قیام کی جگہ نہ مل سکنے کی صورت میں ایک تو مشکل یہ ہے کہ پھر کہیں بھی قیام کرلے، عزیزیہ میں یا مکہ مکرمہ میں یا مزدلفہ کی جانب میں اور ایک مشکل یہ ہے کہ منیٰ سے متصل ہی قیام کی جگہ اگر دستیاب ہو وہیں قیام کرے، دونوں کا حکم ایک نہیں ہوگا، اس لئے کہ جس طرح مسجد میں اگر مسجد بھر جائے تو مسجد سے متصل اگر صفیں بنائی جائیں تو مسجد کا ثواب مل جاتا ہے، اس طرح سے احقر کا خیال یہ ہے کہ منیٰ سے متصل جو مزدلفہ ہے اس میں قیام کو ترجیح دی جائے اگر وہاں قیام ممکن ہو، اس میں منیٰ کی اصل سنت تو ادا نہیں ہوگی لیکن ثواب میں کمی نہیں آئے گی۔

منیٰ میں قیام کی جگہ نہ ملنے کی صورت میں یہ آزادی نہ دی جائے کہ جو جہاں چاہے قیام کرے۔

مفتی عبدالرشید قاسمی:

ایسا بھی لکھا ہے کہ اگر منیٰ میں خیمے نہیں ہیں، اور مزدلفہ میں خیمے ہیں، حتی کہ انہوں نے یہاں تک اجازت دے دی ہے کہ مکہ کے اندر اپنے حجرے میں بھی قیام کریں اس کو بھی جائز قرار دیا ہے، صاحب عین نے، لیکن مناسب نہیں ہے، آدمی استطاعت میں جتنا ہو اتنا تو کرنا چاہئے، حکومت کی طرف سے اگر مزدلفہ میں انتظام نہیں ہے تو ہم اپنی طرف سے وہاں تک جانے کی

کوشش کریں گے، اگر اس کو یہ کہیں کہ وہاں پر منیٰ کے حدود میں خیمہ نہیں ہے، ہمارا خیمہ باہر آجائے گا، اس لئے ہم باہر قیام کریں گے تو سنت کے خلاف ہے۔

مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری:

قیام منیٰ کے تعلق سے حنفیہ کے نزدیک قیام سنت ہے، یہ تو مسلم ہے اور شرعی اعذار کی وجہ سے اگر منیٰ کے باہر قیام کیا جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، اس پر کافی بحث ہوچکی ہے، اصل مسئلہ ازدہام کالایا جارہا ہے، تو منیٰ کے اندر ازدہام ہوتا ہے، حجاج کرام کی کثرت ہوتی ہے، وہ صرف ایک دن ہوتی ہے، کیونکہ میرا بھی جانا ہوتا ہے، میں بھی آٹھ دس سال سے جارہا ہوں تو جس دن ازدہام ہوتا ہے وہ دن آٹھ ذی الحجہ کا ہوتا ہے، آٹھ ذی الحجہ کے دن اور رات میں تھوڑی بہت دقت ہوتی ہے، اس کے بعد لوگ نو ذی الحجہ کو عرفات چلے جاتے ہیں اور واپسی میں جب دس ذی الحجہ کو آتے ہیں تو ازدہام کم ہوجاتا ہے، بہت سے حضرات رمی جمار کے لئے چلے جاتے ہیں، کچھ لوگ زیارت کے لئے چلے جاتے ہیں اور اس طرح خیمہ کے اندر گنجائش پیدا ہوجاتی ہے۔

میرے نزدیک تو یہ ہے کہ منیٰ کے اندر قیام رکھنا چاہئے اور ازدہام کی وجہ سے عزیزیہ کے اندر قیام کرنا مکروہ ہوگا، البتہ جو ٹور والے حجاج کرام کو لے کر جاتے ہیں یا حکومت کی طرف سے ان کو قیام کرنے کی اجازت ہوتی ہے وہیں ان کو قیام کرنا پڑتا ہے، اس لئے ان کے لئے تو کوئی کراہت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ مجبور ہیں، بہر حال جن کو منیٰ کے اندر خیمے مل رہے ہیں حکومت کی طرف سے اور وہ لوگ بھی اس کے اندر سستی اور کاہلی برتیں اور قیام نہ کریں تو یہ میرے نزدیک کراہت پر مبنی ہوگا۔

اور دوسری بات یہ کہ جو لوگ مزدلفہ کے اندر قیام کرتے ہیں انہیں نو ذی الحجہ کی رات میں وہاں قیام کرنے پر جو سنت ہے مزدلفہ کا قیام اس میں کوئی کراہت نہیں ہونی چاہئے اور اس کو جائز قرار دینا چاہئے، کیونکہ مزدلفہ کے اندر رات میں بڑا ازدہام ہوتا ہے اور وہاں پر تو نماز بھی

پڑھنا مشکل ہوتا ہے، خاص طور پر جو بزرگ ہیں، مستورات ہیں ان کو خاص طور پر مزدلفہ کے اندر قیام کرنے میں بہت دقت محسوس ہوتی ہے، حتی کہ نوجوان حضرات بھی وہاں پر پریشان ہوجاتے ہیں تو جن حضرات کو مزدلفہ کے اندر خیمے ملیں وہ عرفات میں سیدھے اپنے خیمے کے اندر ہی اپنی نماز ادا کرلیں اور وہیں قیام کرلیں تو اس میں میرے نزدیک کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

مفتی انور علی اعظمی:

حج ایک عظیم الشان عبادت ہے اور عام طور پر لوگوں کو اس عبادت کا اتفاق بھی ایک ہی بار ہوتا ہے، اس لئے حتی الامکان حضور ﷺ کے افعال اور آپ ﷺ کے سنن کی اتباع عبادت کے اندر انتہائی ضروری ہے اور اسی کی ہم لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کے اعمال میں جو چیزیں ملتی ہیں ان سے یہ خوب واضح ہے کہ آپ ﷺ نے سات تاریخ کو اونٹوں کو پانی پلانے کا حکم دیا، آٹھ تاریخ کو آپ ﷺ خود منیٰ تشریف لے گئے اور اپنے لوگوں کو منیٰ جانے کا حکم فرمایا، اس لئے حتی الامکان جہاں تک گنجائش ہے ہم آٹھ تاریخ کو منیٰ ہی میں رہیں، رہا مسئلہ جگہ کی تنگی کا اور حکومت کی طرف سے مزدلفہ میں خیمے لگائے جانے کا اگر ہمارے خیمے یا حجاج کے خیمے مزدلفہ میں لگا دیئے گئے تو حاجی کے لئے یہ بہت بڑی مجبوری کی بات ہے، حاجی اپنی طرف سے اس میں کوئی ترمیم نہیں کرسکتا، زیادہ سے زیادہ ذمہ دار لوگ، فقہ اکیڈمی کے لوگ اور مقتدر علماء یا مؤثر لوگ سعودی حکومت سے اس بات کا مطالبہ کرسکتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے یا حاجیوں کے لئے منیٰ میں قیام کی زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کرے، جہاں تک مسئلہ ہے اپنے اختیار سے منیٰ کے قیام کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں رہنے کا تو یہ انتہائی ناپسندیدہ چیز ہے، ان ایام میں تو مکہ مکرمہ آنا جانا ہوتا ہی ہے، منیٰ ہی میں رات گذارنے کی تاکید حج سے متعلق کتابوں میں موجود ہے، اور تقریبا تمام علماء کی یہی رائے ہے، اس لئے حتی الامکان کوشش اسی بات کی ہو کہ ہمارا قیام ان ایام میں منیٰ میں اور مجبوری کی شکل میں یعنی حاجی جب مجبور ہو تو اس کے اوپر کوئی دم واجب نہیں ہوگا، اور انشاء اللہ اللہ کے یہاں وہ مواخذہ سے بھی بچے گا، لیکن شرط

یہی ہے کہ وہ استطاعت اور اپنی کوشش بھر منیٰ میں ٹھہرنے کی کوشش کرے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

اس وقت جو مسئلہ زیر بحث ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بارے میں اختلاف رائے تقریباً نہیں ہے، اس سے پہلے کی نشست میں جو مسئلہ تھا رمی جمرات کے اوقات میں توسع کا تو واقعی دو رائے تھی اور دونوں نقاط نظر سامنے آئے، لیکن اس مسئلہ کے بارے میں جو تلخیص کی گئی آراء کی اور جو عرض پیش کیا گیا ہے اور جو نقاط نظر پیش کئے گئے ہیں، ایک تو اس میں اتفاق نظر آتا ہے، سب اس پر متفق ہیں کہ حنفیہ کے یہاں منیٰ میں قیام یعنی رات گذارنا سنت ہے، حنفیہ نے اس کو واجب نہیں قرار دیا ہے، اگرچہ دوسرے ائمہ میں امام شافعیؒ، امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت ہے، ان حضرات کے نزدیک منیٰ میں رات گذارنا واجب ہے، اس لئے ایک بات تو طے شدہ ہے کہ منیٰ میں رات گذارنا چاہے واجب ہو یا سنت یا سنت موکدہ محض آسانی کی خاطر، سہولت پسندی کے لئے اور آرام پسندی کے جذبہ کے تحت جبکہ منیٰ میں گنجائش ہے اور کوئی تنگی نہیں ہے، مبیت منیٰ کو ترک کرنا اور کہیں اور قیام کرنا یہ ایک ایسا عمل ہے جو ناپسندیدہ ہے، خلاف سنت ہے یا خلاف واجب ہے، اس کا ارتکاب کرنے والوں کی مذمت ہونی چاہئے، اور احساس دلانا چاہئے کہ محض سہولت پسندی کی خاطر جو لوگ مکہ میں قیام کرتے ہیں ہوٹلوں میں اور منیٰ میں قیام کی گنجائش کے باوجود وہاں نہیں جاتے ہیں یہ ان کے لئے بہت ثواب سے محرومی کی بات ہے، دوسری بات اصول کی روشنی میں ہمارے درمیان متفق علیہ ہے کہ جب مجبوری ہو، منیٰ میں گنجائش نہیں ہے، مجبوراً حکومت اور وہاں کی انتظامیہ منیٰ کے حدود سے باہر لوگوں کو ٹھہراتی ہے، اور یہاں پر خلاف سنت ہو رہا ہے تو یہ ترک سنت عمداً نہیں ہے، مجبوری کی بنیاد پر ہے، اس میں کسی گناہ کا یا کسی معصیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے، اور اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، جو حضرات منیٰ میں ٹھہرے ہوئے ہیں ان کو ہٹا کر آپ کو جگہ دی جائے، اس سے بڑی زیادتی کیا ہوگی، ان کے خیمے پہلے سے لگے ہوئے ہیں اور وہ رہ بھی رہے ہیں۔

ایک بات اور جو کہی گئی ہے کہ منیٰ میں جگہ نہیں ہے مزدلفہ میں خیمے لگے ہوئے ہیں اس کے مقابلہ میں کچھ مکہ میں قیام کر لیتے ہیں، اگر منیٰ قیام اور رات گذرنے کی جگہ نہ ہو تو ایسی صورت میں کیا یہ ممکن ہے کہ جہاں پر لوگ پہنچے ہوئے ہیں منیٰ کے باہر وہیں پر آپ کا قیام ہوجائے یا یہ بہتر ہے کہ آپ مکہ میں ہوٹل میں رہیں، تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات بھی اچھی نہیں ہوگی، حاجیوں کے لئے منیٰ کے باہر تک جہاں خیمے لگے ہوئے ہوں وہاں پر گنجائش ہوتی ہے، وہاں قیام کرے، اس کو ترک کر کے کہیں اور چلے جانا یہ فاسقانہ عمل ہے، رسول اللہ ﷺ کے عمل کی پیروی اور ہر عمل کا کرنا مطلوب ہے، اس میں تھوڑے سے آرام کی خاطر اور سہولت کی خاطر ہوٹل میں قیام کرنا، اور کہیں قیام کرنا یہ صحیح نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو یا معذوری ہو تو معذورین کے احکام علاحدہ ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ جو گفتگو اب تک ہوئی یہ متفق علیہ ہے اور اس میں بہت زیادہ گفتگو کا موقع نہیں ہے۔

قاضی عبدالجلیل قاسمی:

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حنفیہ کے یہاں منیٰ میں رات گذارنا سنت ہے، لیکن بلا وجہ سنت کو ترک کر دینا مناسب نہیں ہے، صبح سے بات چل رہی ہے، اگر کوئی مجبوری کی صورت میں منیٰ سے باہر قیام کرتا ہے تو ترک سنت کی وجہ سے جو خرابی آتی ہے وہ خرابی اس کے حق میں انشاء اللہ نہیں آئے گی، اسکے عذر کے بغیر اس کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔

مفتی نذیر احمد کشمیری:

مبیت منیٰ کے سلسلہ میں مجھے صرف یہ بات عرض کرنی تھی کہ بہت سے لوگوں کا رجحان یہ بھی ہوگیا کہ جو آٹھ تاریخ کو منیٰ کے قیام کا دن ہے وہ آج ہی کی شب میں وہاں سے نکل کر عرفہ پہنچ جاتے ہیں، اس لئے تجویز مرتب کرتے وقت اس نقطہ کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اگلے دن عرفہ جانے میں جو دیر ہوتی ہے، کبھی کسی حاجی کو عصر کے وقت اور عصر کے بعد پہنچنا پڑتا ہے تو اس

سے بچنے کے لئے وہاں سے آدھی رات میں نکلنا شروع ہوجاتے ہیں، تاکہ وہ عرفہ جلد پہنچ جائیں تو کیا اس طرح سے نکلنے سے مبیت منیٰ کی سنت متاثر ہوگی یا نہیں اور ایسی صورت میں ترک سنت کا ارتکاب ہوگا یا نہیں تجویز مرتب کرتے وقت اس پر ضرور غور کیا جانا چاہئے، میں ذاتی طور پر یہی سمجھتا ہوں کہ اس میں ترک سنت نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے نصف یا نصف سے زائد رات گذار لی ہے اور اب اگر وہ جارہا ہے تو اس میں ممانعت نہیں ہے، نیز مبیت منیٰ کے سلسلہ میں کوئی وقت کی تحدید نہیں ہے کہ غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک پوری رات گذارنا ضروری ہے ورنہ سنت ادا نہیں ہوگی، اگر تھوڑی دیر بھی وہاں قیام کرتا ہے یعنی آدھی شب تو سنت ادا ہوجائے گی۔

مولانا شعیب صاحب:

اس سلسلہ میں جتنی آراء آئی ہیں وہ تقریبا ایک کتاب کی حد تک ہیں، قیام کی حالت میں ازدہام کی صورت میں یا منیٰ میں قیام کے حدود خیمے سے بھر جانے کی صورت میں قریب ہی جگہ کا انتخاب ہونا چاہئے تاکہ واضح طور پر سنت کے مطابق حج ہوجائے، سنت مناسک حج کے ارکان بے شک نہیں، لیکن محض سنت قرار دینے سے لوگ اس کی اہمیت کو بھول جاتے ہیں، مناسک حج میں سے جو نسک ہے اس کی ادائیگی اسی انداز سے ہونی چاہئے تاکہ حاجی محسوس کرے کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمایا ہے، مجبوری اور معذوری اور ازدحام کی وجہ سے اگر حاجی حدود منیٰ سے باہر قیام کررہا ہے تب بھی بہر حال اس کو سنت کا ثواب ملے گا اور سنت کی ادائیگی مانی جائے گی۔

مولانا ارشد قاسمی:

مبیت کے سلسلہ میں ابھی جوبات سامنے آئی لغوی اعتبار سے اگر غور کیا جائے تو "بات اللیل" سے استدلال یہ ہے کہ پوری رات وہاں گذاری جائے، اس میں لغوی معنی کے ساتھ شرعی اصطلاح کو بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔

مفتی عبدالناصر:

آواز صاف نہیں ہے۔

مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری:

یوں تو سارے ہی اعمال شریعت باعث محبت ہیں اور عبادت میں مقصود بھی عبادت کے ذریعہ معبود سے تعلق اور محبت پیدا کرنا ہے، لیکن حج ایسی عبادت ہے جس پر عاشقانہ شان غالب ہے اور جس قدر عاشقانہ شان غالب ہوگی اسی قدر سختیوں کا تذکرہ ان کی زبان پر کم آئے گا، اسی لئے کہا جاتا ہے: ''المحبتو المعاش نظرة'' اور یوں کہیں کہ محبت سے تلخیاں بھی شریں ہوجاتی ہیں، جہاں تک مبیت منیٰ کا مسئلہ ہے جس پر حضرات علماء کرام کی آراء بھی آگئیں اور تقریباً اتفاق ہیں، وہ استدلال اور دلیل کے درجہ میں سنیت اور وجوب کی بحث فقہاء کا کام ہے، لیکن اس پر عمل یقیناً باعث محبت ہے، خواہ وہ مسنون ہو، خواہ وہ واجب ہو، اس لئے کہ محبت کے تقاضے میں یہ ساری تفصیلات رہی ہیں، جو محبوب نے کردیا ہے اس کے کرنے کی کوشش کرے، جو نہ کرسکے معذرت کے ساتھ اللہ تعالی سے استغفار کرے، ورنہ اگر ہم لوگ اسی محبت والے عنصر کو سامنے ہٹا کر استدلال کے زمرے میں سارے مسائل کر رکھ دیں تو وہ ساری مشکلات کھڑی ہوجائیں گی، اس لئے حج جو پوری زندگی میں ایک بار فرض ہے اور عام طور سے لوگ ایک بار کرتے ہیں، اس کے اندر تسہیل طلبی کا خود سے ارادہ رکھنا مناسب نہیں، جو چیز اللہ تعالی کی طرف سے یا رسول کے فرمان سے اور دربار سے ملی ہے اس کے لئے کوشش کرتے رہنا اور جدوجہد کرتے رہنا ہی اس کا تقاضا ہے، جو مکمل سنت کی ادائیگی کا ارادہ کرتے ہیں، ان لوگوں نے مجھے بتایا کہ جب سنت کے مطابق کام میں لگتے ہیں تو اللہ تعالی بڑی تسہیل فرماتے ہیں، اتنی تسہیل ہوتی ہے اس میں کہ پتہ ہی نہیں چلتا اور اگر پہلے ہی سوچ لیں کہ بہت پریشانی ہے تو پھر مشکلات سامنے آہی جاتی ہیں، محبوب اس قدر کامل ہے کہ اس کی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی

ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

اس لئے میرے دوستوں ہر عمل کی اتباع اور نقش قدم جناب کریم ﷺ کا زندہ رکھنا اور خصوصاً حج میں اس کو زندہ کرنے کی نیت سے جانا ہی ہر مسلمان کا ارادہ ہونا چاہئے، حقیقت میں اس کی تبلیغ اور جانے والے پہلے ہی حضرات علماء سے مسائل اور وظائف سیکھ کر جائیں تو ساری مشکلات خود بخود گھٹ جائیں اور ختم ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو دیار آخرت میں اعلیٰ ہمتی نصیب فرمائے اور دنیا میں تو بڑی بلند ہمتی کا ثبوت دے رہا ہے اور کوئی ضرورت نہیں کہ پیچھے رہے، یقیناً مسلمان ساری دنیا کی قیادت کے لئے آرہا ہے اور اس کو ہر میدان میں قیادت ہی کرنی چاہئے، لیکن امور دین میں تو یہ بے چارہ تیار نہیں، راضی نہیں، امور آخرت میں تساہل اور سستی کو سوچتا ہے کہ گنجائش نکل جائے۔

اس لئے میں کہتا ہوں کہ فقہاء کرام نے جو تصریحات کی ہیں اور اس وقت یہ مسئلہ بالکل اتفاقی ہے، اس لئے سبھی لوگوں کو اس کی نیت بھی کرنی چاہئے اور اس کی ادائیگی اور نقش قدم پر اپنے آپ کو تیار رکھنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہئے، بقول ہمارے حکیم اختر صاحب:

نقش قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

یہ سنت کے راستے اصل میں اللہ تک پہنچنے کے راستے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی اہمیت اور عظمت عطا فرمائے، اس کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔

تاثرات:

شیخ عبدالقادر عارفی:

حضرات علماء اور احباب! مجھے فارسی زبان میں خطاب کے لئے کہا گیا ہے، قبل اس کے میں زبان فارسی میں کچھ عرض کروں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ عربی ہی میں اس مناسبت سے پہلے کچھ عرض کروں، جو میرے نزدیک اہمیت کا حامل ہے، دوستوں اس وقت جو ہمارے لئے اجتماعی اجتہاد کا مسئلہ ہے وہ نہایت ہی اہم ہے، میرے نزدیک یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے کہ اس میں سارے علماء شریک ہوں اور اجتماعیت کے ساتھ غور وفکر کریں خواہ ان کا تعلق فقہ وفتاوی سے ہو یا دیگر علوم شرعیہ سے، کیونکہ ہر وہ عالم دین جس نے فقہ اسلامی کو پڑھا ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ہر وہ شخص عالم دین ہے جو کسی دینی جامعہ سے سند یافتہ ہو اور انہوں نے فقہ اسلامی کی ہدایہ، کنز الدقائق اور قدوری پڑھی ہو، تو جنہوں نے بھی ان کتابوں کو پڑھا ہے انہیں چاہئے کہ وہ اس طرح کے اجتماع میں شریک ہوں اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کا جو واحد راستہ ہے وہ یہی ہے، کیونکہ انفرادی اجتہاد ورائے ہمیں ہمارے مسائل سے بے نیاز نہیں کرسکتی اور کسی کی انفرادی رائے پر اتنا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا جتنا کہ اجتماعی اجتہاد اور اجتماعی فیصلے پر کیا جاسکتا ہے، آج جو ہماری یہ کوشش ہے اور اجتماعی غور وفکر کا جو رجحان ہمارے اندر پیدا ہوا ہے یہ دراصل امام ابو اعظم ابوحنیفہؒ کی ان کوششوں کا نتیجہ ہے جو انہوں نے اپنے دور میں تشکیل دیا تھا، اور اپنے شاگردوں کی بڑی جماعت کو اپنے گرد جمع کیا، ہر ایک کو آزادی رائے کے ساتھ اپنے موقف پیش کرنے کا موقع فراہم کیا، اور انہیں املا بھی کرایا اور یہ جو امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے درمیان اختلاف دیکھنے میں آیا ہے یہی دراصل فقہ اسلامی کی اجتماعی جد وجہد کی روح ہے اور اس وقت جو عالم اسلام اور دیگر ممالک میں مجامع فقہی کی گونج سنائی دے رہی ہے، یہ سب اس کی مختلف شکلیں ہیں اور اس نے ہمیں تمام فقہی مذاہب

سے استفادہ کی راہ ہموار کی ہے، اور ہمارے اکابر میں حضرت مفتی شفیع صاحب، مولانا بنوری اور دیگر اکابر اسی راہ کے راہی تھے، جنہوں نے اس باب میں بے مثال خدمات انجام دیں اور اپنی بے پناہ وسعت نظری کا ثبوت دیا۔

یہ دور فتنہ وفساد کا ہے، اگر اس دور میں ایک جماعت ایسی ہو جو اللہ کے دین کی نشر واشاعت اور مسائل دینیہ پر غور وفکر کا فریضہ انجام دے، یقیناً وہ اللہ کی چنی ہوئی جماعت ہے جس کے ساتھ دونوں جہاں میں اللہ کی نصرت ہے، اللہ تعالی ہمارے اس بیٹھنے اور غور وفکر کرنے کو قبول فرمائے، یہ دور جو جہالت اور بددینی کا دور ہے اس میں مسلمان پوری طرح دنیا کا دلدادہ ہو چکا ہے، دنیوی جان کے فتنے نے ہمیں پوری طرح جکڑ لیا ہے، ایسے میں دین اور شریعت کی مسلم معاشرہ میں شمع روشن کرنے کی کوشش یقیناً قابل مبارکباد ہے، اللہ تعالی ہم سب کو دنیا اور آخرت کی کامیابی عطا فرمائے، آپ حضرات نے فقہ واصول فقہ کی روشنی میں علمی تحقیقات پیش کی ہیں اور مقالے لکھے ہیں میں انشاء اللہ اسے اپنے یہاں (ایران) میں پیش کروں گا۔

حضرت مولانا عبدالحیٔ مفتاحی:

میری اپنی علمی زندگی کا یہ پہلا اتفاق تھا کہ اس فقہی سمینار میں مجھے مدعو کیا گیا اور میں نے اس میں حاضری اپنے لئے فخر سمجھا اور حاضر ہوا، اس میں شرکت کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے، آج ملت اسلامیہ میں مسلمان کے بہت سارے جزئی مسائل پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں اس کے لئے اس بات کی ضرورت تھی اور ہے کہ اس قسم کے ادارے قائم ہوں اور اس کے لئے اس قسم کے پروگرام اور اجلاس کا انعقاد کیا جائے جس پر علماء کرام اور مفتیان کرام کھلے دل سے بحث کریں اور سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ آج کے اس سمینار میں جو بھی مسائل آئے، اس سے پہلے کی بھی روایت رہی ہے، ان پر آپ سارے حاضرین، علماء کرام اور مفتیان عظام نے متفقہ طور پر تجاویز منظور کی، ہم اس کے لئے فقہ اکیڈمی کے ذمہ داران کو اپنی جانب سے، اپنے مدرسہ اور ذمہ داران کی جانب سے اور اپنے علاقہ کی جانب سے مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ

اللہ تعالی اس ادارے کو مزید اس طرح کے پروگرام منعقد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا شمیم احمد قاسمی:

یہ میری زندگی کا پہلا موقع ہے کہ مجھ کو اس طرح کے سمینار میں شرکت کا موقع ملا، اس پر مجھ کو فخر ہے، میں نے بہت سے سمینار کی روداد سنی تھی اور بہت سی باتیں سنی تھیں، مگر آج مجھ کو تجربہ ہوگیا کہ سمینار میں جو بھی کاروائی ہوتی ہے اور جو مباحثہ اور مناقشہ ہوتا ہے وہ کھلے ذہن سے ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں جو چیزیں آتی ہیں وہ نہایت علمی اور تحقیقی ہوتی ہیں، میں شکر گذار ہوں ذمہ داروں کا کہ انہوں نے مجھے علمی استفادہ کا موقع فراہم کیا۔

☆☆☆